تاریخِ اسلام

(۳)

ترتیب

گروہ نگارش

بسم الله الرحمن الرحيم

تاریخِ اسلام

(۳)

ترتیب

گروہ نگارش

یکے از مطبوعات

دار الثقافۃ الاسلامیۃ پاکستان

۲ - بے - ۵/۴ ـــــ ناظم آباد ـــــ نمبر ۲ ـــــ کراچی

فہرست

نمبر شمار	موضوع	صفحہ
	پیش لفظ	۶
	مقدمہ	۷
۱	حضرت علی علیہ السلام کی زندگی کے حالات (پہلا حصہ)	۹
۲	حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی زندگی کے حالات (دوسرا حصہ)	۲۴
۳	حضرت فاطمۂ زہراء علیہا السلام کی زندگی کے حالات	۳۹
۴	حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی زندگی کے حالات	۵۸
۵	حضرت امام حسین علیہ السلام کی زندگی کے حالات (پہلا حصہ)	۷۷
۶	حضرت امام حسین علیہ السلام کی زندگی کے حالات (دوسرا حصہ)	۹۱
۷	حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی زندگی کے حالات	۱۰۹
۸	حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی زندگی کے حالات	۱۲۷
۹	حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی زندگی کے حالات	۱۴۶
۱۰	حضرت امام موسیٰ ابن جعفر علیہ السلام کی زندگی کے حالات	۱۷۱
۱۱	حضرت امام علی ابن موسیٰ الرضا علیہ السلام کی زندگی کے حالات	۱۹۲
۱۲	حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی زندگی کے حالات	۲۱۷
۱۳	حضرت امام علی النقی علیہ السلام کی زندگی کے حالات	۲۳۶
۱۴	حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی زندگی کے حالات	۲۶۳
۱۵	حضرت امام زمان حجۃ ابن الحسن علیہ السلام کی زندگی کے حالات (پہلا حصہ)	۲۸۴
۱۶	حضرت امام زمان حجۃ ابن الحسن علیہ السلام کی زندگی کے حالات (دوسرا حصہ)	۳۰۶

بسمہ تعالیٰ

پیش لفظ

اسلامی علوم و معارف سے آشنائی کے سلسلے میں موجودہ نسل خصوصاً جوانوں کی بڑھتی ہوئی دلچسپی نیز تعلیم و تربیت کے فروغ کی غرض سے ایسی درسی کتابوں کی ترتیب و اشاعت کی ضرورت تھی جو کہ سلیس اور عام فہم زبان کے ساتھ ساتھ حقیقی اسلامی معارف پر مبنی مطالب اپنے دامن میں رکھتی ہوں، اسی ضرورت کے پیش نظر درج ذیل موضوعات پر متوسط سطحوں کے افراد کیلئے مذکورہ خصوصیات کی حامل معیاری کتابیں تیار کی گئی ہیں :

۱۔ تعلیم قرآن

۲۔ احکام

۳۔ اخلاق

۴۔ عقائد

۵۔ سیرت و تاریخ اسلام

آمید ہے کہ یہ کتابیں ولو اجمالی طور پر ہی موجودہ ضرورت کو پورا کرنے کے سلسلے میں مثبت کردار ادا کریں گی ۔

ناشر

مقدمہ

یہاں مقدمہ کے طور پر چند نکات کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے

۱۔ گزشتہ زمانہ میں مورخین اسلام کی روش یہ تھی کہ انہوں نے دوران امامت کی تاریخ کی تصویر کشی اور تدوین کے سلسلہ میں بنی امیہ اور بنی عباس کے حکام اور زمامداروں کی ظلم و جور سے بھری زندگی اور ان کے جرائم کو محور قرار دیا، دوسرے تاریخی اہم واقعات یہاں تک کہ معصوم رہبروں کی زندگی اور ان کے جہاد کو حاشیہ پر لکھا ہے یا بالکل ہی ذکر نہیں کیا ہے۔ لیکن ہم نے اس سلسلۂ درس میں رہبران معصوم علیہم السلام اور ان کی جہاد سے مملو زندگی کو محور قرار دیا ہے، خلفاء اور تاریخ کی دوسری موثر شخصیتوں کی زندگی اور ان کے اقدامات کو جہاں تک وہ ائمہ کی سیاسی زندگی سے متعلق ہیں، ہم نے مورد تجزیہ قرار دیا ہے۔

۲۔ ہر چند کہ درس کے اس سلسلہ میں ہمارا مقصد اسلام کی سیاسی تاریخ کا بیان و تجزیہ اور اپنے دور کے ظالم حکام کے مقابل ائمہ کے جہاد و موقف کی تشریح اور دوسرے سیاسی واقعات کا بیان ہے —— نہ کہ احوال نویسی اور وقایع نگاری —— لیکن پھر بھی امامؑ کے حالات زندگی کے بیان میں ان فضیلت و تقویٰ کے نمونوں کے فضائل و مکارم اخلاق کے دریائے بیکراں سے شمہ برابر اشارہ ہوا ہے تاکہ ان کے پیرودں، خاص کر عاشقان اسلام کے لئے زندگی ساز نمونہ اور ایک ایسا درس ہو جو کچھ سکھا سکے۔

۳۔ یہ کتاب تمام ائمہ علیہم السلام نیز حضرت فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا کی سیاسی زندگی کو اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے، دوسری طرف اس کتاب میں چونکہ سولہ اسباق ہیں اس لئے مجبوراً ان بزرگوں کی سیاسی زندگی کا اجمالی خاکہ ہی اس میں آسکا ہے، انشاء اللہ اس کی تفصیل مناسب موقع پر بیان کی جائے گی۔

کوشش یہ تھی کہ ہر سبق کیفیت کے اعتبار اور کمیت کے لحاظ سے ایک گھنٹہ کے ایک جلسہ کی معین حد کے اندر ہو۔ لیکن اس کے برخلاف اختصار کی رعایت اور مطالب کے ایک دوسرے سے جڑے ہونے کی بنا پر کچھ اسباق کا حجم زیادہ ہوگیا ہے، یا ضرورت سے زیادہ سخت ہوگیا ہے ایسی صورت میں محترم اساتذہ اور تربیت دہندگان ضروری موارد کی مزید توضیح کے ساتھ بعض مطالب کو آزاد مطالعہ کے عنوان سے معین فرما سکتے ہیں۔

سبق ۱

حضرت علیؑ کی زندگی کے حالات

پہلا حصہ

ائمہ طاہرین علیہم السلام اور ان کی تعداد

پیغمبر اکرم کی رحلت کے بعد آپ کے جانشین اور لوگوں کے دین و دنیا کے پیشوا بارہ افراد ہیں اس سلسلہ میں عامہ اور خاصہ دونوں نے پیغمبرؐ اکرم سے بہت سی روایتیں نقل کی ہیں یہاں تک کہ ان میں سے بہت سی روایتوں میں ائمہ کے نام کی بھی صراحت موجود ہے۔[1]

ان حضرات کی تعداد اور ناموں پر رسول اکرم کی نص کے علاوہ ہر امامؑ نے خدا کے حکم سے اپنے بعد والے امامؑ کا تعارف کرایا ہے۔ جیسا کہ پہلے امام حضرت امیر المؤمنین نے شہادت

---

[1] تفصیل کے لئے کتاب کفایۃ الاثر فی النص علی الائمۃ الاثنی عشر اور کتاب الغیبۃ للنعمانی ص۵۷ - ۱۱۰ - بحار الانوار جلد ۳۶ ص ۲۲۶ - ص ۳۷۳، غیبت شیخ ص ۸۷-۹۹ اور غیبت مفید کا مطالعہ فرمائیں اس کے علاوہ ولایت اور اس کے شرائط کے موضوع پر قرآن مجید کا مطالعہ ہم کو بارہ اماموں پر انحصار کرنے کی ہدایت کرتا ہے

کے وقت اپنے بیٹے امام حسن علیہ السلام کے نام کی تصریح فرما دی تھی اور امام حسنؑ نے بھی وفات کے وقت اپنے بھائی امام حسین علیہ السلام کی امامت کے عہدہ پر فائز ہونے کے بارے میں بتایا تھا۔ یہی عمل تمام ائمہؑ نے انجام دیا۔

ائمہ علیہم السلام کے نام :

۱۔ حضرت امیر المؤمنین علی بن ابیطالب علیہ السلام
۲۔ حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام
۳۔ حضرت امام حسین علیہ السلام
۴۔ حضرت امام سجاد علیہ السلام
۵۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام
۶۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام
۷۔ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام
۸۔ حضرت امام علی رضا علیہ السلام
۹۔ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام
۱۰۔ حضرت امام علی النقی علیہ السلام
۱۱۔ حضرت امام حسن العسکری علیہ السلام
۱۲۔ حضرت امام مہدی (حجۃ بن الحسن) علیہ السلام

ائمہ علیہم السلام کی سیرت

بارہ امام علیہم السلام پیغمبرؐ کی تعلیم و تربیت کا کامل نمونہ تھے، ان حضرات کی سیرت، رسول خداؐ کی سیرت تھی۔

البتہ دو سو پچاس سال کی مدت تک (سنہ ۱۱ھ سے سنہ ۲۶۰ھ، سال غیبت حضرت حجۃ عج)
جب یہ حضرات لوگوں کے درمیان میں موجود تھے اس زمانہ میں مختلف حالات پیش آتے رہے کہ جن سے
ائمہ علیہم السلام کی زندگی مختلف شکلوں میں جلوہ گر ہوتی رہی لیکن پیغمبرؐ کے اصلی مقصد ــ یعنی
اسلام کی نشر و اشاعت اور اصول و فروع کو تغییر و تبدیلی اور تحریف سے محفوظ رکھنا نیز ممکنہ حد تک
لوگوں کی تعلیم و تربیت ــ کو انھوں نے ہرگز نہیں چھوڑا۔

پیغمبر اکرمؐ اپنے ۲۳ سالہ تبلیغی دور میں زندگی کے تین مرحلوں سے گزرے ہیں، چنانچہ بعثت کے شروع کے تین سال آپ نے پوشیدہ طور پر تبلیغ کرنے میں گزارے، اس کے بعد دس سال تک مکہ میں علی الاعلان دعوت و تبلیغ کا کام کرتے رہے لیکن خود آپ اور آپ کے پیروکار دونوں ہی دشمنان اسلام کی طرف سے ڈھائے جانے والے سخت مظالم اور آزار کا شکار رہے، اس دور میں دین و اسلام کی تبلیغ کے لئے کسی طرح کی بھی آزادی حاصل نہ تھی۔ پھر آخر کے دس سال اس حالت میں گزرے کہ حکومت اسلامی کی بنیاد رکھی گئی اور اسلام نے اپنے فاتحانہ ترقی اور پیش قدمی کو جاری رکھا اور ہر لحظہ کمال و دانش کے دروازے لوگوں پر کھلتے رہے۔

ائمہ علیہم السلام گوناگوں حالات سے دوچار تھے وہ پیغمبرؐ کے ہجرت کے پہلے والے زمانہ سے کچھ کم مشابہ نہ تھے، کبھی تو اول بعثت کے تین سال کی طرح اظہار حق کا کسی صورت سے امکان ہی نہ تھا اور اور یہ حضرات بھی نہایت احتیاط سے اپنے فریضہ پر عمل کرتے رہے جیسا کہ چوتھے امام حضرت علی بن الحسین علیہ السلام نے یہی کیا۔

اور کبھی قبل ہجرت کے دس سال کی طرح صرف نشر احکام اور معارف دین کی تعلیم دیتے اور افراد کی تربیت کرتے رہے، ادھر حکام بھی ایذا رسانی سے باز نہیں آتے تھے اور ہر روز ایک نئی مشکل پیدا کر دیتے تھے۔

پیغمبرؐ کی ہجرت کے بعد کے حالات سے کسی حد تک مشابہ حالات صرف حضرت علیؑ کے پانچ سالہ دور حکومت اور امام حسنؑ کی زندگی کے تھوڑے دنوں کے حالات تھے۔ اسی طرح امام حسینؑ کی زندگی

کے محدود اور چند روزہ حالات تھے جس میں حق بغیر پردہ کے جلوہ گر ہوا اور شفاف آئینہ کی طرح اس نے پیغمبر اکرم کے زمانہ کے عمومی حالات کو پیش کیا۔

اس زمانہ کے علاوہ جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور کسی زمانہ میں ائمہ آشکارہ طور پر حکمران وقت کی مخالفت اور ان سے بنیادی و اعلانیہ جنگ نہ کر سکے اسی وجہ سے ان کے لئے قول و عمل میں تقیہ ناگزیر تھا اس کے باوجود ان کے دشمن ان کی شمع حیات کو گل کرنے اور ان کے آثار کو مٹانے کی کوشش میں لگے رہے۔

اختلاف کی اصل وجہ

پیغمبر ص کے بعد اسلامی معاشرہ میں مختلف حکومتیں بنیں اور انہوں نے اپنے کو حکومت اسلامی کا نام دیا۔ یہ تمام حکومتیں بنیادی طور پر اہل بیت علیہم السلام کی مخالف تھیں۔

یہ مخالفت اور دشمنی ناقابل آشتی، گہری اور اعتقادی تھی۔ یہ صحیح ہے کہ پیغمبر اکرم نے اپنے اہل بیت ع کے لئے فضائل و مناقب بیان فرمائے تھے جن میں سے ایک اہم ترین بات یہ ہے کہ اہل بیت ع احکام و معارف قرآن اور خدا کی حلال و حرام کردہ چیزوں سے بہرہ ور تھے اور انھیں بیان فرماتے تھے نتیجہ میں ان کی تعظیم اور احترام تمام امت پر لازم تھا، لیکن امت نے پیغمبر کی اس وصیت کا حق ادا نہیں کیا۔

مختلف مقامات خصوصاً غدیر خم میں پیغمبر ص نے علی ع کو اپنا جانشین معین فرما دیا تھا، لیکن اس کے برخلاف کچھ مسلمانوں نے — پیغمبر کی رحلت کے بعد — دوسروں کو پیغمبر ص کا جانشین چن لیا اور اہل بیت ع کو ان کے مسلّم حق سے محروم کر دیا۔ نتیجہ میں حکومت وقت اہل بیت کو ہمیشہ اپنا خطرناک رقیب شمار کرتی رہی اور مختلف طریقوں سے انہیں ختم کر دینے یا گوشہ نشین بنا دینے کی کوشش میں لگی رہی

ائمہ علیہم السلام کا پیغمبر ص اعظم کی سیرت کو امت اسلامی کے لئے جاری کرنا، فریضہ حکومت اسلامی کی رعایت، اس کا تحفظ اور اسلام کے آسمانی مکمل احکام کے اجراء کو ضروری سمجھتے تھے۔ لیکن پیغمبر کے بعد تشکیل پانے والی حکومت، احکام اسلامی کی مکمل رعایت اور سیرت پیغمبر ص کی مطابعت کی پابندی نہیں تھی بلکہ اپنی نفسانی اور سیاسی خواہشوں کے مطابق احکام اور قوانین کی تفسیر کرتی رہی،

امیرالمؤمنین علیہ السلام ان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ :[1]

"یہ دین اشرار کے ہاتھوں میں اسیر ہوا وہوس اور دنیا طلبی کا ذریعہ تھا۔"

ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ میں حضرت علیؑ کی خصوصیات کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

"علی علیہ السلام شریعت کے پابند تھے اور جو کچھ دین کے خلاف تھا اس کو نظر انداز کر کے عمل نہیں کرتے تھے۔"

حضرتؑ خود فرماتے ہیں کہ :

"اگر دین و تقویٰ مانع نہ ہوتا تو میں عرب کا زیرک ترین شخص ہوتا۔"

لیکن دوسرے خلفاء نے جو خود بہتر سمجھا اور جو ان کی رائے کے مطابق تھا اسی پر عمل کیا چاہے وہ شرع کے مطابق ہو یا نہ ہو۔[2]

خداوند عالم نے چند آیتوں میں امت اسلامی کو حتی کہ پیغمبر اکرمؐ کو احکام اسلامی میں تبدیلی کرنے کی ممانعت کی ہے۔ پیغمبرؐ اسلام نے بھی انہیں ناقابل تغییر قوانین و احکام کی روشنی میں لوگوں کے درمیان وہ روش اختیار کی کہ جس سے قوانین الہٰی کے اجراء میں زمان و مکان و اشخاص کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں چھوڑا۔

اپنی سیرت طیبہ سے پیغمبرؐ کا صرف یہ مقصد تھا کہ احکام آسمانی لوگوں کے درمیان عادلانہ اور مساوی طور پر جاری ہوں اور اسلام کے قوانین تبدیلی اور ترمیم سے بچ جائیں اسی روش کے ذریعہ آپؐ نے لوگوں سے ہر طرح کا امتیاز ختم کر دیا حتی کہ آنحضرتؐ خدا کے حکم سے واجب الاطاعت حاکم اور فرماں روا ہوئے

---

[1] فانّ هٰذا الدین قد کان اسیراً فی ایدی الاشرار یعمل فیه بالهوىٰ وتطلب به الدنیا

نہج البلاغہ فیض الاسلام خط ۵۳ ص۱۰۰۱ مالک اشتر کے نام خط

[2] شرح نہج البلاغہ جلد ۱ ص۲۸

پیغمبر کی اپنی زندگی میں، بجز اس امتیاز کے جو دستور خداوندی کے مطابق رکھتے تھے ۔ ذرہ برابر بھی لوگوں کی بہ نسبت کوئی امتیاز نہ تھا ۔

لیکن ائمہ علیہم السلام کے زمانہ کی حکومتوں نے ظاہری لحاظ سے بھی اپنی سیرت کو پیغمبر کی سیرت سے منطبق نہیں کیا اور اپنی راہ و روش کو بدل ڈالا ۔

۱۔ رسول خدا کی رحلت کے بعد اسلامی معاشرہ میں شدید ترین اختلاف رونما ہوا اور امت اسلامی، طاقتور اور کمزور دو دستوں میں تقسیم ہو گئی[۱] ۔ اور ایک گروہ کی عزت و آبرو جان و مال دوسرے گروہ کی ہوا و ہوس کا بازیچہ قرار پائے ۔

۲۔ نام نہاد اسلامی حکومتیں تدریجاً قوانین اسلامی کو بدلنے لگیں اور کبھی اسلامی معاشرہ کی مصلحت کی رعایت کے نام پر، حکومت اور اس کی سیاست کے تحفظ کی خاطر احکام الٰہی پر عمل کرنے اور اسلامی دستور و قوانین کی مخالفت کرتی تھیں ۔

یہ روش روز بروز وسعت پاتی رہی اور بات یہاں تک پہونچی کہ زمامداران حکومت اور کام کرنے والوں میں ذرہ برابر احکام اسلامی اور دینی حدود کی پابندی نہیں رہ گئی ۔

لیکن ائمہ علیہم السلام، قرآن کے حکم کے مطابق احکام اسلام اور سیرت پیغمبر کے اجراء کو ہمیشہ اور تمام لوگوں کے لئے لازم جانتے تھے، اسی اختلاف اور تضاد کی بنا پر اس وقت کی حکومتیں اپنی طاقت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ائمہ علیہم السلام کی حیثیت کو کمزور بنانے اور ان کو میدان سے الگ ہٹا دینے کی کوشش کرتی رہیں اور ہر ممکن طریقہ پر ان کے نور کو گل کرنے میں لگی رہیں ۔[۲]

اہل بیت علیہم السلام بڑی مشکلات سے دوچار اور سخت ترین کینہ توز دشمنوں میں رہنے

---

[۱] مزید معلومات کے لئے "تاریخ اسلام امامت حضرت کے زمانہ میں" سبق ۴ کی طرف رجوع فرمائیں ۔

[۲] جو بیان اس مقدمہ میں کلی طور پر آیا ہے اور جس بات کا دعویٰ کیا گیا ہے وہ آئندہ دروس میں ائمہ کے لئے خلفاء کے موقف اور معصوم رہبروں کے اقدامات کے نمونوں کے ساتھ پیش کیا جائے گا ۔

کے باوجود حقائق دین کی تبلیغ کرتے رہے اور صالح افراد کی تربیت سے دست کش نہ ہوئے۔ ان کی مسلسل تعلیم و تربیت ہی کا اثر تھا کہ حق کے پیرو رحلت پیغمبرؐ کے بعد قلیل ہونے کے باوجود اواخر عصر ائمہؑ میں کثیر جمعیت تک پہونچ گئے۔

علی ابن ابیطالب علیہ السلام

مذکورہ بالا مقدمہ جس میں ائمہ کی عمومی سیرۃ کا اجمالی ذکر اور ان کی معاصر حکومتوں اور ان کے درمیان اختلاف کے سبب کی تحقیق کے بعد، اب ہم امام کی سوانح عمری بقدر گنجائش درس بیان کریں گے یہ تو واضح ہے کہ تمام معصوم پیشواؤں کی مکمل علمی، سیاسی اور اجتماعی زندگی کو چند گھنٹوں میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ لہٰذا مختصر وقت کے پیش نظر رہبران الٰہی کی زندگی کا سرسری جائزہ پیش کیا جارہا ہے۔

ابتدا پہلے امام حضرت امیرالمؤمنین کی زندگی سے کی جارہی ہے۔ آپ کی زندگی کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

الف ۔ ولادت سے بعثت پیغمبرؐ تک

ب ۔ بعثت سے ہجرت پیغمبرؐ تک

ج ۔ ہجرت سے رحلت پیغمبرؐ تک

د ۔ رحلت پیغمبرؐ سے خلافت تک

ھ ۔ خلافت سے شہادت تک

اب ہم ان پانچوں حصوں میں سے ہر حصہ کے بارے میں بحث کا نچوڑ پیش کریں گے۔

ولادت سے بعثت پیغمبرؐ تک

حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام جمعہ کے دن ۱۳ رجب سنہ ۳۰ عام الفیل (البعثت سے

دس سال پہلے، خانۂ خدا میں پیدا ہوئے۔[1] اس نومولود کے پدر عالیقدر "عمران"[2] ابن عبد المطلب ابن ہاشم ابن عبد مناف تھے اور ان کی والدہ ماجدہ فاطمہ بنت اسد ابن ہاشم ابن عبد مناف تھیں۔

علی علیہ السلام چھ سال کی عمر تک اپنے والدین کے پاس زندگی گزارتے رہے اس کے بعد حضرت محمد ابن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی درخواست پر آنحضرتؐ کے پاس چلے آئے اور آپؐ کے دامن تربیت میں رہے۔[3]

اپنے اس زمانہ کو امام علیہ السلام خود بیان فرماتے ہیں:

وَضَعنی فی حِجْرِہ وَ اَنا وَلَدٌ یَضُمُّنی الیٰ صَدْرِہ وَیکنفُنی فی فراشہ وَیُمِسُّنی جَسَدَہ وَیُشِمُّنی عَرْفَہٗ وکانَ یَمْضَغُ الشیئَ ثُمَّ یُلقمنیہ .... ولَقَدْ کُنْتُ اَتَّبِعُہٗ اتّباع الفَصِیلِ اَثَرَ اُمِّہ، یَرْفَعُ لی فی کُلِّ یومٍ من اخلاقہ علمًا ویأمُرُنی بالاقتداء بہ، ولَقَدْ کان یُجاوِرُ فی کُلِّ سَنَۃٍ بحراء فاراہ ولا یراہ غیری....[4]

"بچپن میں پیغمبرؐ مجھے اپنی آغوش میں لیتے اپنے سینہ سے لگاتے اور اپنی مخصوص آرامگاہ پر جگہ دیتے اپنا جسم اقدس میرے جسم سے مس کرتے اور اپنی خوشبو سے میرے مشام جاں کو معطر فرماتے غذا چبا کر میرے منہ میں رکھتے۔"

۱؎ ارشاد مفید /۹ مطبوعہ بیروت۔ بحار جلد ۳۵/۵ منقول از تہذیب۔ کشف الغمہ مطبوعہ تبریز جلد ۱/ ۵۹۔ خانہ کعبہ میں آپ کی ولادت کے موضوع کو اہل سنت کے بہت سے مورخین و محدثین نے لکھا ہے۔ مزید تفصیل کے لئے مروج الذہب جلد ۲/ ۳۴۹۔ شرح الشفا جلد ۱/ ۱۵۱۔ مستدرک حاکم جلد ۳/ ۴۸۳ شرح قصیدہ عبد الباقی آفندی از آلوسی /۱۵ ملاحظہ ہو۔ ۲؎ عمران کے چار بیٹے، طالب، عقیل، جعفر اور علیؑ تھے۔ آپ ابو طالب کی کنیت سے مشہور تھے۔ لیکن ابن ابی الحدید نے جلد ۱ ص۱۱ پر حضرت علیؑ کے والد کا نام عبد مناف لکھا ہے۔

۳؎ سیرۃ ابن ہشام جلد ۱/ ۲۶۲، کامل ابن اثیر جلد ۲/ ۵۸، کشف الغمہ جلد ۱/ ۷۹، تاریخ طبری ۲/ ۳۱۳

۴؎ نہج البلاغہ خطبۂ قاصعہ سے چند جملے از صبحی صالح حدیث ۱۹۲ ص۳۰۰ (ص۸۱۱ اور دو سطریں ص۸۱۲ سے)

میں رسول خدا کی پیروی اس طرح کرتا جیسے (اونٹ کا) چھوٹا شیر خوار بچہ اپنی ماں کے پیچھے پیچھے چلتا ہے۔ ہر روز میرے لئے اپنے اخلاق کا علم بلند کرتے تھے اور آنحضرت مجھے حکم دیتے تھے کہ میں ان کے کردار کی پیروی کروں۔ آپ ہر سال غار "حرا" میں تشریف لے جاتے تھے اور اس وقت میرے علاوہ ان کو کوئی دیکھ نہیں پاتا تھا۔"

خورشید رسالت کا اعلیٰ کردار، حسن رفتار، عدالت پسندی، انسان دوستی اور خدا پرستی حضرت علیؑ کی انفرادی و اجتماعی زندگی میں راستہ معین کرنے کے لئے بہترین نمونہ اور سرمشق ہے۔

بعثت سے پیغمبرؐ کی ہجرت تک

حضرت علی علیہ السلام ابھی نوجوان تھے اور ان کا سن دس سال سے زیادہ نہ تھا لیکن پھر بھی آپ کی بینش اور آگاہی اتنی تھی کہ جب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی پیغمبری کا اعلان فرمایا تو آپ نے سب سے پہلے ایمان کا اعلان فرمایا[۱] خود حضرتؑ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ:

"لم یجمع بیتٌ واحدٌ یومئذٍ فی الاسلام غیر رسول اللہ و خدیجہ وانا ثالثھما اریٰ نور الوحی والرسالۃ واشمّ ریح النبوۃ"[۲]

اس زمانہ میں جب اسلام کسی گھر میں نہیں پہونچا تھا۔ فقط پیغمبر اور ان کی بیوی خدیجہ مسلمان تھیں اور تیسرا میں مسلمان تھا۔ نور وحی کو دیکھتا اور نبوت کی خوشبو سونگھتا تھا۔"

جب آیہ" وانذر عشیرتک الاقربین"[۳] نازل ہوئی تو علیؑ نے پیغمبر کے فرمان کے مطابق اپنے رشتہ داروں میں سے چالیس افراد کو منجملہ ان کے ابولہب، عباس، حمزہ وغیرہ

۱۔ تاریخ طبری جلد ۲ ص۳۱۰ - کامل ابن اثیر جلد ۲ ص۵۷ - ابن ہشام جلد ۱ ص۲۶۲، کشف الغمہ جلد ۱ ص۸۶

۲۔ نہج البلاغہ فیض الاسلام خطبہ ۲۳۲/ ص۸۱۱، ص۸۱۱   ۳۔ سورہ شعراء/۲۱۴

کو مہمان بلایا۔ رسول اکرمؐ نے کھانے پینے کے بعد فرمایا:

"اے فرزندان عبد المطلب! میں حق تمہارے لئے لایا ہوں مجھے نہیں معلوم کہ عرب کے جوانوں میں سے کوئی اس سے بہتر چیز تمہارے لئے لایا ہو۔ میں تمہارے لئے دنیا و آخرت کی خیر و سعادت تحفہ میں لایا ہوں۔ خدا نے حکم دیا ہے کہ میں تم کو اس کی طرف بلاؤں تم میں سے کون اس راستہ میں میری مدد کرے گا تاکہ وہی میرا بھائی، میرا وصی اور میرا جانشین قرار پائے؟"

رسول خداؐ نے تین بار یہ بات دہرائی اور ہر بار تنہا علیؑ کھڑے ہوئے اور انہوں نے اپنی آمادگی کا اعلان فرمایا۔

پھر حضرتؐ نے فرمایا:

"یہ (علی)، میرے بھائی، وصی اور جانشین ہیں ان کی بات سنو اور اطاعت کرو۔"[۱]

آپؑ نے مکہ کی پوری تیرہ سالہ زندگی رسولؐ کی خدمت میں گزاری اور وحی الٰہی لکھتے رہے۔

علیؑ، بستر رسولؐ پر

اظہار اسلام کی بنا پر قریش کے سربرآوردہ افراد نے اپنی تسلط طلب خواہشوں کی راہ میں وجود پیغمبرؐ کو خطرناک تصور کیا۔ اسی وجہ سے "دار الندوہ" میں جمع ہوئے اور رسولؐ خدا سے مقابلہ کے بارے میں مشورہ کرنے لگے۔ آخر میں یہ طے پایا کہ ہر قبیلہ سے ایک ایک آدمی چنا جائے تاکہ رات کو پیغمبرؐ کے گھر پر حملہ کیا جائے اور ان کو سب مل کر قتل کر دیں۔ پیغمبرؐ وحی کے ذریعہ ان کی سازش سے آگاہ ہوئے اور بہ حکم ملائکہ راتوں رات ہجرت کر جائیں۔[۲] آپؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا کہ: "آپ میرے

---

[۱] تاریخ طبری جلد ۲ / ۳۲۰ - مجمع البیان جلد ۷ - ۸ / ۲۰۶ - الغدیر جلد ۲ / ۲۷۹ - کامل ابن اثیر جلد ۲ / ۶۲-۶۳
"ان هذا اخی ووصی وخلیفتی فیکم فاسمعوا له واطیعوا"

[۲] سیرة ابن ہشام جلد ۲ / ۱۲۴ - کامل ابن اثیر جلد ۲ / ۱۰۱ - ۱۰۳ - الصحیح من سیرة النبی جلد ۲ / ۲۳۸

بستر پر اس طرح سو جاؤ ہیں کہ کسی کو یہ معلوم نہ ہونے پائے کہ پیغمبرؐ کی جگہ کون سو رہا ہے۔"

یہ فداکاری ایسی اہمیت اور قدر و قیمت کی حامل تھی کہ مختلف روایات کی بنا پر خدا نے یہاں آیت نازل کی — ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللّٰہ واللّٰہ رؤف بالعباد[2]۔ لوگوں میں سے کچھ ایسے ہیں جو رضائے خدا کی راہ میں اپنا نفس بیچ دیتے ہیں اور خدا اپنے بندوں پر مہربان ہے۔

ہجرت سے رحلت پیغمبرؐ تک

الف۔ علیؑ، پیغمبرؐ کے امانت دار

پیغمبر کو جب ہجرت کا حکم ملا تو آپؐ نے اپنے خاندان کے افراد اور قبیلہ کے درمیان علیؑ سے زیادہ کسی کو امانت دار نہیں پایا۔ اس وجہ سے آپ نے ان کو اپنا جانشین بنایا تاکہ لوگوں کی امانتیں ان تک پہنچادیں آپؐ کا قرض ادا کریں اور آپؐ کی دختر حضرت فاطمہ زہراؑ اور دوسری عورتوں کو مدینہ پہونچائیں۔

علی علیہ السلام، پیغمبرؐ کے حکم پر عمل کرنے کے بعد، اپنی والدہ گرامی جناب فاطمہ، بنت رسولؐ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا اور زبیر کی بیٹی فاطمہ اور کچھ دوسرے لوگوں کے ساتھ مدینہ روانہ ہوئے اور مقام "قبا[3]" میں پیغمبر اکرم سے جاملے[4]۔

ب۔ علیؑ اور راہ خدا میں جہاد

رسولؐ خدا کے مدینہ ہجرت کرنے کے بعد راہ حق میں اپنی جان کی بازی لگانے والوں اور جان کی پروا نہ کرنے والوں میں پیغمبرؐ کے اصحاب کے درمیان علیؑ بے نظیر ہیں۔ آپ غزوہ تبوک کے علاوہ — جس میں

---

[1] تفسیر المیزان جلد ۲/۹۹ - (دس جلد والی) تفسیر برہان جلد ۱/۲۰۶ ملاحظہ ہو۔

[2] سورہ بقرہ / ۲۰۷

[3] مدینہ سے دو فرسخ دور قبا قبیلۂ بنی عمرو بن عوف کے سکونت کی جگہ تھی معجم البلدان جلد ۴/۳۰۱

[4] مناقب ابن شہر آشوب جلد ۲/۵۸، الصحیح من سیرۃ النبی جلد ۲/۲۶۵

پیغمبرؐ کے حکم سے مدینہ میں رک گئے تھے ۔ تمام غزوات میں موجود رہے ۔ اور زیادہ تر آپؑ کی فداکاری وایثار کے سبب سے لشکر اسلام نے لشکر کفر و شرک پر غلبہ حاصل کیا ۔ آپ نے ہمیشہ اپنے دشمن و مدمقابل کو شکست دی اور کبھی بھی دشمن کو پیٹھ نہیں دکھائی اور فرمایا کہ اگر تمام عرب ایک کے پیچھے ایک مجھ سے لڑیں تو میں اس جنگ میں پیٹھ پھیرنے والا نہیں۔[1]

بلاخوف و تردید یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اگر اس جانباز اسلام کی جانبازیاں اور فداکاریاں نہ ہوتیں تو بعید نہیں تھا کہ بدر واحد و خندق و خیبر ..... کسی بھی جنگ میں کفار و مشرکین چراغ رسالت کو آسانی سے گل کر کے پرچم حق کو سرنگوں کر دیتے ۔

اس مقام پر مولا علیؑ کی جنگ خندق و خیبر کے دو میدانوں کی فداکاریوں کو بیان کرتے ہوئے ہم آگے بڑھیں گے ۔

۱۔ اسلام دشمن مختلف گروہوں نے ایک دوسرے سے ہاتھ ملالیا تاکہ یک بیک مدینہ پر حملہ کر کے اسلام کو ختم کر دیں پیغمبرؐ اسلام نے جناب سلمان فارسی کی پیشکش پر حکم دیا کہ مدینہ کے ان اطراف میں خندق کھود دی جائے جہاں سے دشمن کے داخل ہونے کا خطرہ ہے ۔

خندق کے دونوں طرف دونوں لشکر ٹھہرے ہوئے ہیں، عرب کا نامی گرامی جنگجو "عمرو بن عبدود" دشمن کے لشکر سے خندق کو پار کر کے رجز پڑھتا اور مبارزہ طلبی کرتا ہوا آیا ۔ علیؑ نے قدم آگے بڑھائے دونوں میں گفتگو کے بعد عمرو گھوڑے سے اتر پڑا اور اس نے گھوڑے کو پئے کر دیا، تلوار لے کر علیؑ پر حملہ آور ہوا امامؑ نے دشمن کے وار کو اپنی ڈھال پر روکا اس کے بعد آپ نے ایک ضرب سے اس کو زمین پر گرادیا پھر قتل کر ڈالا ۔ عمرو کے ساتھیوں نے جب یہ منظر دیکھا تو وہ میدان سے بھاگ کھڑے ہوئے اور جو رہ گیا وہ امام کی تلوار سے عمرو کے ساتھ جاملا[2] ۔ امام علیہ السلام فاتحانہ واپس آئے پیغمبرؐ نے ان سے فرمایا :

---

[1] واللہ لو تظاہرت العرب علی قتالی لما ولیت عنہا شرح نہج البلاغہ فیض الاسلام ص۹۷۱

[2] ارشاد مفید / ۵۲ - ۵۳

"اگر تمہاری آج کی جنگ کو امت اسلام کے تمام پسندیدہ اعمال سے تولا جائے تو تمہارا یہ عمل سب سے برتر ہے۔"[1]

۲- پیغمبرؐ اکرم نے یہودیوں کے مرکز خیبر کا محاصرہ کیا اس غزوہ میں آنکھوں کے درد کے سبب حضرت علیؑ جنگ میں شامل نہ تھے۔ رسول اکرمؐ نے دو مسلمانوں کو پرچم دیا اور وہ دونوں ہی کامیابی حاصل کرنے سے پہلے ہی واپس آگئے، پیغمبرؐ نے فرمایا: "پرچم ان کا حق نہ تھا علی کو بلاؤ" لوگوں نے عرض کیا کہ "ان کی آنکھوں میں درد ہے" آپؐ نے فرمایا: "ان کو بلا لاؤ وہ، وہ ہیں جن کو خدا اور اس کا رسولؐ دوست رکھتا ہے اور وہ بھی خدا اور اس کے پیغمبرؐ کو دوست رکھتے ہیں۔۔۔۔

جب علی علیہ السلام تشریف لائے تو پیغمبرؐ نے فرمایا: "علی کیا تکلیف ہے؟" علیؑ نے کہا: "آنکھوں اور سر کے درد سے تکلیف ہے۔"

رسولؐ خدا نے ان کے لئے دعا فرمائی اور ان کی آنکھوں پر لعاب دہن لگایا۔ درد ختم ہو گیا، علیؑ نے سفید پرچم لہرایا۔ پیغمبرؐ نے ان سے فرمایا: "جبرئیل تمہارے ساتھ اور کامیابی تمہارے آگے آگے ہے خدا نے ان کے دلوں میں خوف و ہراس ڈال دیا ہے۔۔۔"

علیؑ میدان میں گئے پہلے مرحب سے سامنا ہوا کچھ باتیں ہوئیں اور آخرکار اس کو زمین پر گرا دیا یہودی قلعہ کے اندر چھپ گئے اور دروازہ بند کر لیا۔ امام علیہ السلام دروازہ کے پیچھے آئے اور جس دروازہ کو بیس آدمی بند کرتے تھے اس کو اکیلے کھولا اور اس کو اس کی جگہ سے اکھاڑا اور یہودیوں کی خندق پر ڈال دیا یہاں تک کہ مسلمان اس پر سے گزر کر کامیاب ہوئے۔[2]

ج۔ علیؑ اور پیغمبرؐ کی جانشینی

پیغمبرؐ کے بعد مسلمانوں کے امور کی سرپرستی اور ولایت کے مسئلہ میں رسول خدا نے صرف پوشیدہ

---

[1] بحار جلد ۲/ ۲۰۵ "لو وزن الیوم عملک بعمل امۃ محمد لرجح عملک بعملھم۔۔۔"

[2] ارشاد مفید/ ۶۵-۶۷

بیان پر اکتفا نہیں کی بلکہ جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں کہ دعوت و تبلیغ کے پہلے ہی دن سے مسئلہ ولایت کو توحید و نبوت کے ساتھ صریحاً بیان فرما دیا۔ اور پھر خصوصیات و فضائل کا مجموعہ علی علیہ السلام کے لئے آپ کے پاس خدا کا یہ فرمان موجود تھا کہ امورِ دین و دنیا میں علیؑ کی ولایت و سرپرستی اور اپنے بعد اپنی جانشینی کا اعلان فرما دیں۔

رسول اکرمؐ نے اس کام کو مختلف موقعوں پر منجملہ ان کے "غدیر خم" میں انجام دیا۔ آنحضرتؐ نے ۱۰ھ میں فریضۂ حج کی انجام دہی کے لئے مکہ کا قصد فرمایا، مورخین نے اس سفر میں پیغمبرؐ کے ساتھیوں کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار لکھی ہے[۱] واپسی پر ۱۸ ذی الحجہ کو صحراء جحفہ کی "غدیر خم" نامی جگہ پر پہونچے۔ منادی نے پیغمبرؐ کے حکم کے مطابق اعلان کیا "الصلوۃ جامعۃ" سب لوگ رسول خدا کے گرد جمع ہو گئے۔ پالانِ شتر سے ایک بلند جگہ (منبر) بنائی گئی اور پیغمبرؐ اس پر تشریف لے گئے، حمد خدا اور مفصل خطبہ کے بعد آپ نے فرمایا: اے لوگو! خود مؤمنین سے زیادہ کون شخص ان پر ولایت و سرپرستی رکھتا ہے؟ لوگوں نے کہا خدا اور پیغمبرؐ زیادہ بہتر جانتے ہیں آپ نے فرمایا میرا ولی خدا ہے اور میں مومنین پر خود ان کے نفسوں سے زیادہ حق رکھتا ہوں پھر فرمایا "من کنت مولاہ فھٰذا علیٌ مولاہ[۲]" جس کا میں سرپرست و ولی ہوں یہ علیؑ اس کے سرپرست و ولی ہیں خدایا ان کے دوستوں کو دوست رکھ اور ان کے دشمنوں کو دشمن رکھ۔ ابھی لوگ پراگندہ نہیں ہوئے تھے کہ آیت نازل ہوئی "الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا[۳]۔" "آج تمہارے دین کو میں نے کامل کر دیا، اپنی نعمتیں تم پر تمام کر دیں، اور تمہارے لئے دینِ اسلام کو پسند کر لیا۔

۱۔ الغدیر جلد ۱/۹ ۲۔ الغدیر جلد ۱/۹-۱۱

۳۔ سورہ مائدہ /۳

سوالات

(۱) ائمہ علیہم السلام کی عمومی سیرت کیا تھی ۔ ائمہ اور پیغمبرؐ کی سیرت میں کوئی فرق تھا یا نہیں ؟ اور اگر تھا کیسا فرق تھا ؟

(۲) ائمہ معصومینؑ اور ان کی معاصر حکومت کے درمیان اختلاف کی اصل وجہ کیا تھی ؟

(۳) امیرالمؤمنین کا بچپن کیسے گزرا اور خود آپؑ نے اس بارے میں کیا فرمایا ؟

(۴) اپنے بعد امیرالمؤمنین کی جانشین کے مسئلہ کی پیغمبرؐ نے جب پہلی بار تصریح کی تو وہ کون سا وقت اور کونسا موقع تھا ؟

(۵) جنگوں میں امیرالمؤمنین کی فداکاری کا ایک نمونہ بیان فرمائیں ؟

سبق ۲

حضرت علیؑ کی سوانح عمری

دوسرا حصّہ

پیغمبرؐ کی رحلت سے خلافت تک

رسول اکرمؐ کی آنکھ بند ہونے کے بعد، بعض مسلمان سقیفۂ بنی ساعدہ میں جمع ہو گئے، اور باوجودیکہ پیغمبرؐ نے علیؑ کو حکم پروردگار کے مطابق اپنا جانشین مقرر فرمایا تھا۔ اس کے برخلاف لوگوں نے حکومت ابوبکر کے حوالہ کردی۔ ابوبکر ۱۳ھ میں ۶۳ سال کی عمر میں اس دنیا سے چلے گئے ان کی مدت خلافت دو سال تین مہینہ تھی۔[۱]

ان کے بعد عمر بن خطاب نے جناب ابوبکر کی وصیت کے مطابق خلافت کی زمام سنبھالی اور اور آخر ذی الحجہ ۲۳ھ کو ابولولو "فیروز" کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ ان کی خلافت کی مدت دس سال چھ مہینہ اور چار دن تھی۔[۲]

عمر نے اپنے بعد خلیفہ معین کرنے کے لئے ایک کمیٹی بنائی جس کا نتیجہ عثمان ابن عفان کے فائدہ

۱۔ مروج الذہب جلد ۲/ ۲۹۸

۲۔ مروج الذہب جلد ۲/ ۳۰۴

میں رہا۔ انہوں نے جناب عمر کے بعد محرم کے اواخر میں ۲۴ھ کو خلافت کی باگ ڈور سنبھالی اور ذی الحجہ ۳۵ھ کو ناانصافی اور بیت المال میں خرد برد کے نتیجہ میں مسلمانوں کی ایک شورش میں ایک جمعیت کثیر کے ہاتھوں قتل کر دیئے گئے ان کی خلافت بارہ سال سے کچھ کم مدت تک رہی۔[1]

مذکورہ تینوں خلفاء بعد پیغمبرؐ یکے بعد دیگرے تقریباً ۲۵ برس تک لوگوں پر حکومت کرتے رہے۔ اس طویل مدت میں اسلام اور جانشینی پیغمبرؐ کے لئے مناسب ترین شخصیت امیر المؤمنین علی بن ابی طالب نے صبر و شکیبائی سے کام لیا اور گھر میں بیٹھے رہے۔

علی جو خلافت کو اپنا مسلم حق سمجھتے تھے، ان لوگوں کے مقابل اٹھے جنہوں نے ان کے حق کو پامال کیا تھا، آپ نے اعتراض کیا اور جہاں تک اسلام کی بلند مصلحتوں نے اجازت دی اس حد تک آپ نے گفتگو اور احتجاج میں مطالب کو روشن فرمایا۔

اسلام کی عظیم خاتون حضرت فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا بھی اس سلسلہ میں آپ کے ساتھ اور آپ کی مددگار تھیں انہوں نے عملی طور پر دوسروں کی حکومت کو غیر قانونی بتایا۔

لیکن چونکہ اسلام ابھی نیا نیا تھا اس لئے حضرت علی نے تلوار اٹھانے اور جنگ کی آگ بھڑکانے سے گریز کیا۔ کیونکہ طبعی طور پر اس فعل سے اسلام کو نقصان پہنچتا۔ اور ممکن تھا کہ پیغمبرؐ کی زحموں پر پانی پھر جاتا یہاں تک آپ نے اسلام کی آبرو بچانے کے لئے ضروری موارد پر تینوں خلفاء کی دینی امور اور بہت سے سیاسی مشکلات میں رہنمائی اور ہدایت سے دریغ نہیں فرمایا جیساکہ یہ لوگ بھی مجبوراً ان کی علمی بزرگی اور قابل قدر خدمات کا اعتراف کرتے رہے چنانچہ خلیفہ دوم اکثر کہا کرتے تھے: "لولا علیٌ لھلک عمر"[2] یعنی اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو گئے ہوتے۔

---

[1] مروج الذھب جلد ۲/ ۳۲۳

[2] بحار جلد ۴/ ۱۳۹، الغدیر جلد ۴/ ۶۴ - ۶۶ و جلد ۶ صفحات ۸۱، ۹۳، ۱۰۶، ۱۱۳ و جلد ۱۷ صفحہ ۱۵۱ و جلد ۸/ ۱۸۹ و شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید معتزلی جلد ۱ ص ۵۸

خلافت سے شہادت تک

جناب عثمان کے قتل کے بعد اکثریت کے اصرار اور خواہش پر تقریباً مہاجرین و انصار کے اتفاق سے حضرت علی خلافت کے لئے منتخب کئے گئے۔ امامؑ نے پہلے اس عہدہ کو قبول کرنے سے انکار کیا۔ واضح رہے یہ انکار اس لئے نہیں تھا کہ آپ اپنے اندر ذمہ داری کی توانائی اور مصائب برداشت کرنے کی طاقت نہیں پاتے تھے، یا یہ کہ ان سے زیادہ مناسب اصحاب کے درمیان کوئی اور موجود تھا۔ بلکہ یہ انکار اس لئے تھا کہ حضرت جانتے تھے کہ اسلامی معاشرہ گزشتہ خلفاء کی غلط سیاست کی بنا پر خصوصاً عثمان کے زمانہ خلافت میں طبقاتی اختلاف اور اجتماعی و اقتصادی تفریق کا شکار ہو چکا تھا۔ آپ دیکھ رہے تھے کہ اصلی اسلام کے اصول و مفاہیم جس پر پیغمبر اپنی زندگی کے طویل عرصہ میں عمل کرتے رہے ہیں وہ فراموشی کی نذر ہو کر ختم ہو چکے ہیں۔ ان تمام چیزوں کو اپنی جگہ پر لانے میں مشکلیں اور سختیاں درپیش ہونگی۔ ان تمام باتوں کے پیش نظر علیؑ نے چاہا کہ لوگوں کو آزما کر دیکھا جائے کہ وہ انقلاب اسلامی کی روش کو عملی طور پر اختیار کرنے پر کس حد تک آمادہ ہیں تاکہ بعد میں ایسا نہ سمجھ بیٹھیں کہ علیؑ نے ان کو غافل بنا کر ان کی انقلابی تحریک اور شورش سے فائدہ اٹھا لیا۔

ان تمام باتوں اور دوسری باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے امامؑ نے اصحاب اور جمہور کے بہت اصرار کے باوجود فوری طور پر حکمرانی قبول کرنے سے انکار کر دیا اور لوگوں کے جواب میں فرمایا:

"مجھے چھوڑ دو اور کسی دوسرے کو تلاش کر لو۔ کیونکہ جو کام سامنے ہے اس میں طرح طرح کی ایسی مشکلیں ہیں کہ دلوں میں ان کے تحمل کی طاقت اور عقلوں میں قبول کرنے کا یارا نہیں ہے۔ عالم اسلام کے افق کو ظلم و بدعت کے سیاہ بادلوں نے گھیر رکھا ہے اور اسلام کا روشن راستہ متغیر ہو چکا ہے تم یقین جانو کہ اگر میں نے خلافت کو قبول کیا تو جو کچھ میں جانتا ہوں اس کے مطابق تمہارے ساتھ سلوک کرونگا اور کسی بھی بولنے والے کی بات یا ملامت کرنے والے کی ملامت پر کان نہیں دھرونگا۔"[1]

---

[1] نہج البلاغہ ۹۲ "صبحی صالحی"

مجمع عام میں تقریر اور اتمام حجت کے بعد جب لوگوں نے بہت زیادہ اصرار کیا تو آپؑ نے جمعہ کے دن ۲۵ ذی الحجہ ۳۵ھ[1] کو مجبوراً خلافت قبول کرلی اور لوگوں نے آپؑ کی بیعت کی۔

امام علیہ السلام منصبِ فرماں روائی پر

امامؑ نے ایسے حالات میں حکومت کی باگ ڈور سنبھالی جب اسلامی معاشرہ شگاف اور اجتماعی واقتصادی اختلاف کی بناپر تباہی وہلاکت کے دہانہ پر پہنچ چکا تھا اور ہر طرح کی دشواریاں اور پیچیدہ مشکلات آپ کے انتظار میں تھیں۔

جن مقاصد کے لئے علیؑ نے حکومت قبول کی تھی ان مقاصد کو بروئے کار لانے کے لئے آپ نے اپنی انقلابی سیاست کو چند مرحلوں میں رائج کیا۔

اس سیاست کے تین مرحلے تھے:

۱۔ حقوق کا مرحلہ

۲۔ مال کا مرحلہ

۳۔ انتظام کا مرحلہ

اب ہم اختصار کے ساتھ آپ کے سامنے مندرجہ بالا مراحل کا تجزیہ پیش کرتے ہیں۔

الف۔ حقوق کا مرحلہ

حقوق کے سلسلہ میں امامؑ کے اصلاحات، تمام لوگوں کے مساوی حقوق دینے اور بیت المال سے بخشش وعطا کے سلسلہ میں امتیاز اور برتری کو لغو قرار دینے پر مبنی تھے۔ آپؑ نے فرمایا: "ذلیل اور ستم دیدہ میرے نزدیک باعزت ہیں یہاں تک کہ میں ان کا حق انھیں کو واپس دلا دوں اور طاقتور میرے نزدیک ناتواں ہے یہاں تک کہ میں مظلوم کا حق اس سے واپس لے لوں[2]۔"

---

[1] کامل ابن اثیر جلد ۳/ ۱۹۳ [2] نہج البلاغہ صبحی صالح "الذلیل عندی عزیز حتی اخذ الحق لہ والقوی عندی ضعیف حتی اخذ الحق منہ"

ب۔ مالی مرحلہ

اس سلسلہ میں امامؑ نے جو پہلا اقدام کیا وہ اس دولت و ثروت کو واپس لینا تھا جو عثمان کی خلافت کے زمانہ میں دیدی گئی تھی۔ امیر المومنینؑ نے ان اموال، ملکیت، پانی اور زمین کو (بتولؑ) کو جن کو عثمان نے اپنے رشتہ داروں اور کارندوں کو بخش دیا تھا، بیت المال میں واپس لے لیا۔[۲]

اس کے بعد اموال کی تقسیم میں لوگوں کو اپنی سیاست سے آگاہ کیا اور فرمایا:

"اے لوگو! میں بھی تم میں سے ایک فرد ہوں اور سود و زیاں میں تمہارے ساتھ شریک ہوں، میں پیغمبرؐ کی روش کی طرف تمہاری راہنمائی کروں گا اور ان کے قوانین کو تمہارے درمیان جاری کروں گا۔ آگاہ ہو جاؤ کہ ہر قطعہ زمین اور بتول (ملک و آب و زمین) جو عثمان نے دوسروں کو دے دیا ہے اور ہر وہ مال جو مالِ خدا سے دیا گیا ہے اس کو بیت المال میں لوٹ جانا چاہیئے۔ بیشک کوئی بھی چیز حق کو ختم نہیں کر سکتی۔ خدا کی قسم اگر میں دیکھوں گا کہ یہ مال کسی عورت کو جہیز میں دیا گیا ہے یا اس سے کوئی کنیز خریدی گئی ہے تو میں سب کو واپس پلٹا دوں گا۔ بیشک عدالت میں وسعت ہے اور اگر کسی پر عدالت سخت اور دشوار ہے تو ظلم و ستم اس پر اور بھی زیادہ دشوار ہوگا۔"[۳]

ج۔ انتظامی مرحلہ

علی علیہ السلام نے انتظامی سیاست کو دو مرحلوں میں عملی جامہ پہنایا:

۱۔ بتول سے مراد وہ ملک، پانی اور زمین ہے جو حکومت کی طرف سے کسی کو واگذار کی جائے تاکہ اس کی آمدنی سے وہ استفادہ کرے (فرہنگ عمید)

۲۔ مسعودی نے مروج الذہب جلد ۲ / ۳۵۳ پر اور ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ جلد ۱ / ۲۷ پر اس بات کی تصریح کی ہے۔ زیادہ معلومات کے لئے مذکورہ بالا منابع کی طرف اور اسی طرح شرح نہج البلاغہ خوئی جلد ۳ / ۲۱۵ اور "فی ظلال نہج البلاغہ" جلد ۱ / ۱۳۰۔ شرح بحرانی جلد ۱ / ۲۹۶ اور کتاب سیر الائمہ مصنفہ علامہ سید محمد امین جلد ۱ جزء دوم / ۱۱ ملاحظہ ہوں۔

۳۔ ثورۃ الحسین مہدی شمس الدین / ۷۵، نہج البلاغہ / ۱۵، شرح ابن ابی الحدید جلد ۱ / ۲۶۹

۱۔ غیر صالح حکمرانوں کو معزول کرنا اور ہٹانا۔ اس سلسلہ میں آپؑ فرماتے ہیں:

"مجھے اس بات سے بہت دکھ ہے کہ اس امت کے بیوقوف اور بدکار لوگ امور کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں لئے ہوئے ہیں نتیجہ میں مالِ خدا کو اپنے درمیان ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں الٹ پھیر کرتے ہیں اور خدا کے بندوں کو اپنی غلامی کی طرف کھینچے جا رہے ہیں یہ لوگ نیکوکاروں سے لڑتے ہیں اور فاسقوں کو اپنا ساتھی بناتے ہیں اس گروہ میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو شراب پی چکے ہیں اور ان پر حد بھی جاری ہو چکی ہے اور ان میں سے بعض نے اسلام کو قبول ہی نہیں کیا جب تک کہ ان کے لئے کوئی عطیہ معین نہیں ہوا۔۔۔"[۱]

۲۔ صالح اور لائق حکمرانوں کی تعیین اور ان کو مختلف شہروں میں بھیجنا۔ عثمان بن حنیف کو بصرہ کا حاکم سہل بن حنیف کو شام کا حاکم، قیس بن زیاد کو مصر کا حاکم بنایا اور ابوموسیٰ اشعری کو مالک اشتر کے اصرار کی بنا پر ان کے عہدہ پر کوفہ میں باقی رکھا۔[۲]

علیؑ کے اقدامات پر مخالفین کا ردعمل

علیؑ کے اصلاح طلب اقدامات جس طرح غریب اور ستم رسیدہ طبقہ کے لئے مسرت کا باعث تھے اسی طرح قریش کے غرور، خود بینی اور تفوق کے جذبہ پر ضرب کاری تھے، اس وجہ سے جب ثروتمندوں کے چیدہ افراد اور بڑے طبقہ نے اپنی ذاتی منفعت اور اپنی اجتماعی حیثیت کو خطرہ میں دیکھا تو علیؑ کے ساتھ مذاکرہ اور مالی و حقوقی مسائل میں آپ کی سیاست میں تبدیلی سے مایوس ہونے کے بعد علمِ مخالفت بلند کر دیا اور لوگوں کو بیعت توڑ دینے پر بھڑکاتے، مختلف بہانوں سے امام کی حیثیت کو کمزور کرنے

۱۔ نہج البلاغہ خطبہ نمبر ۶۲

۲۔ تاریخ یعقوبی جلد ۲/ ۱۷۹، کامل ابن اثیر جلد ۳/ ۲۰۱

اور داخلی جنگ و اختلاف کو شعلہ ور کرنے کی کوشش کرنے لگے۔

حضرت علیؑ نے اپنے بعض ارشادات میں اپنے مخالفین کو تین گروہوں میں تقسیم کیا ہے اور فرمایا ہے کہ:

"جب امر خلافت کے لئے میں اٹھا تو ایک گروہ نے بیعت توڑ دی اور کچھ لوگ دین سے باہر نکل گئے اور ایک گروہ نے شروع سے ہی طغیان و سرکشی کی۔"[1]

اب امیرالمؤمنین کی اسلامی حکومت کے بالمقابل ان تینوں گروہوں کے موقف کو مختصراً بیان کر رہا ہوں:

الف۔ ناکثین (عہد توڑ دینے والے)

پیسے کے پرستار، لالچی اور تفرقہ پرداز امامؑ کی سیاست کے مقابلہ میں آرام سے نہیں بیٹھے۔ پہلا فتنہ انہوں نے بصرہ میں کھڑا کیا۔ اس فتنہ کی سلسلہ جنبانی کرنے والے طلحہ و زبیر تھے، یہ دونوں بصرہ اور کوفہ کی گورنری کا مطالبہ کر رہے تھے[2] اور امام کے سامنے انہوں نے صریحی طور پر اظہار کر دیا کہ ہم نے اس لئے آپ کی بیعت کی ہے کہ خلافت کے کام میں آپ کے ساتھ شریک رہیں۔[3]

لیکن علیؑ نے ان کی خواہش کی موافقت نہیں کی اور دونوں آخر میں عمرہ کے بہانے سے مکہ چھوڑ کر مدینہ چلے گئے اور وہاں جناب عائشہ کی مدد اور جناب عثمان کے زمانہ کے برطرف شدہ حکمران مکہ میں اجتماع اور طلحہ و زبیر کے ساتھ ان کی ساز باز سے "ناکثین" کا مرکزی ڈھانچہ تشکیل پا گیا۔

ان لوگوں نے امویوں کی دولت سے استفادہ کرتے ہوئے خون عثمان کے انتقام کی آڑ میں جناب عائشہ کی رہبری میں ایک لشکر تیار کر لیا اور بصرہ کی طرف چل پڑے اور بصرہ کا دفاع کرنیوالوں پر حملہ کر دیا، طرفین میں شدید ٹکراؤ ہوا بہت سے لوگ قتل اور مجروح ہوئے اور حاکم بصرہ عثمان بن حنیف کے گرفتار ہو جانے کے بعد شہر بصرہ ان کے قبضہ میں آ گیا۔

علی علیہ السلام "شام" سے جنگ کرنے کے وسائل مہیا کرنے میں لگے ہوئے تھے اس لئے

---

[1] فلما نهضت بالامر نكثت طائفة ومرقت اخرىٰ وقسط آخرون ۔ خطبۂ شقشقیہ

[2] کامل ابن اثیر جلد ۲ / ۱۹۶ ۔ [3] تاریخ یعقوبی جلد ۲ / ۱۸۰ ۔ شرح ابن ابی الحدید جلد ۱ ص ۲۳۰

کہ معاویہ نے قانونی طور پر خلافت سے سرکشی کا اعلان کر کے امامؑ کی بیعت کو رد کر دیا تھا، جب عائشہ، طلحہ اور زبیر کی شورش کی خبر آپؑ تک پہونچی تو آپؑ امت کے تفرقہ سے ڈرے اور آپؑ نے یہ سمجھا کہ ان لوگوں کا خطرہ معاویہ کی سرکشی سے زیادہ اہم ہے۔ اگر فوری طور پر اس فتنہ کی آگ کو خاموش نہیں کیا گیا تو ممکن ہے کہ خلافتِ حق کی بنیاد متزلزل ہو جائے۔

اس وجہ سے آپ ان لوگوں سے جنگ پر آمادہ ہو گئے اور آپؑ کا لشکر جلد ہی مدینہ سے باہر آگیا، مقام رَبذہ[۱] سے آپ نے کوفہ والوں کے لئے خطوط اور نمائندے بھیجے اور ان کو اپنی مدد کیلئے بلایا۔

چنانچہ علیؑ کے نمائندہ امام حسنؑ اور عمار یاسر کی کوششوں کی بنا پر کوفہ کے ہزاروں افراد، علیؑ کی مدد کے لئے کوفہ چھوڑ کر مقام "ذی قار[۲]" میں علیؑ سے ملحق ہو گئے۔

علیؑ نے ان پیمان شکنوں سے ٹکراؤ سے پہلے مختلف راستوں سے صلح کی حفاظت اور خون ریزی سے رکے رہنے کی اپنی طرف سے انتہائی کوشش کر ڈالی لیکن کامیابی حاصل نہیں ہو سکی اس لئے کہ شورش کرنیوالے جنگ کا پختہ ارادہ کر چکے تھے۔

علیؑ مجبوراً ان سے لڑے اور شدید جنگ کے بعد یہ فتنہ علیؑ کی فتحیابی اور "ناکثین" کی شکستِ فاش پر ختم ہوا۔ بہت سے لوگ قتل ہوئے اور بقیہ شام کی طرف بھاگ گئے یہ جنگ تاریخ میں "جنگِ جمل" کے نام سے مشہور ہے۔

---

[۱] "رَبذہ" مدینہ کا ایک دیہات ہے جو مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے اور مشہور صحابی جناب ابوذر وہیں مدفون ہیں معجم البلدان جلد ۳/۲۴

[۲] ذی قار، بکر بن وائل سے متعلق کوفہ اور واسط کے درمیان ایک ایسا حصہ تھا جہاں پانی موجود تھا۔ معجم البلدان جلد ۴ /۲۹۳

ب۔ فلسطین

علیؑ نے جب اسلامی معاشرہ کی فرماں روائی کی ذمہ داری قبول کی تھی اسی وقت یہ ارادہ کرلیا تھا کہ پیغمبرؐ کی سیرت کو، جو مدت سے بھلائی جاچکی تھی زندہ کریں گے، قانون الٰہی سے ہر طرح کی سرکشی اور تمرد کی کوشش کو ختم کردیں گے اور بنی امیہ کی روش کو، جس کے راس و رئیس اور اس قانون شکنی کو جاری رکھنے والے معاویہ کو اسلامی معاشرہ سے ہٹا دیں گے۔

لہٰذا انہوں نے اپنی حکومت کے پہلے ہی دن سے یہ طے کرلیا تھا کہ معاویہ کو شام کی گورنری سے معزول کردیں گے، اسی سلسلہ میں کسی کی بات یا سفارش حتیٰ ابن عباس کی بات بھی آپ کے موقف کو بدلنے میں مؤثر نہ ہوسکی۔ کیونکہ آپ کسی بھی صورت میں معاویہ کے وجود کو اسلامی حکومت میں برداشت نہیں کرسکتے تھے۔

اولاً اسلامی حکومت میں معاویہ جیسے عثمان کے گورنروں کا وجود، عثمان کی حکومت کے خلاف مسلمانوں کی شورش کا اہم ترین سبب تھا۔ مسلمانوں نے بار باران لوگوں کو برطرف اور معزول کرنے کی مانگ کی تھی۔ اب اگر علیؑ ان کو (دلو تھوڑی اور محدود مدت کے لئے بھی) باقی رکھتے تو لوگ نئی حکومت کے بارے میں کیا فیصلہ کرتے؟

ثانیاً۔ شام میں معاویہ اور اس کی حکومت نے جو مقام و حیثیت پیدا کرلی تھی اس سے حضرت علیؑ نے بخوبی یہ اندازہ لگالیا تھا کہ معاویہ کسی طرح بھی شام کی حکومت سے دست بردار نہیں ہوگا۔ اب اگر علی کی طرف سے بھی تائید ہوجاتی تو ہوسکتا تھا کل اسی تائید کو معاویہ اپنی حقانیت کی سند سمجھ لیتا اور اس کو امامؑ کی حکومت کے خلاف استعمال کرتا۔

امامؑ بخوبی جانتے تھے کہ معاویہ اپنی زندگی میں شام میں مرکزی حکومت کے نمائندہ اور مامور کی حیثیت سے عمل نہیں کررہا ہے بلکہ شام کو وہ اپنی حکومت سمجھتا ہے اور اس سرزمین پر اس کے سارے پروگرام اور کام حکومت کے اس رئیس جیسے تھے جس نے خود حکومت کی بنیاد رکھی ہو اور مختلف ذرائع سے اپنا اقتدار قائم کیا ہو۔ وہ معروف اور صاحب نفوذ شخصیتوں کو خرید لیتا تھا اور

قیمت کے ذریعہ دوسروں کو محروم کرکے اور لوگوں کے امن وامان کو چھین کر ایک گروہ کو مال وثروت فراہم کرتا تھا۔ وہ کسانوں، تاجروں اور تمام مالیات ادا کرنے والوں کو شدید ظلم کا نشانہ بناتا اور ان سے مطلوبہ مال لے کر عربی قبائل کے رؤسا کو، جو ان کی فوج کی مدد سے آزادی پسند ہر طرح کی تحریک کو کچلنے کے لئے آمادہ ہوں، دیتے تھے۔ اس طرح انہوں نے اپنے آپ کو بہت دنوں تک اپنے منصب پر باقی رکھنے کے لئے آمادہ کر رکھا تھا۔

معاویہؓ اور عثمان کا کُرتا

معاویہ حضرت علیؑ کو اچھی طرح جانتا تھا وہ اس بات سے بے خبر نہیں تھا کہ علیؑ بہت جلد اسے تمناؤں کی کرسی سے نیچے کھینچ لیں گے اور اس کی مادی خواہشوں، آرام طلبیوں اور مناصب پرستی کے درمیان ایک مضبوط بند باندھ دیں گے۔ اس لئے معاویہ نے اپنی جھوٹی حکومت کے پایہ کو مضبوط کرنے اور اپنے مقاصد تک پہونچنے کے لئے انقلابی مسلمانوں کے ہاتھوں عثمان کے قتل کو بہترین موقع اور ذریعہ سمجھا۔ اسی وجہ سے اس نے قتلِ عثمان کو بہت بڑا بنا کر پیش کیا اور شدید پروپیگنڈہ کے ذریعہ اس کو ایسا حادثہ و فاجعہ بنا دیا کہ شام والوں کے دل لرز گئے۔ معاویہ نے حکم دیا کہ جناب عثمان کے خون آلود کُرتے کو ان کی بیوی "نائلہ" کی کٹی ہوئی انگلی کے ساتھ — جس کو نعمان بن بشیر لایا تھا[1] — دمشق کی جامع مسجد کے منبر کی بلندی پر لٹکایا جائے اور شام کے کچھ بوڑھوں کو اس نے اس کرتے کے اردگرد نوحہ سرائی اور عزاداری کے لئے آمادہ کیا[2]۔ اس طرح انہوں نے شام کے لوگوں کے جذبات کو مرکزی حکومت کے خلاف بھڑکا دیا اور ان کو اتنا غصہ دلایا کہ وہ معاویہ سے بھی زیادہ غیظ و غضب میں بھر گئے اور معاویہ سے زیادہ جنگ اور انتقام کے لئے آمادہ نظر آنے لگے۔

طلحہ و زبیر اور عائشہ کی شورش نے بھی، جو عثمان کی حمایت کے نام پر وجود میں آئی تھی،

---

1. کامل ابن اثیر جلد ۳ / ۱۹۲

2. وقعہ صفین ص ۱۲۷

معاویہ کے کام کو آسان بنا دیا۔ اب معاویہ ان چیزوں کی مدد سے شام والوں کو برانگیختہ کرسکتا تھا اوران کو جس طرف چاہتا لے جاسکتا تھا۔

آغازِ جنگ

معاویہ کے اردگرد جب دنیا پرست اور بے ایمان لوگ جمع ہو گئے تو معاویہ جنگ کیلئے تیار ہوگیا تاکہ حق و عدل والی شرعی حکومت سے ٹکرا جائیں، معاویہ کا لشکر صفین میں پہونچا اور فرات کے کنارے خیمہ زن ہوگیا اس کے ساتھیوں نے اصحاب امیرالمومنینؑ پر پانی بند کر دیا۔

علیؑ کوفہ میں تھے۔ جب آپ کو خبر ملی کہ معاویہ ایک لشکر کثیر کے ساتھ صفین میں پہونچ چکا ہے تو آپؑ اس سے مقابلہ کے لئے آمادہ ہوئے، علیؑ کے سپاہیوں کی فوج سیلاب کی طرح اٹھی اور فرات کے کنارے اس کا دھارا پہونچ کر معاویہ کے لشکر کے سامنے آگیا۔ لیکن علیؑ کے سپاہیوں نے دیکھا کہ فرات تک پہونچنے کا راستہ نہیں ہے۔

علیؑ نے خوں ریزی نہ ہونے کی بڑی کوشش کی لیکن کامیاب نہیں ہوئے۔ جنگ ناگزیر تھی، علیؑ کے سپاہیوں نے جنگ کے شروع ہی میں شامیوں کو فرات کے کنارے سے بھگا دیا اور شام کے لشکر کو بھاری نقصان پہونچایا۔ جب عراق کے لشکر نے فرات کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا تو علیؑ نے بڑے پن کا ثبوت دیا اور فرمایا: "چھوڑ دو ان کو پانی لینے دو..."

اس کے بعد دونوں لشکروں کے درمیان چھوٹے چھوٹے حملے ہوتے رہے۔ علیؑ نہیں چاہتے تھے کہ اجتماعی حملہ شروع ہو۔ اس لئے کہ آپؑ کو یہ امید تھی کہ دشمن حق کے سامنے اپنی گردن جھکا دینگے اور جنگ سے ہاتھ روک لیں گے لیکن دشمن اسی طرح آمادۂ پیکار رہا۔ طرفین مخاصمت جاری رہنے سے تھک گئے اور صلح و موافقت کی کوئی امید باقی نہ رہی۔

ے طرفین کے لشکر کی تعداد میں اختلاف ہے۔ مسعودی نے مروج الذہب میں علی کے لشکر کی تعداد نوّے ہزار اور معاویہ کے لشکر کی تعداد پچاسی ہزار لکھی ہے۔ مروج الذہب مسعودی جلد ۲ ص ۳۷۵

جب علیؑ نے حالات کا یہ رخ دیکھا تو اپنے اصحاب کو ایک بڑی جنگ کے لئے آمادہ کر لیا۔ معاویہ بھی جنگ کے لئے تیار ہو گیا نتیجہ میں دونوں گروہوں کی آپس میں مڈبھیڑ ہوئی "لیلۃ الھریر"[1] میں سخت ترین جنگ ہوئی۔ نماز صبح سے آدھی رات تک اور آدھی رات سے دوسرے دن ظہر تک جنگ ہوتی رہی۔ ایسی جنگ جس میں سپاہی نماز کے وقت کو سمجھ نہیں پا رہے تھے اور بغیر آرام کئے ہوئے مسلسل جنگ کر رہے تھے[2]۔

علیؑ کے سپہ سالار مالک اشتر نہایت مردانگی سے میدان میں حملہ کر رہے تھے اور اپنے ارد گرد کے دلیر اور نامور گروہ کو دشمن کی طرف بڑھاتے جاتے تھے، پھر معاویہ کو ایسی شکست ہوئی کہ اس کے سپاہیوں کی تمام صفیں ٹوٹ گئیں اور ایسا لگتا تھا کہ علیؑ کا لشکر فتحیاب ہو جائے گا۔ لیکن معاویہ' عمرو عاص کی مدد سے مکر و فریب کی فکر کرنے لگا اور دھوکہ سے قرآن کو نیزہ پر بلند کر دیا جس کی بنا پر علیؑ کے سپاہیوں میں اختلاف اور شورش برپا ہو گئی۔

بالآخر اپنے ساتھیوں کی طرف سے نہایت اصرار پر مجبور ہو کر علیؑ نے ابوموسیٰ اشعری اور عمرو عاص کی حکمیت پر چھوڑ دیا کہ وہ لوگ اسلام اور مسلمانوں کی مصلحتوں کا مطالعہ کریں اور اپنے نظریہ کا اعلان کریں۔

مسئلہ حکمیت کو قبول کرنے کے سلسلہ میں علیؑ اس منزل تک پہونچ گئے تھے کہ اگر اس کو قبول نہ کرتے تو شاید اپنے ہی کچھ سپاہیوں کے ہاتھوں قتل کر دیئے جاتے اور مسلمان شدید بحران میں مبتلا ہو جاتے۔

---

[1] لغت میں ھریر سردی کی وجہ سے نکلنے والی کتے کی آواز کے معنی میں ہے۔ چونکہ اس رات شدت جنگ اور دونوں طرف سے سواروں کی یلغار کی بنا پر دونوں چلا رہے تھے۔ اسی لئے اس رات کو لیلۃ الھریر کہتے ہیں۔

معجم البلدان جلد ۵/ ۴۳ مجمع البحرین جلد ۳/ ۵۱۸ مادہ ھَرَرَ

[2] وقعہ صفین / ۴۷۵

جب حکمین کے فیصلہ سنانے کا وقت آگیا تو دونوں نے اپنے نظریہ کو ظاہر کیا ، عمرو عاص نے ابو موسیٰ اشعری کو دھوکہ دیا اور اس نے حکومت معاویہ کو برقرار رکھا ، اس بات نے معاویہ کی حیلہ گری کو آشکار کر دیا ۔

ج ۔ مارقین

حکمین کے واقعہ کے بعد کچھ مسلمان جو علیؑ کے ساتھ تھے انہوں نے علی کے خلاف خروج کیا اور اس حکمیت کو قبول کر لینے کی بنا پر علی کو تنقید کا نشانہ بنانے لگے جس کو انہیں لوگوں نے لادا تھا۔

ان لوگوں کو چند دنوں کے بعد اپنی غلطی کا پتہ چل گیا اور وہ نادم ہوئے ، انہوں نے اس بات کی کوشش کی کہ علیؑ عہد و پیمان توڑ دیں[1] لیکن علیؑ پیمان توڑنے والوں میں سے نہیں تھے ۔

خوارج نے علیؑ کے مقابلہ میں صف آرائی کر لی ، انہوں نے فتنہ و فساد برپا کیا ۔ کوفہ سے باہر نکل پڑے اور " نہروان[2] " میں خیمہ زن ہو گئے یہ لوگ بے گناہ افراد سے متعرض ہوئے اور قتل و غارت گری کر کے لوگوں میں خوف و دہشت طاری کر رہے تھے ۔

علیؑ کوشش کرنے لگے کہ لوگوں کو دوبارہ معاویہ سے جنگ پر آمادہ کیا جائے اور لوگوں نے دوسری بار بھی آپ کی دعوت کو قبول کیا ۔

جب آپؑ نے خوارج کے ان قتل و غارتگری اور فساد کو دیکھا تو خوارج کے خطرہ کو معاویہ کے خطرہ سے بڑا محسوس کیا ۔ چونکہ وہ لوگ مرکز خلافت سے قریب تھے ۔ اگر علیؑ کے سپاہی معاویہ سے لڑنے کے لئے جانا چاہتے تو ان کو خوارج کے حملہ کا سامنا کرنا پڑتا اس لئے کہ خوارج اپنے علاوہ مسلمانوں کے تمام فرقوں کو کافر سمجھتے اور ان کے مال اور خون کو حلال جانتے تھے[3]

---

[1] اس معاہدہ کی طرف اشارہ ہے جو جنگ بندی کے بعد علیؑ اور معاویہ کے درمیان ہوا تھا۔

[2] نہروان ، واسط اور بغداد کے درمیان ایک وسیع جگہ ہے جہاں اسکان وصافیہ جیسے شہر اس علاقہ میں واقع تھے ۔ معجم البلدان جلد ۵/ ۳۲۴

[3] ملل ونحل شہرستانی جلد ۲/ ۱۱۸ - ۱۲۲

اس وجہ سے علیؑ کے سپاہیوں نے نہروان کی جانب کوچ کیا۔ دونوں لشکروں میں جنگ چھڑ جانے سے پہلے علیؑ نے اس بات کی کوشش کی کہ منطق سے ان لوگوں کے اشتباہات کو ان کے سامنے بیان کر کے ان کی ہدایت کی جائے اور خونریزی کا سدباب کیا جائے۔ لیکن افسوس وہ نادان خرد سے عاری، ہٹ دھرم، استدلال اور حقیقت میں سے کچھ بھی سمجھنے پر آمادہ نہ تھے۔

جب علیؑ ان کی ہدایت سے مایوس ہو گئے اور یہ یقین ہو گیا کہ وہ لوگ راہ حق کی طرف ہرگز نہیں لوٹیں گے، تب انہوں نے جنگ کی۔ امامؑ نے لشکر کے داہنے بائیں سے دشمن پر یلغار کر دی اور خوارج کو درمیان میں لے کر نیزہ و شمشیر کے ساتھ ان پر ٹوٹ پڑے۔ ابھی تھوڑی دیر بھی نہ گذری تھی نو ۹ افراد کے علاوہ سب کو قتل کر ڈالا۔

علیؑ کی شہادت

آخرکار علیؑ نے پانچ سال تک حکومت کرنے کے بعد ۱۹ رمضان کی شب ۴۰ھ کو نماز صبح کی ادائیگی کی حالت میں مسجد کوفہ میں، پلید ترین انسان ابن ملجم کی زہر آلود تلوار سے، جو خوارجیوں میں سے تھا، محراب حق میں ضربت کھائی اور آپ کا چہرہ آپ کے خون سے گل رنگ ہو گیا۔

اور دو روز بعد رمضان کی ۲۱ ویں شب کو جام شہادت نوش کیا۔ شہادت کے بعد ان کے جسد اطہر کو نجف کی مقدس سرزمین میں سپرد خاک کیا گیا۔

سوالات

(۱) پیغمبرؐ کی رحلت کے بعد سقیفہ کے واقعہ کے سلسلہ میں حضرت علیؑ کا ردعمل کیا تھا اور آپ نے احقاق حق کے لئے کیوں نہ تلوار اٹھائی ؟

(۲) قتل عثمان کے بعد علیؑ نے فوراً خلافت کیوں نہ قبول کر لی ؟

(۳) مالی ، حقوقی اور انتظامی مرحلوں میں ، حکمرانی قبول کرنے کے بعد علیؑ کے اقدامات کو مختصر بیان فرمایئے ؟

(۴) علیؑ کی حکومت کے مخالفین کون لوگ تھے اور انہوں نے کون سی جنگیں چھیڑ دیں ؟

(۵) معاویہ کو محدود وقت تک اس کے عہدہ پر باقی رکھنے کے بارے میں علیؑ نے لوگوں کی منجملہ ان کے ابن عباس کی سفارش کیوں نہیں قبول کی ؟

سبق ۳

حضرت فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا کی زندگی

ولادت اور بچپن کا زمانہ

۲۰ جمادی الثانی بروز جمعہ، بعثت پیغمبرؐ کے پانچویں سال خانۂ وحی میں رسولؐ کی دختر گرامی قدر حضرت فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا نے ولادت پائی[1] آپ کی والدہ خدیجہ بنت خویلد تھیں۔

جناب خدیجہ قریش کے ایک شریف و نجیب خاندان میں پیدا اور زیور تربیت سے آراستہ ہوئیں ان کے خاندان کے تمام افراد حلیم و اندیشمند اور خانۂ کعبہ کے محافظ تھے۔ جب یمن کے بادشاہ تبع نے حجر اسود کو مسجد الحرام سے نکال کر یمن لے جانے کا ارادہ کیا تو خدیجہ کے والد خویلد دفاع کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے آپ کی جنگ اور فداکاریوں کے نتیجہ میں تبع اپنے ارادہ سے باز رہا[2]۔

جناب خدیجہ کے چچا "ورقہ" بھی مکہ کے ایک دانش مند اور علم دوست شخص تھے۔ تاریخ کے مطابق خدیجہ پر انکا بڑا اثر تھا۔

---

[1] مناقب ابن شہر آشوب جلد ۳ / ص ۳۵۷، بحار جلد ۴۳ ص ۶۔ دلائل الامامہ ص ۱۰۔ اصول کافی جلد ۱

[2] الروضہ الانف جلد ۱ ص ۲۱۳، منقول از بانوی نمونۂ اسلام مصنفہ ابراہیم امینی ص ۱۸

والد کے ساتھ

جناب فاطمہ صلوٰۃ اللہ وسلام علیہا کی ولادت سے پیغمبرؐ و خدیجہ کا گھر اور بھی زیادہ مہر و محبت کا مرکز بن گیا جس زمانہ میں پیغمبر اکرمؐ مکہ میں بڑے رنج و الم میں مبتلا تھے، اس زمانہ پیغمبر کی بیٹی نسیم آرام بخش کی طرح ماں باپ کی تھکان کو صبح و شام اپنی محبت سے دور کرتی تھیں اور رسولؐ اکرمؐ کی پر مشقت زندگی کے رنج و غم کے دونوں میں تسکین بخش تھیں۔

حضرت فاطمہؑ زہرا کا بچپن صدر اسلام کے بحرانی اور بہت ہی خطرناک حالات میں گذرا جبکہ رسولؐ خدا سخت مشکلات اور خطرناک حوادث سے دوچار تھے۔ آپ تن تنہا کفر و بت پرستی سے مقابلہ کرنا چاہتے تھے۔ چند سال تک آپ پوشیدہ طور پر تبلیغ کرتے رہے جب خدا کے حکم سے آپؐ نے کھلم کھلا دعوت اسلام کا آغاز کیا تو دشمنوں کی اذیت اور ایذا رسانی نے بھی شدت اختیار کر لی۔

جب کفار نے یہ دیکھا کہ اذیت و آزار سے اسلام کی بڑھتی ہوئی ترقی کو نہیں روکا جا سکتا تو انہوں نے ایک رائے ہو کر پیغمبرؐ کو قتل کر ڈالنے کا منصوبہ بنایا۔

رسولؐ خدا کی جان کے تحفظ کے لئے جناب ابو طالب نے بنی ہاشم کے ایک گروہ کے ساتھ "شعب ابیطالب" نامی درّہ میں آنحضرتؐ کو منتقل کر دیا۔ مسلمانوں نے تین سال تک اس تپتے ہوئے درہ میں نہایت تنگی تکلف اور بھوک کے عالم میں زندگی گذاری اور اسی مختصر غذا پر گذارہ کرتے رہے جو پوشیدہ طور پر وہاں بھیجی جاتی تھی۔

حضرت فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا تقریباً دو سال کفار قریش کے اقتصادی بائیکاٹ میں اپنے پدر عالیقدر کے ساتھ رہیں اور تین سال تک ماں باپ اور دوسرے مسلمانوں کے ساتھ بھوک اور سخت ترین حالات سے گذریں۔

سنہ بعثت میں "شعب" سے نجات کے تھوڑے دنوں بعد آپ اس ماں کی شفقتوں

سے محروم ہوگئیں جنھیں دس سال کی مجاہدت کے رنج و غم خصوصاً اقتصادی ناکہ بندی کی دشواریوں نے رنجور کر دیا تھا[1]

ماں کا اٹھ جانا ہر چند کہ جناب فاطمہؑ کے لئے رنج اور مصیبت کا باعث تھا اور آپ کی حساس روح کو اس مصیبت نے افسردہ کر دیا تھا لیکن اس کے بعد آپ کو پیغمبرؐ کے دامن تربیت میں رہنے کا زیادہ موقع ملا۔

سنہ ۱۰ بعثت میں ابو طالب اور خدیجہ کی وفات نے روح پیغمبرؐ پر ایسا اثر کیا کہ آپؐ نے اس سال کا نام عام الحزن[2] (غم و اندوہ کا سال) رکھا۔ پیغمبرؐ کے ان دونوں بڑے حامیوں کے اٹھ جانے سے دشمن کی اذیت اور آزار رسانی میں شدت پیدا ہوگئی، کبھی لوگ پتھر مارتے کبھی آپؐ کے روئے مبارک پر مٹی ڈال دیتے، کبھی ناسزا کلمات کہتے اکثر اوقات آپ نہایت خستگی کے عالم میں گھر کے اندر داخل ہوتے۔

لیکن یہ فاطمہؑ تھیں جو اپنے ننھے ننھے ہاتھوں سے آپؐ کے سر اور چہرہ سے گرد جھاڑتیں، نہایت ہی پیار و محبت سے پیش آتیں اور پیغمبرؐ کے لئے آرام اور حوصلہ کا باعث بنتیں، جناب فاطمہؑ لوگوں کے غصہ اور بے مہری کی جگہ اپنے باپ سے مہر و محبت سے اس طرح پیش آتی تھیں کہ آپؐ کے والد گرامی نے آپ کو "ام ابیہا" کا لقب دیا۔

ہجرت کے کچھ دنوں بعد آٹھ سال کی عمر میں علیؑ کے ساتھ مکہ سے مدینہ تشریف لائیں، وہاں بھی باپ کے ساتھ رہیں۔ پیغمبرؐ کی زندگی کے مشکلات میں فاطمہؑ برابر شریک رہیں، جنگِ احد میں جنگ کے خاتمہ کے بعد جناب فاطمہؑ مدینہ سے پیغمبرؐ کے خیمہ گاہ کی طرف دوڑتی ہوئی پہونچیں اور اس برتن کے پانی سے باپ کے خون آلود چہرہ کو دھویا اور آنحضرتؐ کے زخموں کا مداوا کرنے لگیں[3]۔

---

۱ و ۲۔ مناقب ابن شہر آشوب جلد ۱ ص ۱۷۴

۳۔ بحار الانوار جلد ۲۰ ص ۸۹، الصحیح من سیرۃ النبی جلد ۴ ص ۳۲۴

جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا، اسلام اور قرآن کے ساتھ ساتھ بڑی ہوئیں ۔ وحی و نبوت کی فضا میں آپ نے پرورش پائی ۔ آپ کی زندگی پیغمبرؐ کی زندگی سے جدا نہیں ہوئی یہاں تک کہ شادی کے بعد بچوں کے ساتھ بھی آپ کا گھر پیغمبرؐ کے گھر سے متصل تھا اور پیغمبر خداؐ کی ہر جگہ سے زیادہ فاطمہؐ کے گھر رفت و آمد تھی ۔ ہر صبح مسجد جانے سے پہلے آپ فاطمہؐ کے دیدار کو تشریف لے جاتے تھے۔[1]

پیغمبرؐ کے خدمتگار "ثوبان" بیان فرماتے ہیں کہ رسول اکرمؐ جب سفر میں جانا چاہتے تو سب سے آخر میں آپ فاطمہؐ سے وداع ہوتے تھے اور جب سفر سے واپس آتے تھے تو سب سے پہلے فاطمہؐ کے پاس جاتے تھے۔[2]

آخر کار پیغمبرؐ کی زندگی کے آخری لمحات میں بھی فاطمہؐ ان کی بالین پر موجود تھیں اور گریہ فرما رہی تھیں، پیغمبرؐ ان کو یہ کہہ کر دلاسہ دے رہے تھے کہ وہ ہر ایک سے پہلے اپنے باپ سے ملاقات کریں گی۔[3]

جناب فاطمہؑ کی شادی

سنہ ۲ ھ میں پیغمبرؐ نے امیر المؤمنین "علیؑ" سے فاطمہؐ کی شادی کردی۔[4] حقیقت تو یہ ہے کہ یہ خوشگوار رشتہ انہیں کے لائق تھا، اس لئے کہ معصومینؑ کی تصریح کے مطابق علیؑ کے

۱۔ کشف الغمہ مطبوعہ تبریز جلد ۱ ص ۴۵۷

۲۔ کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ " " "

۳۔ امالی طوسی جلد ۲ ص ۱۴

۴۔ جناب معصومہ کی شادی کی تاریخ میں اختلاف ہے سید ابن طاؤس نے مرحوم شیخ مفید کی کتاب حدائق الریاض میں اقبال کے مطابق ازدواج کی تاریخ ۲۱ محرم سنہ ۳ ھ نقل کی ہے۔ لیکن مصباح میں اول ذی الحجہ مانتے ہیں ۔ امالی میں آیا ہے، فاطمہ کی شادی عثمان کی بیوی رقیہ کے وفات کے سولہ دن بعد اور جنگ بدر سے واپسی پر ہوئی بحار جلد ۴۳ / ۹۲ سے ۹۷

علاوہ کوئی بھی فاطمہؑ کا کفو اور ہمسر نہیں ہو سکتا۔

اس شادی کی خصوصیتوں میں سے یہ بات بھی ہے جو ان دونوں بزرگ ہستیوں کی بلند منزلت کا ثبوت ہے کہ پیغمبرؐ نے قریش کے سربرآوردہ افراد اور بڑی شخصیتوں اور ثروت مندوں کی خواستگاری کو قبول نہیں کیا آپ فرماتے تھے کہ فاطمہؑ کی شادی کا مسئلہ حکم خدا سے متعلق ہے[1]۔ رسولِ خدا نے فاطمہ زہراؑ کو علیؑ کے لئے روکا تھا اور خدا کی طرف سے آپؐ مامور تھے کہ نور کو نور سے بیاہ دیں[2]۔

اسی وجہ سے جب علیؑ نے رشتہ مانگا تو پیغمبرؐ نے قبول فرمایا اور کہا: "تمہارے آنے سے پہلے فرشتۂ الٰہی نے مجھے حکم خدا پہنچایا ہے کہ فاطمہ کی شادی علیؑ سے کر دو[3]۔"

رسولِ اکرمؐ نے جناب فاطمہؑ کی موافقت حاصل کر لینے کے بعد علیؑ سے پوچھا کہ شادی کرنے کے لئے تمہارے پاس کیا ہے؟ آپؑ نے عرض کیا: "ایک زرہ، ایک شمشیر اور ایک شتر آبکش کے علاوہ میرے پاس اور کچھ نہیں ہے۔" علیؑ نے پیغمبرؐ کے حکم کے مطابق زرہ بیچ دی اور اس کی قیمت سے، جو تقریباً پانچ سو درہم ہوتے تھے، جہیز کا معمولی سامان خریدا گیا، ضیافت بھی ہوئی اور مسلمانوں کو کھانا بھی کھلایا گیا، مسرت و شادمانی اور دعائے پیغمبرؐ کے ساتھ فاطمہؑ کو علیؑ کے گھر لے جایا گیا[4]۔

فاطمہ علیؑ کے گھر میں

فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا باپ کے گھر سے شوہر کے گھر اور مرکز نبوّت سے مرکز

۱۔ "امرھا الی ربھا" کشف الغمہ جلد ۱ ص ۳۵۳۔ مطبوعہ تبریز۔ بحار جلد ۴۳ ص ۱

۲۔ دلائل الامامہ ص ۱۹

۳۔ بحار ۴۳/۱۲۷

۴۔ کشف الغمہ مطبوعہ تبریز جلد ۱ ص ۳۶۰ - ۳۶۹ - بحار جلد ۴۳ ص ۱۲۷ - ص ۱۳۳

مرکزِ ولایت میں منتقل ہوگئیں ۔ اس نئے مرکز پر فاطمہؑ کے کاندھوں پر فرائض کا گراں بار آگیا۔

آپ چاہتی تھیں کہ اس مرکز میں ایسی زندگی گذاریں جو ایک مسلمان عورت کے لئے مکمل نمونہ بن جائیں تاکہ آئندہ زمانہ میں ساری دنیا کی عورتیں آپ کے وجود اور آپ کی روش میں حقیقت و نورانیتِ اسلام دیکھ لیں ۔

گھر کے محاذ میں جناب فاطمہؑ کے کردار کے تمام پہلوؤں کو پیش کرنے کے لئے ایک مفصل کتاب کی ضرورت ہے لیکن اختصار کے پیش نظر یہاں چند چیزوں کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے ۔

الف ۔ گھر کا انتظام

فاطمہ زہراؑ اگرچہ بڑے باپ ، عظیم پیغمبرؐ کی نور چشم تھیں اور ان سے بڑی شریف زادی کا وجود نہیں تھا لیکن ان باتوں کے باوجود آپ گھر میں کام کرتی تھیں اور گھر کے دشوار گذار کاموں سے بھی انکار نہیں کرتیں ۔ گھر کے اندر آپ اتنی زحمت اٹھاتی تھیں کہ علیؑ بھی ان سے ہمدردی کا اظہار کرتے اور ان کی تعریف کرتے ہوئے نظر آتے ہیں ۔ آپ نے اپنے ایک صحابی سے کہا کہ تم چاہتے ہو کہ میں اپنی اور فاطمہؑ کی حالت تم سے بتاؤں ؟

... آپ گھر کے لئے اتنا پانی بھر کر لاتی تھیں کہ آپ کے جسم پر مشک کا نشان پڑ جاتا تھا اور اس قدر چکیاں چلاتی تھیں کہ ہاتھ میں چھالے پڑ جاتے تھے گھر کو صاف ستھرا رکھنے ، روٹی اور کھانا پکانے میں اتنی زحمت برداشت کرتی تھیں کہ آپ کا لباس گرد آلود ہو جاتا تھا۔[1]

جناب سیدہؑ نے گھر کو ، علی اور اپنے بچوں کے لئے مرکزِ آسائش بنا دیا تھا اس حد تک کہ جب علیؑ پر رنج و غم ، دشواریوں اور بے سروسامانیوں کا حملہ ہوتا تھا تو آپ کے گھر آجاتے اور تھوڑی دیر تک جناب فاطمہؑ سے گفتگو کرتے تو آپ کے دل کو اطمینان محسوس ہونے لگتا۔

---

[1] بحار جلد ۴۳/۸۲

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ علیؑ گھر کی ضرورت کے لئے لکڑی اور پانی مہیا کرتے، گھر میں جھاڑو دیتے اور فاطمہ چکی پیستیں اور آٹا گوندھ کر روٹی پکاتی تھیں۔[1]

ب۔ شوہر کی خدمت

فاطمہؑ وہ بی بی ہیں جنہوں نے غریب لیکن بافضیلت انسان کے ساتھ عقد فرمایا۔ انہوں نے ابتدا ہی سے اسلام اور اپنے شوہر کے حساس حالات کو محسوس کرلیا تھا۔ وہ جانتی تھیں کہ اگر علیؑ کی تلوار نہ ہوتی تو اسلام کو اتنی پیش قدمی حاصل نہ ہوتی اور یہ بھی جانتی تھیں کہ اسلام کا بہادر سپہ سالار اس صورت میں میدان جنگ میں کامیاب ہوسکتا ہے جب گھر کے داخلی حالات کے اعتبار سے اس کی فکر آزاد اور وہ بیوی کی مہر و محبت و تشویق سے مالامال ہو۔ جب علیؑ میدان جنگ سے تھک کر واپس آتے تھے تو مکمل طور پر بیوی کی مہربانیاں اور محبتیں ملتی تھیں۔ جسم کے زخموں کی مرہم پٹی کرتیں، ان کے خون آلود لباس کو دھوتی تھیں۔ چنانچہ جب علیؑ جنگِ احد سے واپس لوٹے تو انہوں نے اپنی تلوار فاطمہؑ کو دی اور کہا کہ اس کا خون دھو ڈالو۔[2]

آپ زندگی کی کشاکش میں علیؑ کی ہم فکر اور ان کی شانہ بشانہ تھیں۔ آپ ان کے کاموں میں ان کی مدد کرتیں، ان کی تعریف اور تشویق فرماتیں، ان کی فداکاری اور شجاعت کی ستائش کرتیں اور ان کی کوشش و زحمتوں کے سلسلہ میں بڑی فرض شناس تھیں۔ پوری زندگی میں ایک موقعہ بھی ایسا نہیں آیا جس میں آپ نے اپنے شوہر سے دل توڑنے والی بات کہی ہو یا ان کے دل کو رنج پہنچایا ہو۔ بلکہ ہمیشہ اپنی بے لاگ محبت و عنایت سے ان کی آزردہ روح اور خستہ جسم کو تسکین دیتی رہیں۔ علیؑ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

---

[1] بحار جلد ۴۳/۱۵۱ منقول از کافی "... کَانَ اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ ع، یَحْتَطِبُ وَیَسْتَقِیْ وَیَکْنُسُ وَکَانَتْ فَاطِمَةُ ع، تَطْحَنُ وَتَعْجِنُ وَتَخْبِزُ۔

[2] سیرۃ ابن ہشام جلد ۳ ص۱۰۶ - الصحیح من سیرۃ النبی جلد ۴ ص۲۲۴ - بحار جلد ۲۰ ص۸۸

"جب میں گھر آتا تھا اور میری نظر فاطمہؑ زہراؑ پر پڑتی تھی تو میرا تمام غم غصہ ختم ہو جاتا تھا۔"[1]

جب آنحضرتؐ نے علیؑ سے سوال کیا تھا کہ "فاطمہؑ کو کیسا پایا؟" تو آپؑ نے جواب میں فرمایا تھا کہ "فاطمہؑ اطاعت خداوند عالم میں میری بہترین مددگار ہیں۔"[2]

ج۔ تربیت اولاد

جناب معصومہؑ کے فرائض میں سے ایک اہم فریضہ بچوں کی پرورش اور ان کی تربیت تھی۔ آپ کے بطن سے پانچ بچے پیدا ہوئے، حسنؑ، حسینؑ، زینبؑ، ام کلثومؑ اور محسنؑ۔ پانچویں فرزند جن کا نام محسن تھا، ان کا حمل ساقط ہو گیا تھا۔ آپؑ کے تمام بچے پاکباز، با اخلاص اور خدا کے مطیع تھے۔ جناب فاطمہؑ نے ان بچوں کو پالا جن میں سے سب شرف اسلام کے محافظ اور دین کی قدروں کے نگہبان تھے۔ اس راستہ میں جان دینے کی حد تک مقاومت کا مظاہرہ کیا۔ ایک نے صلح کے ذریعہ اور دوسرے نے اپنے خونین انقلاب سے نہالِ اسلام کی آبیاری کی اور دین اسلام کو بچالیا۔[3]

ان کی بیٹیوں نے بھی خاص کر واقعہ کربلا میں اپنے بھائیوں کے پیغام اور حسینؑ کی آواز کو، کوفہ، شام اور ان تمام راستوں میں دوسروں کے کانوں تک پہونچایا۔

جناب فاطمہؑ کی معنوی شخصیت

تمام عورتوں کی سردار، حضرت فاطمہؑ کی معنوی شخصیت ہمارے ادراک سے بلند اور ہماری توصیف سے بالاتر ہے۔ وہ خاتون جو معصومینؑ کے زمرہ میں ہیں ان کی اور ان کے خاندان کی محبت و ولایت دینی فریضہ ہے۔ وہ خاتون کہ جن کا غصہ اور جن کی ناراضگی خدا کا غضب اور اسکی ناراضگی

---

[1] مناقب خوارزمی ص ۲۵۶

[2] بحار الانوار جلد ۴۳ / ۱۱۱ "..... نعم العون علی طاعۃ اللّٰہ"

[3] یہ حصہ کتاب بانوی نمونہ اسلام، مصنفہ ابراہیم امینی کا اقتباس ہے۔

شمار ہوتی ہے[1]۔ ان کی معنوی شخصیت کے گوشے ہم خاکیوں کی گفتار و تحریر میں کیونکر جلوہ گر ہو سکتے ہیں؟!

بنابرایں، فاطمہؑ کو معصوم رہبروں کی زبان سے پہچاننا چاہئے۔ اب پیشِ خدمت ہیں جناب معصومہؑ کے بارے میں ائمہ معصومین کے ارشادات:

۱۔ پیغمبرؐ نے فرمایا: جبرئیل نازل ہوئے اور انہوں نے بشارت دی کہ "..... حسنؑ و حسینؑ جوانانِ جنت کے سردار ہیں اور فاطمہؑ جنت کی عورتوں کی سردار ہیں"[2]۔

۲۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: دنیا کی سب سے برتر چار عورتیں ہیں: مریم بنت عمران، خدیجہ بنت خویلد، فاطمہ دخترِ محمدؐ اور آسیہ دخترِ مزاحم (فرعون کی بیوی)[3]۔

۳۔ آپؐ نے یہ بھی فرمایا: "خدا، فاطمہ کی ناراضگی سے ناراض اور ان کی خوشی سے خوشنود ہوتا ہے"[4]۔

۴۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: "اگر خدا امیر المؤمنین کو نہ پیدا کرتا تو روئے زمین پر آپ کا کوئی کفو نہ ہوتا"[5]۔

۵۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال ہوا کہ: "حضرت فاطمہؑ کا "زہرا" یعنی درخشندہ نام کیوں ہے؟" تو آپ نے فرمایا کہ: "جب آپ محراب میں عبادت کے لئے کھڑی ہوتی تھیں تو آپ کا نور اہلِ آسمان کو اسی طرح چمکتا ہوا دکھائی دیتا تھا جس طرح ستاروں کا نور زمین والوں کے لئے جگمگاتا ہے"[6]۔

---

[1] بحار الانوار جلد ۴۳/ ۱۹ و ۲۶ - کشف الغمہ جلد ۱ مطبوعہ تبریز / ۴۵۸، الغدیر جلد ۳ / ۲۰

[2] امالی مفید ص۳ - امالی طوسی جلد ۱ ص۸۳، کشف الغمہ جلد ۱ ص۴۵۶

[3] بحار جلد ۴۳/ ۹-۲۶ .... مناقب ابن شہر آشوب جلد ۳ ص۳۲۲

[4] بحار جلد ۴۳/ ۹-۲۶ - کشف الغمہ جلد ۱ ص۴۶۷ [5] بحار جلد ۴۳/ ۱۹-۲۶، کشف الغمہ مطبوعہ تبریز جلد ص۴۷۲

[6] بحار جلد ۴۳، "علل الشرائع مطبوعہ مکتبہ الداوری قم ص۱۸۱" قال: سئلت اباعبد اللہ عن فاطمہ، لِمَ سمّیت زہراء؟ فقال: لانّہا کانت اذا قامت فی محرابہا زہر نورہا لاہل السماء کما یزہر نور الکواکب لاہل الارض"

فاطمہؑ سے پیغمبرؐ کی مہر و محبت

جناب فاطمہؑ کے ساتھ پیغمبر اعظم کی مہر و محبت اتنی شدید تھی کہ اس کو پیغمبر کی زندگی کی تعجب خیز باتوں میں سمجھنا چاہئے ۔ رسولِ خداؐ تمام امور میں معیارِ حق و میزانِ عدل واعتدال تھے ان کی تمام حدیثیں اور ان کے تمام اعمال یہاں تک کہ تقریرِ پیغمبرؐ (یعنی وہ جس کو دیکھ کر اپنی خاموشی سے اس کی تصدیق کر دیں) بھی شریعت کا معیار و حجت ہے، دین ہے، اور یہ ضروری ہے کہ یہ ساری امت کے اعمال کا قیامت تک نمونہ قرار پائیں ۔ اس نکتہ پر توجہ کر لینے کے بعد جناب فاطمہ کی معنوی منزلت و بلندی کو زیادہ بہتر طریقہ سے سمجھا جا سکتا ہے ۔

پیغمبرؐ کے یہاں اور بھی بیٹیاں بھی تھیں[1] اور پیغمبرؐ اپنے خاندان حتیٰ غیروں کے ساتھ بھی بڑی مہربانی اور نیکی سے پیش آتے تھے لیکن اس کے باوجود فاطمہؑ سے آپ کو خصوصی محبت تھی اور فرصت کے مختلف لمحات میں اس محبت کا صریحاً اعلان اور اس کی تاکید فرماتے تھے ۔ یہ اس بات کی سند ہے کہ فاطمہؑ اور آنحضرت کے گھرانے کی سرنوشت اسلام کے ساتھ ساتھ ہے اور پیغمبر و فاطمہؑ کا تعلق صرف ایک باپ اور پیاری بیٹی کا تعلق نہیں ہے ۔ بلکہ ایک معاشرہ کی زندگی کے مسائل کے ساتھ اور آنیوالی ایک امت اور مسلمانوں کی رہبری و امامت کے بارے میں اوامر الٰہی کے ساتھ مکمل ربط ہے ۔

اس مقام پر پیغمبرؐ کی مہر و محبت کے چند نمونوں کا ذکر کر دینا مناسب سمجھتا ہوں ۔ یہ نمونے ان نمونوں کے علاوہ ہوں گے جو پہلے بیان کر چکا ہوں ۔

۱ ۔ امام محمّد باقرؑ اور امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں ۔ سونے سے پہلے پیغمبرؐ

---

[1] فاطمہ کے علاوہ پیغمبر کی دیگر بیٹیوں کا ثبوت اہلِ سنت کی کتابوں سے فراہم ہوا ہے جبکہ اکثر شیعہ علماء نے تحقیق کے بعد یہ فیصلہ کیا ہے کہ پیغمبر کے یہاں صرف فاطمہ ہی ایک بیٹی تھیں ۔

ہمیشہ فاطمہؑ کے چہرہ کا بوسہ لیتے، اپنے چہرہ کو آپ کے سینہ پر رکھتے اور فاطمہؑ کیلئے دعا فرماتے۔[۱]

۲- پیغمبرؐ نے فاطمہؑ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر فرمایا:

"جو انہیں پہچانتا ہے وہ پہچانتا ہے اور جو نہیں پہچانتا (وہ پہچان لے کہ) یہ فاطمہؑ محمدؐ کی بیٹی ہیں، یہ میرے جسم کا ٹکرا اور میرا قلب و روح ہیں۔ جو ان کو ستائے گا وہ مجھے دکھ پہونچائے گا اور جو مجھ کو تکلیف دے گا وہ خدا کو اذیت دے گا"۔[۲]

۳- امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

"رسول خداؐ فاطمہؑ کو بوسہ دیتے تھے، جناب عائشہ نے اعتراض کیا، پیغمبرؐ نے جواب دیا، میں جب معراج پر گیا اور جنت میں پہونچا تو میں نے طوبیٰ کے پھل کھائے اور اس سے نطفہ پیدا ہوا۔ اور جب میں زمین پر پلٹ کر آیا اور خدیجہؑ سے ہمبستری ہوا تو فاطمہؑ کا حمل قرار پایا۔ اس لئے جب میں فاطمہؑ کا بوسہ لیتا ہوں تو شجرۂ طوبیٰ کی خوشبو محسوس ہوتی ہے"۔[۳]

ایمان و عبادتِ فاطمہؑ

پیغمبرؐ نے آپ کے ایمان کے بارے میں فرمایا کہ "ان کے دل کی گہرائی اور روح میں ایمان

۱۔ بحار الانوار جلد ۴۳/ ۴۲، مناقب ابن شہر آشوب جلد ۳/ ۳۳۴ "... کان النبی (ص) لاینام حتی یقبل عرض وَجهِ فاطمة (ع)، یَضَعَ وَجهَهُ بین ثدیی فاطمة و یدعولها..."

۲۔ کشف الغمہ مطبوعہ تبریز جلد ۱/ ۴۶۷، فصول المہمہ/ ۱۴۶، بحار جلد ۴۳/ ۵۴، الغدیر جلد ۳/ ۲۰ "...من عرف هذه فقد عرفها ومن لم یعرفها فهی فاطمة بنت محمد (ص) وهی بضعة منّی وهی قلبی الذی بین جنبی فمن آذاها فقد آذانی ومن آذانی فقد آذی الله.

۳۔ بحار الانوار جلد ۴۳/ ۶ منقول از تفسیر علی بن ابراہیم، کشف الغمہ جلد ۱ ص ۴۵۹

اس طرح نفوذ کئے ہوئے ہے کہ عبادت خدا کیلئے اپنے آپ کو تمام چیزوں سے جدا کر لیتی ہیں[1]"۔

امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہؑ زہرا کو دیکھا کہ شب جمعہ کو محراب میں سپیدۂ سحری تک عبادت، رکوع و سجود میں مشغول رہتی تھیں۔ میں نے سنا کہ آپ صاحب ایمان مردوں اور عورتوں کے لئے دعا کرتی ہیں۔ مگر اپنے لئے کوئی دعا نہ مانگی۔ میں نے ان سے عرض کیا کہ جس طرح آپ دوسروں کے لئے دعا کرتی ہیں ویسے ہی اپنے لئے کیوں نہیں دعا فرماتیں؟ فرمانے لگیں میرے لال، پہلے ہمسایہ پھر اپنا گھر[2]۔

حسن بصری کہا کرتے تھے کہ امت اسلامی میں فاطمہؑ سے زیادہ عبادت کرنیوالا کوئی پیدا نہیں ہوا وہ عبادتِ حق تعالیٰ میں اس قدر کھڑی رہتی تھیں کہ پائے مبارک ورم کر تے تھے[3]۔

فاطمہؑ باپ کے بعد

وفات کے وقت پیغمبرؐ کا سر علیؑ کی گود میں تھا اور حضرت فاطمہؑ اور حسن وحسین علیہم السلام آپ کے چہرۂ اقدس کو دیکھ دیکھ کر رو رہے تھے، آپ کی آنکھیں بند اور زبانِ حق گو خاموش ہو چکی تھی اور روح عالمِ ملکوت کو پرواز کر چکی تھی، رسول اکرمؐ کی رحلت کے سبب حضرت فاطمہ زہراؑ پر سارے جہاں کا غم و اندوہ ٹوٹ پڑا، فاطمہؑ جنہوں نے اپنی عمر کو محبت و آلام میں گذارا تھا اور تنہا انکی دلی مسرت باپ کا وجود تھا اس تلخ حادثہ کے پیش آنے کے بعد آپکی تمام امیدیں اور آرزوئیں تمام ہوگئیں۔

"سقیفہ بنی ساعدہ" میں مسلمانوں کے ایک گروہ کے اجتماع کی خبر

ابھی رسولؐ خدا کا جسمِ اقدس روئے زمین ہی پر تھا کہ ابوبکر کو خلافت و جانشینی کی تعیین کیلئے

---

1. بحار ج ۴۳/ ۷۶
2. بحار الانوار جلد ۴۳/ ۸۲، کشف الغمہ مطبوعہ تبریز جلد ا ص ۴۶۸ "۔۔۔۔۔۔ فقالت یا بنی الجار ثم الدار"
3. بحار الانوار جلد ۴۳/ ۷۶، ۸۴ "ما کان فی هذہ الامۃ اعبد من فاطمۃ کانت تقوم حتیٰ تورم قدماها"

لوگوں کے اجتماع سے فاطمہؑ کے ذہن کو جھٹکا لگا ، اس غم و غصہ کی بحرانی کیفیت میں تھکے ہوئے اعصاب کو چوٹ پہونچی۔

فاطمہؑ جنہوں نے توحید و خدا پرستی، مظلوم کا دفاع اور ظلم وستم سے مقابلہ کرنے کے لیے تمام سختیوں، دشواریوں ، بھوک اور آوارہ وطن ہوجانے کی مصیبت کو برداشت کیا تھا وہ اس انحرافی روش کو برداشت نہ کرسکیں۔

حضرت فاطمہؑ زہراء کے مبارزات

فاطمہؑ و علیؑ جب پیغمبرؐ کے دفن و کفن سے فارغ ہوئے اور مسئلہ خلافت کے سلسلہ میں انجام شدہ عمل سے دوچار ہوئے تو آپ لوگوں نے عاقلانہ اور زبردست مبارزہ کا ارادہ کیا تاکہ اسلام کو ختم ہونے اور مٹ جانے کے خطرہ سے بچالیا جائے۔ ان کے مبارزات کے چند مراحل ملاحظہ ہوں۔

پہلا مرحلہ :

علیؑ نے یہ ارادہ کیا کہ خلیفۂ وقت کی بیعت نہیں کریں گے اور اس طرح آپ نے سقیفہ کی انتخابی حکومت کی روش سے اپنی مخالفت کا اظہار کیا۔ جناب فاطمہؑ زہراء نے بھی اس نظریہ کی تائید فرمائی اور اس بات کا مصمم ارادہ کرلیا کہ شوہر کے اوپر آنے والے ہر ممکنہ خطرہ اور حادثہ کا واقعی دفاع کریں گی۔ یہ ایک منفی انداز کی جنگ تھی۔

انہوں نے اس روش کے ذریعہ بتایا کہ تمام جنگیں تیر و تلوار سے نہیں ہوتیں، سب سے پہلے اسلام کا اظہار کرنے والے شخص کے خاندان کے افراد اور قریبی افراد کی خاموشی ، بے اعتنائی اور حکومت وقت کی تائید نہ کرنا اس کے غیر قانونی ہونے کی بہترین دلیل ہے۔

جناب معصومہؑ جانتی تھیں کہ علیؑ کے حق کے دفاع میں اس طرح کی جنگ کا نتیجہ رنج اور تکلیف ہے لیکن انہوں نے تمام دکھوں اور تکلیفوں کو خندہ پیشانی سے قبول کیا اور اس جنگ کو آخری مرحلہ تک پہنچایا۔

دوسرا مرحلہ :

فاطمہؑ و علیؑ علیہما السلام، جناب امام حسنؑ و حسینؑ کی انگلی پکڑے ہوئے مدینہ کے بزرگوں اور نمایاں افراد کے پاس جاتے اور ان کو اپنی مدد کی دعوت دیتے اور پیغمبر کی وصیتوں اور ارشادات کو انہیں یاد دلاتے تھے۔[1]

جناب فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا فرماتی تھیں کہ "اے لوگو! کیا میرے باپ نے علیؑ کو خلافت کے لئے معین نہیں فرمایا تھا؟ ان کی قربانیوں تم بھول گئے؟ .... کیا میرے باپ نے نہیں فرمایا تھا، میں تمہارے درمیان سے جا رہا ہوں مگر دو بزرگ چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں اگر تم ان سے تمسک اختیار کرو گے تو ہرگز گمراہ نہ ہو گے ایک کتاب خدا اور دوسرے میرے اہل بیتؑ[2] ہیں، اے لوگو! کیا یہ مناسب ہے کہ ہم کو تم تنہا چھوڑ دو اور ہماری مدد سے ہاتھ اٹھالو؟"

تیسرا مرحلہ :

"فدک"[3] زمام امورِ حکومت سنبھالنے کے بعد ابوبکر نے جناب فاطمہؑ زہراء سے فدک لینے کا ارادہ کیا تو انہوں نے حکم دیا کہ فدک میں کام کرنے والوں کو نکال باہر کیا جائے اور ان کے بجائے انہوں نے دوسرے کارکنوں کو وہاں مقرر کر دیا۔[4]

فدک کو قبضہ میں کرنے کے وجوہات میں سے ایک وجہ یہ تھی کہ وہ لوگ اس بات کو بخوبی

---

[1] الامامۃ والسیاسۃ جلد ا ص ۱۹

[2] بانوئے نمونۂ اسلام مصنفہ ابراہیم امینی ص ۱۴۴

[3] فدک مدینہ سے چند فرسخ کے فاصلہ پر ایک دیہات تھا جو ۷ھ میں رسول خدا اور یہودیوں کے درمیان صلح کے معاہدہ میں بغیر کسی خونریزی کے رسولؐ کو ملا تھا اور یہ صرف رسول کا حق تھا چنانچہ آپؐ نے خدا کے حکم کے مطابق اپنی بیٹی فاطمہؑ کو بخش دیا تھا۔

[4] تفسیر نور الثقلین جلد ۳/۵۲ مطبوعہ حکمت قم اصول مالکیت جلد ۲۔ موضوع فدک والا حصہ ملاحظہ ہو۔

جانتے تھے کہ علیؑ کے ذاتی فضائل و کمالات ان کا علمی مقام اور ان کی فداکاریاں قابلِ انکار نہیں ہیں، ان کے بارے میں پیغمبرؐ کی وصیتیں بھی لوگوں کے درمیان مشہور ہیں اگر ان کی اقتصادی حالت بھی اچھی ہو گئی اور ان کے پاس پیسے آ گئے تو ممکن ہے کہ ایک گروہ ان کے ساتھ ہو جائے اور پھر خلافت کے لئے خطرہ پیدا ہو جائے۔ اس نکتہ کو ان باتوں میں دیکھا جا سکتا ہے جو ابوبکر کو مخاطب کر کے عمر کہتے ہیں : "لوگ دنیا کے بندے ہیں اور سوائے دنیا کے انکا کوئی مقصد نہیں ہے اگر خمس و بیت المال اور فدک کو علی سے چھین لو تو پھر لوگ خود بخود ان سے علیحدہ ہو جائیں گے۔[1]

جب جناب فاطمہؑ، ابوبکر کے اقدام سے مطلع ہوئیں تو انہوں نے سوچا کہ اگر اپنے حق کا دفاع نہیں کرتی ہوں تو لوگ یہ سمجھ بیٹھیں گے کہ حق سے چشم پوشی اور ظلم کے بوجھ کے نیچے دب جانا ایک پسندیدہ کام ہے۔ یا یہ تصور کریں گے کہ حق ابوبکر کے ساتھ ہے۔ جیسا کہ اس وقت ان تمام مبارزوں کے باوجود ابوبکر کے پیرو، ان کی روش کو حق بنا کر پیش کرتے ہیں۔

ان سب باتوں کے پیش نظر جناب فاطمہؑ زہراؑ نے ممکنہ حد تک اپنے حق کے دفاع کا ارادہ کیا۔

البتہ اس بی بی کے لئے کہ جس کا بچہ اسی زمانہ میں ساقط ہوا ہو اور جس نے ان تمام مصائب کو برداشت کیا ہو، یہ سب کام سہل اور آسان نہ تھے، ان حادثات میں سے ایک حادثہ ہی ایک عورت کو ہمیشہ کیلئے ستمگروں سے مرعوب کرنے کے لئے کافی تھا۔ لیکن فاطمہؑ، کہ جنہیں فداکاری اور شجاعت کی خو ماں اور باپ سے وراثت میں ملی تھیں۔ اور جس نے فداکار افراد کے درمیان زندگی گذاری تھی، انھیں یہ چھوٹی چھوٹی دھمکیاں خوفزدہ نہیں کر سکتی تھیں۔

اس مرحلہ میں جناب فاطمہؑ زہراؑ کے مبارزات کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے۔

۱۔ بحث و استدلال :

جناب معصومہؑ نے ابوبکر سے گفتگو کے دوران قرآنی آیتوں کی شہادت اور گواہیوں کو

---

[1] ناسخ التواریخ ج زہراؑ / ۱۲۲

پیش کرکے برہان و استدلال سے ثابت کیا کہ فدک ان کی ملکیت ہے اور خلافت کی مشنری کا اقدام غیرقانونی ہے۔

۲۔ مسجد میں تقریر:

جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا نے منطق اور برہان کے ذریعہ خلافت کی مذمت اور اپنی حقانیت کو ثابت کرنے کے بعد یہ ارادہ کیا کہ مسجد میں جائیں اور لوگوں کے سامنے حقائق کو بیان کریں۔

جناب سیدہؑ نے مسجد میں مہاجرین وانصار کے کثیر مجمع کے درمیان ایک مفصل خطبہ دیا آپؑ نے لوگوں کو خدا کی طرف دعوت دی۔ پیغمبرؐ اور ان کی رسالت کی تعریف کی فلسفۂ احکام کے بارے میں گفتگو فرمائی، ولایت اور رہبر و قائد کی عظمت کی تشریح فرمائی اور دوسرے بہت سے اہم مسائل پر روشنی ڈالنے کے بعد لوگوں کی طرف مخاطب ہوئیں اور جو کہنے کی باتیں تھیں وہ کہہ دیں۔

آخر میں فرمایا:

"اے لوگو! جو کہنا چاہیئے تھا وہ میں کہہ چکی باوجود اس کے کہ مجھے معلوم ہے کہ تم میری مدد نہیں کرو گے، تمہارے بنائے ہوئے نقشے مجھ سے پوشیدہ نہیں ہیں لیکن میں کیا کروں ایک دردِ دل تھا جس کو میں نے شدتِ غم کی بنا پر بیان کر دیا کہ تمہارے اوپر حجت ہو جائے"[1]

۳۔ ترکِ کلام:

جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے مبارزہ کو جاری رکھنے کے لئے ترک کلام کو منتخب فرمایا،

---

[1] کشف الغمہ مطبوعہ تبریز جلد ۱ صفحہ ۴۹۱، احتجاج طبرسی جلد ۱ صفحہ ۱۴۱ الا قد قلت ماقلت ہذا علی معرفۃ منی بالجذلۃ التی خامرتکم والغدرۃ التی استشعرتہا قلوبکم ولکنہا فیضۃ النفس ونفثۃ الغیظ ..... "

اور ابوبکر سے کھلے عام کہہ دیا کہ اگر فدک کو واپس نہ دوگے تو میں جب تک زندہ ہوں تم سے کلام نہیں کروں گی، جہاں بھی خلیفہ سے سامنا ہوا اپنا رخ ان کی طرف سے پھیر لیتیں اور ان سے بات نہ کرتیں[1]۔ اس بی بی نے جو پیغمبرؐ کے قول کے مطابق رضائے خدا کے برخلاف غضبناک نہیں ہوتی تھیں، اپنی روش کے ذریعہ ملت کے جذبات و احساسات کی موج کو خلافت کی خودسری کے خلاف ابھارا۔

۴۔ رات میں تدفین:

نہ صرف یہ کہ شہزادیؑ نے اپنی زندگی کے آخری لمحات تک مبارزہ کو جاری رکھا بلکہ آپ نے اسے قیامت کی سرحدوں سے ملا دیا۔ اپنے شوہر علیؑ سے وصیت کی اور کہا کہ "اے علیؑ! مجھ کو رات میں غسل دینا، رات میں کفن پہنانا اور پوشیدہ طور پر سپرد خاک کر دینا، میں اس بات سے راضی نہیں ہوں کہ جن لوگوں نے مجھ پر ستم کیا ہے وہ میرے جنازہ کی تشییع میں شریک ہوں۔ علیؑ نے بھی شہزادی کی وصیت کے مطابق راتوں رات ان کو دفن کر دیا اور ان کی قبر کو زمین کے برابر کر دیا اور چالیس نئی قبروں کے نشان بنا دیئے کہ کہیں ان کی قبر نہ پہچان لی جائے[2]۔

شہادت

پیغمبرؐ کی رحلت کا رنج اور خلافت امیر المؤمنینؑ سے برگشتہ ہو جانے والوں کی روش نے بھی جناب فاطمہؑ کے وجود اور ان کے جسم و جان کو سخت تکلیف پہونچائی، آپؑ پیغمبرؐ کے بعد مسلسل گریہ کناں اور غمزدہ رہیں کبھی باپ کی قبر کی زیارت کو تشریف لے جاتیں اور کبھی شہداء کے مزار پر جاتیں اور گریہ فرماتیں[3] نیز گھر میں گریہ و عزاداری میں مصروف رہتی تھیں۔

---

[1] شرح ابن ابی الحدید جلد ۶/ ۴۶، کشف الغمہ جلد ۱/ ۴۷۷

[2] دلائل الامامۃ طبری/ ۴۶، مناقب ابن شہر آشوب جلد ۳/ ۳۶۳۔ یہ حصہ ابراہیم امینی کی کتاب بانوئ نمونۂ اسلام کا اقتباس ہے۔

[3] بحار الانوار جلد ۴۳/ ۱۹۵

آخر کار، شہزادی کی طاقت کو گھٹا دینے والے غم اور دیگر پہنچنے والے صدموں نے آپ کو مضمحل کر دیا تھا اور صاحبِ فراش بنا دیا۔ بالآخر انہیں صدمات کی بنا پر آپ ۱۳ جمادی الاولی[1] یا سوم جمادی الثانیہ[2] سنہ ۱۱ھ یعنی رسولؐ کی رحلت کے ۷۵ یا ۹۵ دن بعد دنیا سے رخصت ہو گئیں اور اپنی شہادت سے آپ نے اپنے پیروؤں کے دلوں کو ہمیشہ کیلئے غم و الم میں مبتلا کر دیا۔

---

[1] بحار الانوار جلد ۴۳/۱۹۵

[2] کشف الغمہ جلد ۱/۵۰۳، دلائل الامامہ/۴۵، بحار ۴۳/۱۹۶ منقول از اقبال الاعمال۔

سوالات

① جناب فاطمہ زہراءؑ کی ولادت کس تاریخ کو ہوئی اور مکہ میں آپ کا بچپن کیسے ماحول اور کن حالات میں گذرا ؟

② جناب خدیجہ کے انتقال کے بعد جناب فاطمہ زہراءؑ کا باپ کے ساتھ کیا سلوک رہا اور "ام ابیہا" آپ کا لقب کیوں پڑا ؟

③ حضرت علیؑ سے آپ کی شادی کس سن اور کس تاریخ میں ہوئی اور اس شادی کی خصوصیت کیا تھی ؟

④ ایک بیوی کے عنوان سے علیؑ کے ساتھ جناب معصومہؑ کا کیا سلوک رہا ؟

⑤ جناب سیدہ کی عبادت کے ایک نمونہ کا تذکرہ کیجئے ؟

⑥ سقیفہ کی کارروائی اور پیغمبرؐ کی جانشینی کے مسئلہ میں جناب فاطمہؑ کا کیا ردِ عمل تھا ؟

⑦ خلافت کی مشنری کے ساتھ آپ کے مبارزہ کی کیا روش تھی ؟ اس کے دو نمونے بیان فرمایئے ۔

سبق ۴

امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی سوانح عمری

بچپن کا زمانہ

علیؑ و فاطمہؑ کے پہلے بیٹے ۱۵ رمضان ۳ھ کو شہر مدینہ میں پیدا ہوئے[1]۔ پیغمبرؐ اکرم تہنیت کیلیے جناب فاطمہؑ کے گھر تشریف لائے اور خدا کی طرف سے اس بچہ کا نام "حسن" رکھا[2]۔

امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام سات سال تک پیغمبرؐ اسلام کے ساتھ رہے[3]۔ رسول اکرم اپنے نواسے سے بہت پیار کرتے تھے۔ کبھی کاندھے پر سوار کرتے اور فرماتے:

"خدایا میں اس کو دوست رکھتا ہوں تو بھی اس کو دوست رکھ"[4]

اور پھر فرماتے:

"جس نے حسنؑ و حسینؑ کو دوست رکھا اس نے مجھ کو دوست رکھا۔ اور جو ان سے دشمنی کرتا ہے وہ میرا دشمن ہے"[5]۔

---

[1] ارشاد مفید ص۱۸۷۔ تاریخ الخلفاء سیوطی /۱۸۸

[2] بحار جلد ۴۳/ ۲۳۸ [3] دلائل الامامہ طبری / ۶۰

[4] تاریخ الخلفاء/ ۱۸۸، تذکرۃ الخواص/ ۱۷۷ "اللّٰھم انی احبہ فاحبہ"

[5] بحار جلد ۴۳/ ۲۶۴، کشف الغمہ جلد ۱/ ۵۵۰ مطبوعہ تبریز سنن ترمذی جلد ۵/ ۷ من احبّ الحسن والحسینؑ فقد احبّنی ومن ابغضہما فقد ابغضنی"۔

امام حسنؑ کی عظمت اور بزرگی کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ کم سنی کے باوجود پیغمبرؐ نے بہت سے عہد ناموں میں آپ کو گواہ رکھا، واقدی نے نقل کیا ہے کہ پیغمبرؐ نے قبیلۂ "ثقیف" کے ساتھ ذمہ والا معاہدہ کیا، خالد بن سعید نے معاہدہ نامہ لکھا اور امام حسن و امام حسین علیہما السلام اس کے گواہ قرار پائے۔[1]

والدِ گرامی کے ساتھ

رسولِ اکرمؐ کی رحلت کے تھوڑے ہی دنوں بعد آپ کے سر سے چاہنے والی ماں کا سایہ بھی اٹھ گیا۔ اس بنا پر اب تسلی و تشفی کا صرف ایک سہارا علیؑ کی مہر و محبت سے مملو آغوش تھا امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام اپنے باپ کی زندگی بھر ان کے ساتھ اور ان سے ہم آہنگ رہے۔ ظالموں پر تنقید اور مظلوموں کی حمایت فرماتے رہے اور ہمیشہ سیاسی مسائل کو سلجھانے میں لگے رہے۔

جس وقت عثمان نے پیغمبرؐ کے عظیم الشان صحابی جناب ابوذر کو شہر بدر کر کے رَبَذہ بھیجنے کا حکم دیا تھا، اس وقت یہ بھی حکم دیا تھا کہ کوئی بھی ان کو رخصت کرنے نہ جائے۔ اس کے برخلاف علیؑ نے اپنے دونوں بیٹوں امام حسن اور امام حسین علیہما السلام اور کچھ دوسرے افراد کے ساتھ اس مردِ آزاد کو بڑی شان سے رخصت کیا اور ان کو صبر و ثبات قدم کی وصیت فرمائی۔[2]

۳۶ھ میں اپنے والد بزرگوار کے ساتھ مدینہ سے بصرہ روانہ ہوئے تاکہ جنگ جمل کی آگ جس کو عائشہ، طلحہ و زبیر نے بھڑکایا تھا، بجھا دیں۔

بصرہ کے مقام ذی قار میں داخل ہونے سے پہلے علیؑ کے حکم سے عمار یاسر کے ہمراہ کوفہ

---

1. طبقات کبیر جلد ا حصہ ۲ / ۲۳

2. حیاۃ الامام حسن جلد ا ص ۲۰۶۔ مروج الذہب جلد ۲ / ۳۴۱، تاریخ یعقوبی جلد ۲ ص ۱۶۲۔ شرح ابن ابی الحدید جلد ۸ / ۲۵۲ - ۵۵

تشریف لے گئے تاکہ لوگوں کو جمع کریں۔ آپ کی کوششوں اور تقریروں کے نتیجہ میں تقریباً بارہ ہزار افراد امام کی مدد کے لئے آگئے۔[1] آپ نے جنگ کے زمانہ میں بہت زیادہ تعاون اور فداکاری کا مظاہرہ کیا یہاں تک کہ امامؑ کا لشکر فتحیاب ہوگیا۔[2]

جنگ صفین میں بھی آپؑ نے اپنے پدر بزرگوار کے ساتھ ثبات قدم کا مظاہرہ فرمایا۔ اس جنگ میں معاویہ نے عبد اللہ ابن عمر کو امام حسن مجتبیٰ کے پاس بھیجا اور کہلوایا کہ آپ اپنے باپ کی حمایت سے دست بردار ہوجائیں تو میں خلافت آپ کے لئے چھوڑ دونگا۔ اس لئے کہ قریش ماضی میں اپنے آباء و اجداد کے قتل پر آپ کے والد سے ناراض ہیں لیکن آپ کو وہ لوگ قبول کرلیں گے۔

لیکن امام حسنؑ نے جواب میں فرمایا: "نہیں، خدا کی قسم ایسا نہیں ہوسکتا"۔ پھر اس کے بعد ان سے خطاب کرکے فرمایا: گویا میں تمہارے مقتولین کو آج یا کل میدان جنگ میں دیکھوں گا، شیطان نے تم کو دھوکہ دیا ہے اور تمہارے کام کو اس نے اس طرح زینت دی ہے کہ تم نے خود کو سنوارا اور معطر کیا ہے تاکہ شام کی عورتیں تمہیں دیکھیں اور تم پر فریفتہ ہوجائیں لیکن جلد ہی خدا تجھے موت دے گا۔[3]

امام حسن علیہ السلام اس جنگ میں آخر تک اپنے پدر بزرگوار کے ساتھ رہے اور جب بھی موقع ملا دشمن پر حملہ کرتے اور نہایت بہادری کے ساتھ موت کے منہ میں کود پڑتے تھے۔ آپؑ نے ایسی شجاعت کا مظاہرہ فرمایا کہ جب علیؑ نے اپنے بیٹے کی جان خطرہ میں دیکھی تو مضطرب ہوئے اور نہایت درد کے ساتھ آواز دی کہ "اس نوجوان کو شدت سے روکو تاکہ (اسکی موت) مجھے شکستہ حال نہ بنادے۔ میں ان دونوں ــــ حسن و حسین علیہما السلام ــــ کی موت سے

---

[1] کامل ابن اثیر جلد ۳ / ۲۲۷ - ۲۳۱

[2] حیاۃ الامام الحسن جلد ۱ / ۳۹۶ - ۳۹۹

[3] وقعۃ صفین / ۲۹۷

ڈرتا ہوں تاکہ ان کی موت سے نسل رسول خدا منقطع نہ ہو جائے۔[1]

حکمیت والے واقعہ میں ابو موسیٰ کے ذریعہ علیؑ کے برطرف کر دیئے جانے کی دردناک خبر عراق کے لوگوں کے درمیان پھیل جانے کے بعد فتنہ و فساد کی آگ شعلہ در ہو گئی۔ علیؑ نے دیکھا کہ ایسے افسوسناک موقع پر چاہیے کہ ان کے خاندان کا کوئی ایک شخص تقریر کرے اور ان کو گمراہی سے بچا کر سکون اور ہدایت کی طرف رہنمائی کرے لہٰذا اپنے بیٹے امام حسنؑ سے فرمایا: میرے لال! اٹھو اور ابو موسیٰ و عمرو عاص کے بارے میں کچھ کہو۔ امام حسن مجتبیٰؑ نے ایک پرزور تقریر میں توضیح کی کہ:

"ان گوں کو اس لئے منتخب کیا گیا تاکہ کتاب خدا کو اپنی دلی خواہش پر مقدم رکھیں لیکن انہوں نے ہوس کی بنا پر قرآن کے خلاف فیصلہ کیا اور ایسے لوگ حَکَم بنائے جانے کے قابل نہیں بلکہ ایسے افراد محکوم (اور مذمت کے قابل) ہیں۔[2]

شہادت سے پہلے علیؑ نے پیغمبرؐ کے فرمان کی بنا پر حسنؑ کو اپنا جانشین معین فرمایا اور اس امر پر امام حسینؑ اور اپنے تمام بیٹوں اور بزرگ شیعوں کو گواہ قرار دیا۔[3]

اخلاقی خصوصیات

امام حسنؑ ہر جہت سے حسن تھے آپ کے وجود مقدس میں انسانیت کی اعلیٰ ترین نشانیاں جلوہ گر تھیں۔ سیوطی اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ "حسنؑ بن علیؑ اخلاقی امتیازات اور بے پناہ

---

[1] نہج البلاغہ فیض الاسلام خطبہ ۱۹۸ ص۶۶۱ املکوا عنّی ھذا الغلام لا یھدّنی فانّنی انفس بھذین یعنی الحسن والحسین علی الموت لئلا ینقطع بھما نسل رسول اللہ۔

[2] الامامہ والسیاسۃ جلد ۱ ص۱۱۹، حیاۃ الامام الحسن جلد ۱ ص۴۴۴

[3] اصول کافی جلد ۱/ ص۲۹

انسانی فضائل کے حامل تھے ایک بزرگ، باوقار، بردبار، متین، سخی، بخشش کرنے والے اور لوگوں کی محبتوں کا مرکز تھے[۱]

ان کی درخشاں عادات میں سے میں ایک شمہ بیان کرنے کی کوشش کر رہا ہوں :

پرہیزگاری

آپ خدا کی طرف مخصوص توجہ کے حامل تھے اور اس توجہ کے آثار کبھی وضو کے وقت آپ کے چہرہ پر لوگ دیکھتے تھے جب آپ وضو کرتے تو اس وقت آپ کا رنگ متغیر ہو جاتا اور آپ لرزنے لگتے تھے۔ جب لوگ سبب پوچھتے تو فرماتے تھے کہ وہ شخص جو خدا کے سامنے کھڑا ہو اس کے لئے اس کے علاوہ اور کچھ مناسب نہیں ہے۔[۲]

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا : امام حسنؑ اپنے زمانہ کے عابد ترین اور زاہد ترین شخص تھے۔ جب موت اور قیامت کو یاد فرماتے تو روتے ہوئے بے قابو ہو جاتے تھے۔[۳]

امام حسنؑ، اپنی زندگی میں ۲۵ بار پیادہ اور کبھی پا برہنہ زیارت خانۂ خدا کو تشریف لے گئے تاکہ خدا کی بارگاہ میں زیادہ سے زیادہ ادب و خشوع پیش کر سکیں تاکہ زیادہ سے زیادہ اجر ملے۔[۴]

بخشش و عطا

امام کی سخاوت اور بخشش کے سلسلہ میں اتنا ہی بیان کافی ہے کہ آپ نے اپنی زندگی میں دوبار

۱۔ تاریخ الخلفاء / ۱۸۹

۲۔ مناقب ابن شہر آشوب جلد ۴ / ۱۴ " حق علی کل من وقف بین یدی رب العرش ان یصفر لونہ و ترتعد مفاصلہ۔

۳۔ بحار جلد ۴۳ / ۳۳۱

۴۔ بحار جلد ۴۳ / ۳۳۱، تاریخ الخلفاء / ۱۹۰، مناقب ابن شہر آشوب ۴ / ۱۴۔ شرح ابن ابی الحدید جلد ۱۶ / ۱۰، تذکرۃ الخواص / ۱۷۸

تمام اموال اور اپنی تمام پونجی خدا کے راستہ میں دیدی اور تین بار اپنے پاس موجود تمام چیزوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔ آدھا راہ خدا میں دیدیا اور آدھا اپنے پاس رکھا۔[1]

ایک دن آپ نے خانۂ خدا میں سنا کہ ایک شخص خدا سے گفتگو کرتے ہوئے کہہ رہا ہے "خداوندا! مجھے دس ہزار درہم دیدے۔ امام علیہ السلام اسی وقت گھر گئے اور وہاں سے اس شخص کو اتنے درہم بھیج دیئے۔[2]

ایک دن آپ کی ایک کنیز نے ایک خوبصورت گلدستہ آپ کو ھدیہ کیا تو آپؑ نے اس کے بدلے اس کنیز کو آزاد کردیا۔ جب لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا کہ خدا نے ہماری ایسی ہی تربیت کی ہے پھر اس کے بعد آپؑ نے آیت پڑھی۔ واذا حُیّیتم بتحیۃٍ فحیّوا باحسن منھا[3] "جب تم کو کوئی ہدیہ دے تو اس سے بہتر اس کا جواب دو۔"

بردباری

ایک شخص شام سے آیا ہوا تھا اور معاویہ کی تحریک پر اس نے امامؑ کو برا بھلا کہا تھا امام نے سکوت اختیار کیا، پھر آپؑ نے اس کو مسکرا کر نہایت شیریں انداز میں سلام کیا اور کہا "اے ضعیف انسان میرا خیال ہے کہ تو مسافر ہے اور میں گمان کرتا ہوں کہ تو اشتباہ میں پڑ گیا ہے۔ اگر تم مجھ سے میری رضامندی کے طلبگار ہو یا کوئی چیز چاہیئے تو میں تم کو دونگا اور ضرورت کے وقت تمہاری راہنمائی کروں گا۔ اگر تمہارے اوپر قرض ہے تو میں اس قرض کو ادا کر دوں گا۔ اگر تم بھوکے ہو تو میں تم کو سیر کر دونگا ۔ ۔ ۔ اور میرے پاس آؤ گے تو زیادہ آرام محسوس کرو گے۔

---

[1] تاریخ یعقوبی جلد ۲ / ۲۱۵ ؛ بحار جلد ۴۳ / ۳۳۲ ؛ تاریخ الخلفاء / ۱۹۰ ۔ مناقب جلد ۴ / ۱۴

[2] کشف الغمہ مطبوعہ تبریز جلد ۱ / ۵۵۸

[3] سورہ نساء / ۸۶

[4] بحار جلد ۴۳ / ۳۴۴

وہ شخص شرمسار ہوا اور رونے لگا اس نے عرض کیا: "میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ زمین پر خدا کے خلیفہ ہیں خدا بہتر جانتا ہے کہ وہ اپنی رسالت کو کہاں قرار دے۔ آپ اور آپ کے والد میرے نزدیک مبغوض ترین شخص تھے لیکن اب آپ میری نظر میں سب سے زیادہ محبوب ہیں"۔[1]

مروان بن حکم — جو آپ کا سخت دشمن تھا— رحلت کے بعد اس نے آپ کی تشییع جنازہ میں شرکت کی امام حسینؑ علیہ السلام نے پوچھا۔ میرے بھائی کی حیات میں تم سے جو ہوسکتا تھا وہ تم نے کیا لیکن اب تم ان کی تشییع جنازہ میں شریک ہو اور رورہے ہو؟ مروان نے جواب دیا "میں نے جو کچھ کیا اس شخص کے ساتھ کیا جس کی بردباری پہاڑ (کوہ مدینہ کی طرف اشارہ) سے زیادہ تھی"۔[2]

خلافت

۲۱ رمضان ۴۰ھ کی شام کو علیؑ کی شہادت ہوگئی اس کے بعد لوگ شہر کی جامع مسجد میں جمع ہوئے حضرت امام حسن مجتبیٰؑ علیہ السلام منبر پر تشریف لے گئے اور اپنے پدر بزرگوار کی شہادت کے اعلان اور ان کے تھوڑے سے فضائل بیان کرنے کے بعد اپنا تعارف کرایا۔ پھر بیٹھ گئے اور عبداللہ بن عباس کھڑے ہوئے اور کہا لوگو! یہ — امام حسنؑ کی طرف اشارہ — تمہارے پیغمبرؐ کے فرزند علیؑ کے جانشین اور تمہارے امام ہیں تم ان کی بیعت کرو۔

لوگ چھوٹے چھوٹے دستوں میں آپ کے پاس آتے اور بیعت کرتے رہے۔[3] نہایت

---

[1] بحار جلد ۴۳ / ۳۴۴

[2] تاریخ الخلفاء / ۱۹۱، شرح ابن ابی الحدید جلد ۱۶ / ۱۳، ۵۱ واقعہ کے آخری حصہ میں تھوڑے فرق کے ساتھ۔

[3] ارشاد مفید / ۱۸۸، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید جلد ۱۶ / ۳۰۔ مقاتل الطالبین مطبوعہ بیروت / ۵۰ - ۵۲

غیر اطمینان، مضطرب اور پیچیدہ ماحول میں جوان کے پدر بزرگوار کی زندگی کے آخری حصہ میں انتہائی خراب حالت کو پہونچ گیا تھا۔ امام حسنؑ نے حکومت کی ذمہ داری سنبھالی۔ انہوں نے حکومت کو ایسے لوگوں کے درمیان شروع کیا جو مبارزہ کے مکتبی پابندی اور اس کے اعلیٰ مقاصد پر چنداں ایمان نہیں رکھتے تھے چونکہ ایک طرف آپؑ پیغمبرؐ و علیؑ کی طرف سے اس عہدہ کے لئے منصوب تھے اور دوسری لوگوں کی بیعت اور ان کی آمادگی نے بظاہر ان پر حجت تمام کردی تھی اس لئے آپ نے زمام حکومت کو ہاتھوں میں لیا اور تمام گورنروں کو ضروری احکام صادر فرمائے اور معاویہ کے فتنہ کو سلادینے کی غرض سے لشکر اور سپاہ کو جمع کرنا شروع کیا، معاویہ کے جاسوسوں میں سے دو افراد کو شناخت اور گرفتاری کے بعد قتل کرادیا۔ آپؑ نے ایک خط بھی معاویہ کو لکھا کہ تم جاسوس بھیجتے ہو؟ گویا تم جنگ کرنا چاہتے ہو جنگ بہت نزدیک ہے منتظر رہو! انشاءاللہ۔[۱]

معاویہ کی کارشکنی

جس بہانہ سے قریش نے حضرت علیؑ سے روگردانی کی اور ان کی کم عمری کو بہانہ بنایا معاویہ نے بھی اسی بہانے سے امام حسنؑ کی بیعت سے انکار کیا۔[۲] وہ دل میں تو یہ سمجھ رہے تھے کہ امام حسنؑ تمام لوگوں سے زیادہ مناسب ہیں لیکن ان کی ریاست طلبی نے ان کو حقیقت کی پیروی سے باز رکھا۔ معاویہ نے نہ صرف یہ کہ بیعت سے انکار کیا بلکہ وہ امامؑ کو درمیان سے ہٹا دینے کی کوشش

۱۔ ارشاد مفید/۱۸۹، بحار جلد ۴۴/۴۵، ابن ابی الحدید جلد ۱۶/۳۱۔ مقاتل الطالبین مطبوعہ بیروت/۵۳

اما بعد فانک دسست الرجال للاحتیال والاغتیال وارصدت العیون کانک تحب اللقاء وما اشک فی ذالک فتوقعہ انشاءاللہ۔

۲۔ امام حسن کے مقابل معاویہ کی منطق سے واقفیت کے لئے امام حسنؑ کے نام معاویہ کا وہ خط پڑھا جائے جس کو ابن ابی الحدید نے اپنی شرح کی ج ۱۶/۳۷ پر درج کیا

کرنے لگا کچھ لوگوں کو اس نے خفیہ طور پر اس بات پر معین کیا کہ امامؑ کو قتل کردیں ۔ اس بنا پر امام حسنؑ لباس کے نیچے زرہ پہنا کرتے تھے اور بغیر زرہ کے نماز کے لئے نہیں جاتے تھے ، معاویہ کے ان مزدوروں میں سے ایک شخص نے ایک دن امام حسنؑ کی طرف تیر پھینکا لیکن پہلے سے کئے گئے انتظام کی بنا پر آپ کو کوئی صدمہ نہیں پہونچا۔[1]

معاویہ نے اتحاد کے بہانہ اور اختلاف کو روکنے کے حیلہ سے اپنے عمال کو لکھا کہ " تم لوگ میرے پاس لشکر لے کر آؤ " پھر انہوں نے اس لشکر کو جمع کیا اور امام حسنؑ سے جنگ لڑنے کے لئے عراق کی طرف بھیجا۔[2]

امام حسنؑ نے بھی حجر بن عدی کندی کو حکم دیا کہ وہ حکام اور لوگوں کو جنگ کے لئے آمادہ کریں۔[3]

امام حسنؑ کے حکم کے بعد کوفہ کی گلیوں میں منادی نے " الصلوٰۃ جامعۃ " کی آواز بلند کی اور لوگ مسجد میں جمع ہو گئے امام حسنؑ منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا کہ " معاویہ تمہاری طرف جنگ کرنے کے لئے آرہا ہے تم بھی نُخَیلہ کے لشکرگاہ کی طرف جاؤ ... " پورے مجمع پر خاموشی طاری رہی ۔

حاتم طائی کے بیٹے عدی نے جب ایسے حالات دیکھے تو اٹھ کھڑا ہوا اور اس نے کہا **سبحان اللہ** ! یہ کیسا موت کا سناٹا ہے جس نے تمہاری جان لے لی ہے ؟ ! تم امامؑ اور اپنے پیغمبر کے فرزند کا جواب نہیں دیتے ..... خدا کے غضب سے ڈرو کیا تم کو ننگ و عار سے ڈر نہیں لگتا ... ؟ پھر امام حسنؑ کی طرف متوجہ ہوا اور کہا " میں نے آپ کی باتوں کو سنا اور اس کی بجا آوری

---

[1] بحار جلد ۴۴/۳۳

[2] شرح ابن ابی الحدید جلد ۱۶/۳۷ و ۳۸ مقاتل الطالبین مطبوعہ بیروت /۶۰

[3] ارشاد مفید /۱۸۹ ، بحار جلد ۴۴/۴۶ ـ شرح ابن ابی الحدید ۱۶/۳۸ ، مقاتل الطالبین /۶۱

کے لئے حاضر ہوں۔ پھر اس نے مزید کہا ــــ اب میں لشکر گاہ میں جارہا ہوں، جو آمادہ ہو وہ میرے ساتھ آجائے۔ قیس بن سعد، معقل بن قیس اور زیاد بن صعصعہ نے بھی اپنی پرزور تقریروں میں لوگوں کو جنگ کی ترغیب دلائی پھر سب لشکر گاہ میں پہونچ گئے[1]

امام حسنؑ کے پیرووں کے علاوہ ان کے سپاہیوں کو مندرجہ ذیل چند دستوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

۱ــ خوارج، جو صرف معاویہ سے دشمنی اور ان سے جنگ کرنے کی خاطر آئے تھے نہ کہ امامؑ کی طرف داری کے لئے۔

۲ــ حریص اور فائدہ کی تلاش میں رہنے والے افراد جو مادی فائدہ اور جنگی مال غنیمت حاصل کرنے والے تھے۔

۳ــ شک کرنے اور ڈانواڈول ارادہ کے حامل افراد جن پر ابھی تک امام حسنؑ کی حقانیت ثابت نہیں ہوئی تھی، ظاہر ہے کہ طبعی طور پر ایسے افراد میدان جنگ میں اپنی جان نثاری کا ثبوت نہیں دے سکتے تھے۔

۴ــ وہ لوگ جنہوں نے اپنے قبیلہ کے سرداروں کی پیروی میں شرکت کی تھی ان میں کوئی دینی تحریک نہ تھی[2]

امام حسنؑ نے لشکر کے ایک دستہ کو حَکَم کی سرداری میں شہر انبار بھیجا، لیکن وہ معاویہ سے جاملا اور اس کی طرف چلا گیا۔ حَکَم کی خیانت کے بعد امام مدائن کے مقام "ساباط" تشریف لے گئے اور وہاں سے بارہ ہزار افراد کو عبید اللہ بن عباس کی سپہ سالاری میں معاویہ سے جنگ کرنے کے لئے روانہ کیا اور قیس بن سعد کو بھی اس کی مدد کے لئے منتخب فرمایا کہ اگر عبید اللہ

---

[1] شرح ابن ابی الحدید جلد ۱۶/ ۳۷ - ۴۰ ، بحار جلد ۴۴/ ۵۰

[2] ارشاد مفید/ ۱۸۹ ، بحار ۴۴/ ۴۶

ابن عباس شہید ہو جائیں تو وہ سپہ سالاری سنبھال لیں۔

معاویہ ابتداء میں اس کوشش میں تھے کہ قیس کو دھوکہ دیدیں۔ انہوں نے دس لاکھ درہم قیس کے پاس بھیجے تاکہ وہ ان سے مل جائے یا کم از کم امام حسنؑ سے الگ ہو جائے، قیس نے اس کے پیسوں کو واپس کر دیا اور جواب میں کہا: "تم دھوکہ سے میرے دین کو میرے ہاتھوں سے نہیں چھین سکتے۔"[1]

لیکن عبید اللہ بن عباس صرف اس پیسہ کے وعدہ پر دھوکہ میں آگیا اور راتوں رات اپنے خاص افراد کے ایک گروہ کے ساتھ معاویہ کی طرف بھاگ گیا۔ صبح سویرے لشکر بغیر سرپرست کے رہ گیا، قیس نے لوگوں کے ساتھ نماز پڑھی اور اس واقعہ کی رپورٹ امام حسنؑ کو بھیج دی۔[2]

قیس نے بڑی بہادری سے جنگ کی چونکہ معاویہ نے قیس کو دھوکہ دینے کے راستہ کو مسدود پایا اس لئے اس نے عراق کے سپاہیوں کے حوصلہ کو شکستہ کر دینے کے لئے دوسرا راستہ اختیار کیا۔ اس نے امام حسنؑ کے لشکر میں، چاہے وہ مَسکِنْ[3] میں رہا ہو یا مدائن میں، چند جاسوس بھیجے تاکہ وہ جھوٹی افواہیں پھیلائیں اور سپاہیوں کو وحشت میں مبتلا کریں۔

مقام مَسکِن میں یہ پروپیگنڈہ کر دیا گیا کہ امام حسنؑ نے معاویہ سے صلح کی پیشکش کی ہے اور معاویہ نے بھی قبول کر لی ہے۔[4] اور اس کے مقابل مدائن میں بھی یہ افواہ پھیلا دی کہ قیس بن سعد نے

---

[1] تاریخ یعقوبی جلد ۲/ ۲۱۴

[2] ارشاد مفید / ۱۹۰

[3] مَسکِن مَنزِل کے وزن پر ہے۔ نہر دجیل کے کنارے پر ایک جگہ ہے جہاں قیس کی سپہ سالاری میں امام حسنؑ کا لشکر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔

[4] تاریخ یعقوبی جلد ۲/ ۲۱۴

معاویہ سے ساز باز کرلی اور ان سے جا ملا ہے۔[۱]

ان افواہوں نے امام حسنؑ کے سپاہیوں کے حوصلوں کو توڑ دیا اور یہ پروپیگنڈے امامؑ کے اس لشکر کے کمزور ہونے کا سبب بنے جو لشکر ہر رخ سے طاقت ور اور مضبوط تھا۔

معاویہ کی سازشوں اور افواہوں سے خوارج اور وہ لوگ جو صلح کے موافق نہ تھے انہوں نے فتنہ و فساد پھیلانا شروع کردیا۔ انھیں لوگوں میں سے کچھ افراد نہایت غصّہ کے عالم میں امامؑ کے خیمہ پر ٹوٹ پڑے اور اسباب لوٹ کر لے گئے یہاں تک کہ امام حسنؑ کے پیر کے نیچے جو فرش بچھا ہوا تھا اس کو بھی کھینچ لے گئے۔[۲]

ان کی جہالت اور کور دلی یہاں تک پہنچ گئی کہ بعض لوگ فرزند پیغمبر کو (معاذ اللہ) کافر کہنے لگے۔ اور "جراح بن سنان" تو قتل کے ارادہ سے امامؑ کی طرف لپکا اور چلّا کر بولا، اے حسنؑ تم بھی اپنے باپ کی طرح مشرک ہوگئے! (معاذ اللہ) اس کے بعد اس نے حضرت کی ران پر وار کیا اور آپؑ زخم کی تاب نہ لاکر زمین پر گر پڑے، امام حسنؑ کو لوگ فوراً مدائن کے گورنر "سعد بن مسعود ثقفی" کے گھر لے گئے اور وہاں کچھ دنوں تک آپ کا علاج چلتا رہا۔[۳]

اس درمیان میں امام کو خبر ملی کہ رؤسائے قبائل میں سے کچھ لوگوں نے خفیہ طور پر معاویہ کو لکھا ہے کہ اگر عراق کی طرف آجاؤ تو ہم تم سے یہ معاہدہ کرلیں کہ حسنؑ کو تمہارے حوالہ کردیں۔ معاویہ نے ان کے خطوط کو امام حسنؑ کے پاس بھیج دیا اور صلح کی خواہش ظاہر کی اور یہ عہد

۱۔ تاریخ یعقوبی جلد ۲/ ۲۱۴

۲۔ ارشاد مفید/ ۱۹۰، تاریخ یعقوبی جلد ۲/ ۲۱۵، بحار جلد ۴۴/ ۴۷، شرح ابن ابی الحدید جلد ۱۶/ ۴۱ مقاتل الطالبین مطبوعہ بیروت/ ۶۳

۳۔ ارشاد مفید/ ۱۹۰، تاریخ یعقوبی جلد ۲/ ۲۱۵، بحار جلد ۴۴/ ۴۷، شرح ابن ابی الحدید جلد ۱۶/ ۴۱، مقاتل الطالبین مطبوعہ بیروت/ ۶۳

کیا کہ جو بھی شرط آپؑ پیش کریں گے وہ مجھے قبول ہے۔[1]

ان دردناک حادثات کے بعد امام نے سمجھ لیا کہ معاویہ اور اس کے کارندوں کی خلل اندازی کے سامنے ہماری تمام کوششیں نقش بر آب کے سوا کچھ نہیں ہیں۔ ہماری فوج کے سربرآوردہ افراد معاویہ سے مل گئے ہیں لشکر اور جانبازوں نے اپنے اتحاد و اتفاق کا دامن چھوڑ دیا ہے ممکن ہے کہ معاویہ بہت زیادہ تباہ کاری اور فتنے برپا کردے۔

مذکورہ بالا باتوں اور دوسری وجوہ کے پیش نظر امام حسنؑ نے جنگ جاری رکھنے میں اپنے پیروکاروں اور اسلام کا فائدہ نہیں دیکھا۔ اگر امام اپنے قریبی افراد کے ساتھ تن تنہا مقابلہ کیلئے اٹھ کھڑے ہوتے اور قتل کردیئے جاتے تو نہ صرف یہ کہ معاویہ کی سلطنت کے پایوں کو متزلزل کرنے یا لوگوں کے دلوں کو جلب کرنے کے سلسلہ میں ذرہ برابر بھی اثر نہ ہوتا، بلکہ معاویہ اسلام کی جڑ کو ختم کردینے اور سچے مسلمانوں کا شیرازہ منتشر کردینے کے ساتھ ساتھ اپنی مخصوص فریب کارانہ روش کے ساتھ لباس عزا پہن کر انتقام خون امام حسنؑ کے لئے نکل پڑتا اور اس طرح فرزند رسولؐ کے خون کا داغ اپنے دامن سے دھو ڈالتا خاص کر ایسی صورت میں جب صلح کی پیشکش معاویہ کی طرف سے ہوئی تھی اور وہ امامؑ کی طرف سے ہر شرط قبول کرلینے پر تیار نظر آتا تھا۔ بنابراین (بس اتنا) کافی تھا کہ امامؑ نہ قبول کرتے اور معاویہ ان کے خلاف اپنے وسیع پروپگنڈہ کے ذریعہ ان کے صلح کی پیشکش کے بعد ان کے انکار کو خلاف حق بنا کر آپؑ کی مذمت کرتا ــــ اور کیا تعجب ہے ــــ جیسا کہ امامؑ نے خود پیشین گوئی کردی تھی۔ کہ ان کو اور ان کے بھائی کو گرفتار کرلیتے اور اس طریقہ سے فتح مکہ کے موقع پر پیغمبرؐ کے ہاتھوں اپنی اور اپنے خاندان کی اسیری کے واقعہ کا انتقام لیتا۔ اس وجہ سے امامؑ نے نہایت سخت حالات میں صلح کی

---

[1] ارشاد مفید / ۱۹۰ - ۱۹۱، تاریخ یعقوبی جلد ۲ / ۲۱۵ - بحار جلد ۴۴ / ۱۷، شرح ابن ابی الحدید ۱۶ / ۴۱ - ۴۲، مقاتل الطالبین مطبوعہ بیروت / ۱۴

پیشکش قبول کر لی۔

معاہدۂ صلح

معاہدۂ صلح امام حسن علیہ السلام کا متن، اسلام کے مقدس مقاصد و اہداف کو بچانے میں آپ کی کوششوں کا آئینہ دار ہے۔ جب کبھی کوئی منصف اور دور رس نظر رکھنے والا شخص صلح نامہ کی ایک ایک شرط کی تحقیق کرے گا تو بڑی آسانی سے فیصلہ کر سکتا ہے کہ امام حسنؑ نے ان خاص حالات میں اپنی اور اپنے پیروؤں اور اسلام کے مقدس مقاصد کو بچا لیا۔

صلح نامہ کے بعض شرائط ملاحظہ ہوں:

۱۔ حسنؑ زمام حکومت معاویہ کے سپرد کر رہے ہیں اس شرط پر کہ معاویہ قرآن و سیرت پیغمبرؐ اور شائستہ خلفاء کی روش پر عمل کریں۔[۱]

۲۔ بدعت اور علیؑ کے لئے ناسزا کلمات کہنا ہر حال میں ممنوع قرار پائے اور ان کو نیکی کے سوا اور کسی طرح یاد نہ کیا جائے۔[۲]

۳۔ کوفہ کے بیت المال میں پچاس لاکھ درہم موجود ہیں، وہ امام حسن مجتبیٰ کے زیر نظر خرچ ہوں۔[۳] معاویہ "داراب گرد" کی آمدنی سے ہر سال دس لاکھ درہم جنگ جمل و صفین کے ان شہداء کے پسماندگان میں تقسیم کریں جو علیؑ کی طرف سے لڑتے ہوئے قتل کر دیئے گئے تھے۔[۴]

۱۔ بحار جلد ۴۴/۶۵

۲۔ ارشاد مفید/ ۱۹۱ مقاتل الطالبین، حیاۃ الامام الحسن بن علی جلد ۲/ ۲۳۷ شرح ابن ابی الحدید ۱۶/ ۴

۳۔ تاریخ دول الاسلام جلد ۱/ ۵۳، حیاۃ الامام الحسن بن علی جلد ۲/ ۲۳۸، تذکرۃ الخواص ابن جوزی/ ۱۸۰ تاریخ طبری جلد ۵/ ۱۶۰

۴۔ جوہرۃ الکلام، حیاۃ الامام الحسن بن علی جلد ۲/ ۲۳۷

۴۔ معاویہ اپنے بعد کسی کو خلیفہ معین نہ کرے[1]

۵۔ ہر شخص چاہے وہ کسی بھی رنگ و نسل کا ہو اس کو مکمل تحفظ ملے اور کسی کو بھی معاویہ کے خلاف اس کے گذشتہ کاموں کی بنا پر سزا نہ دی جائے[2]

۶۔ شیعیان علیؑ جہاں کہیں بھی ہوں محفوظ رہیں اور کوئی ان سے معترض نہ ہو[3]۔

امامؑ نے ان اور دوسری شرطوں کے ذریعہ اپنے بھائی امام حسینؑ اور اپنے چاہنے والوں کی جان کی حفاظت کی اور اپنے چند اصحاب کے ساتھ جن کی تعداد بہت ہی کم تھی ایک چھوٹا سا اسلامی لیکن بار وح معاشرہ تشکیل دیا اور اسلام کو حتمی فنا سے بچالیا۔

معاویہ کی پیمان شکنی

معاویہ وہ نہیں تھے جو معاہدۂ صلح کو دیکھ کر امامؑ کے مطلب کو نہ سمجھ سکے۔ اسی وجہ سے صلح کی تمام شرطوں پر عمل کرنے کا عہد کرنے کے باوجود صرف جنگ بندی اور مکمل غلبہ کے بعد ان تمام شرطوں کو اس نے اپنے پیروں کے نیچے رکھ لیا اور مقام نُخَیلہ میں ایک تقریر میں صاف صاف کہہ دیا کہ 'میں نے تم سے اس لئے جنگ نہیں کی کہ تم نماز پڑھو، روزہ رکھو، حج کے لئے جاؤ بلکہ میری جنگ اس لئے تھی کہ میں تم پر حکومت کروں اور اب میں حکومت کی کرسی

۱۔ بحار الانوار جلد ۴۴/ ۶۵   ۲۔ مقاتل الطالبین / ۴۳

۲۔ ارشاد مفید   ،حیاۃ الامام الحسن بن علی جلد ۲ / ۲۳۷ شرح ابن ابی الحدید ۱۶/ ۴

۳۔ حیاۃ الامام الحسن بن علی جلد ۲/ ۲۳۷، مقاتل الطالبین / ۴۳ ، ذخائر العقبیٰ میں اتنا مزید ہے کہ معاویہ نے شروع میں ان شرائط کو مطلقاً قبول نہیں کیا اور دس آدمیوں کو، منجملہ قیس بن سعد کے مستثنیٰ کیا اور لکھا کہ ان کو جہاں بھی دیکھوں گا ان کی زبان اور ہاتھ کاٹ لوں گا۔ امام حسنؑ نے جواب میں لکھا کہ: ایسی صورت میں، میں تم سے کبھی بھی صلح نہیں کرونگا معاویہ نے جب یہ دیکھا تو سادہ کاغذ آپ کے پاس بھیج دیا اور لکھا کہ آپ جو چاہیں لکھدیں میں اسکو مان لونگا اور اس پر عمل کرونگا

پر پہونچ گیا ہوں اور اعلان کرتا ہوں کہ صلح کے معاہدہ میں جن شرطوں کو میں نے ماننے کیلئے کہا تھا ان کو پیروں کے نیچے رکھتا ہوں اور ان کو پورا نہیں کروں گا۔[۱]

لہٰذا اس نے اپنے تمام لشکر کو امیر المؤمنینؑ کی شان میں ناسزا کلمات کہنے پر برانگیختہ کیا۔ اس لئے کہ وہ جانتا تھا کہ انکی حکومت صرف امام کی اہانت اور ان سے انتقامی رویہ کے سایہ میں استوار ہو سکتی ہے۔ جیساکہ مروان نے اس کو صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ "علی کو دشنام دیئے بغیر ہماری حکومت قائم نہیں رہ سکتی۔"[۲]

دوسری طرف امیر المؤمنینؑ کے دوستدار جہاں کہیں بھی ملتے ان کو مختلف عنوان اور بہانوں سے قتل کر دیتا تھا۔ اس زمانہ میں تمام لوگوں سے زیادہ کوفہ کے رہنے والے سختی اور تنگی سے دوچار تھے۔ اس لئے کہ معاویہ نے مغیرہ کے مرنے کے بعد کوفہ کی گورنری کو زیاد کے حوالہ کر دیا تھا اور زیاد شیعوں کو اچھی طرح پہچانتا تھا، وہ ان کو جہاں بھی پاتا بڑی بے رحمی سے قتل کر دیتا تھا۔[۳]

مدینہ کی طرف واپسی

معاویہ ہر طرف سے مختلف صورتوں میں امام کو تکلیفیں پہونچانے لگا۔ آپ پر اور آپ کے اصحاب پر اس کی کڑی نظر تھی ان کو بڑے سخت حالات میں رکھتا اور علیؑ و دودمانِ علیؑ کی توہین کرتا تھا۔

۱۔ بحار ۴۴/۴۹ " ابن ابی الحدید جلد ۱۶/۱۴-۱۵ ، ۴۶ مقاتل الطالبین مطبوعہ بیروت/۷۰ ، ارشاد مفید/۹۱

۲۔ الصواعق المحرقہ/۳۳ " لا یستقیم لنا الامر الا بذالک ای لبسبّ علیؑ "

۳۔ حیاۃ الامام الحسن ابن علی جلد ۲/۳۵۶

یہاں تک کہ کبھی تو امام حسنؑ کے سامنے ان کے پدر بزرگوار کی برائی کرتا اور اگر امامؑ اس کا جواب دیتے تو ان کو بھی ادب سکھانے کی کوشش کرتا[1]۔ کوفہ میں رہنا مشکل ہو گیا تھا اس لئے آپ نے مدینہ لوٹ جانے کا ارادہ کیا۔

لیکن مدینہ کی زندگی بھی موجودہ حالات میں کشادگی کا سبب نہیں بنی اس لئے کہ معاویہ کے عاملوں میں سے ایک پلید ترین شخص مروان مدینہ کا حاکم تھا، مروان وہ ہے جس کے بارے میں پیغمبرؐ نے فرمایا تھا: "ھوالوزغ بن الوزغ. الملعون بن الملعون[2]" اس نے امام اور آپ کے اصحاب کا جینا مشکل کر دیا تھا یہاں تک کہ امام حسنؑ کے گھر تک آنا جانا مشکل ہو گیا تھا، باوجودیکہ امام دس برس تک مدینہ میں رہے لیکن ان کے اصحاب فرزند پیغمبرؐ کے چشمۂ علم و دانش سے بہت کم فیضیاب ہو سکے۔

مروان اور اس کے علاوہ دس سال کی مدت میں جو بھی مدینہ کا حاکم بنا اس نے امام حسنؑ اور ان کے دوستداروں کو تکلیف و اذیت پہونچانے میں کوئی کمی نہیں کی۔

شہادت

معاویہ جو امامؑ کی کمسنی کے بہانہ سے اس بات کے لئے تیار نہیں تھا کہ آپؑ کو خلافت دی جائے وہ اب اس فکر میں تھا کہ اپنے نالائق جوان بیٹے یزید کو ولی عہدی کے لئے نامزد کروں تاکہ اس کے بعد مسندِ سلطنت پر وہ متمکن ہو جائے۔

اور یہ ظاہر ہے کہ امام حسنؑ اس اقدام کے راستہ میں بہت بڑی رکاوٹ تھے اس لئے کہ اگر معاویہ کے بعد امام حسنؑ مجتبیٰ زندہ رہ گئے تو ممکن ہے کہ وہ لوگ جو معاویہ کے بیٹے سے

---

[1] ارشاد مفید / ۱۹۱، شرح ابن ابی الحدید جلد ۱۶ / ۴۷

[2] حیاۃ الامام الحسن بن علی جلد ۱ / ۲۳۹، مستدرک حاکم جلد ۴ / ۴۷۹

خوش نہیں ہیں وہ امام حسنؑ کے گرد جمع ہو جائیں اور اس کے بیٹے کی سلطنت کو خطرہ میں ڈال دیں لہٰذا یزید کی ولی عہدی کے مقدمات کو مضبوط بنانے کے لئے اس نے امام حسنؑ کو راستہ سے ہٹا دینے کا ارادہ کیا۔ آخر کار اس نے دسیسہ کاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے امام حسنؑ کی بیوی "جعدہ بنت اشعث" کے ذریعہ ان کو زہر دیدیا اور امام معصوم سینتالیس سال کی عمر میں ۲۸ صفر ۵۰ھ کو شہید ہو گئے اور مدینہ کے قبرستان بقیع میں دفن ہوئے۔[1]

---

[1] دلائل الامامہ طبری / ۶۱ . کشف الغمہ جلد ا ص ۵۱۵ . ص ۵۱۶ مطبوعہ تبریز ، ارشاد مفید / ۱۹۲ . مرحوم مفید علیہ الرحمہ نے شہادت کے وقت آپ کی عمر ۴۸ سال بیان کی ہے۔

سوالات

(۱) پیغمبرؐ کے ساتھ امام حسنؑ کتنے دن رہے اور اس مدت میں پیغمبرؐ کی محبت امام حسن سے کس طرح کی تھی؟ پیغمبرؐ کی احادیث میں سے ایک کا ذکر فرمایئے؟

(۲) اپنے پدر بزرگوار کے زمانے میں، امام حسنؑ کا جنگ جمل و صفین میں کیا عمل رہا؟ مختصراً بیان کیجئے؟

(۳) امامؑ کی پرہیزگاری اور بخشش کے واقعات میں سے ایک ایک نمونہ بیان فرمایئے۔

(۴) حکومت کی ذمہ داری قبول کرنے کے بعد معاویہ کے سلسلہ میں امام کا کیا موقف رہا؟ مختصراً بیان کیجئے۔

(۵) امام کے سپاہیوں میں کس طرح کے لوگ تھے؟

(۶) صلح کے اسباب و علل کو مختصراً بیان کیجئے۔

(۷) صلح کے تین شرائط کو بیان کرتے ہوئے صلح کے نتائج کو امام کے نظریہ کے مطابق بیان کیجئے۔

(۸) امام کس تاریخ کو کیسے اور دشمن کے ذریعہ کن وجوہ کی بنا پر شہید ہوئے؟

سبق ۵

امام حسین علیہ السلام کی سوانح عمری

پہلا حصہ

ولادت

تین شعبان ۴ھ کو علیؑ و پیغمبرؐ کی دختر گرامی کے دوسرے میوہ دل کی پیدائش ہوئی۔[۱] ان کا نام رکھنے کی رسم بھی ان کے بھائی حسن بن علی کی طرح پیغمبرؐ کے ذریعہ انجام پائی، رسول اکرمؐ نے خدا کے حکم کے مطابق اس نومولود کا نام حسین رکھا۔[۲]

ولادت باسعادت کے ساتویں دن جناب فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا نے اپنے فرزند کے لئے ایک گوسفند عقیقہ کے عنوان سے قربان کیا۔ ان کے سر کے بالوں کو تراش کر بالوں کے وزن کے برابر چاندی صدقہ میں دی۔[۳]

پیغمبرؐ کے دامن میں

حسین بن علیؑ نے اپنے بچپن کے چھ سال اور چند ماہ پیغمبر اکرمؐ کے زیرِ دامن پرورش

۱۔ اعلام الوریٰ / ۲۱۳، بحار جلد ۴۴ / ۲۰۱

۲۔ بحار جلد ۴۲ / ۲۴۱

۳۔ فروع کافی جلد ۶ / ۲۳ بحار جلد ۴۳ / ۲۵۷

پائی اور منبع فیاض رسالت سے علم و معرفت حاصل کیا۔

پیغمبر اکرم، امام حسینؑ سے جو اظہار محبت و لطف فرماتے تھے وہ شیعوں کے تیسرے رہنما کی عظمت و بلندی کو بیان کرتا ہے۔

سلمان فارسی فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ رسولؐ خدا نے حسین کو اپنے زانو پر بٹھا رکھا ہے اور بوسہ دے رہے ہیں اور فرماتے ہیں کہ تو سید و سردار ہے، بڑے سردار کا بیٹا ہے، بڑے سرداروں کا باپ ہے، تو امام، فرزند امام اور ابو الائمہ ہے۔ تو حجت خدا فرزند حجت خدا اور جو نو افراد حجت خدا ہیں انکا باپ ہے انکا خاتم ان کا قائم ہوگا۔[1]

جب رسول خدا سے پوچھا گیا کہ آپ اپنے اہل بیت میں سے کس کو زیادہ دوست رکھتے ہیں تو فرمایا: حسن و حسین علیہما السلام کو۔[2]

رسولؐ خدا بار بار حسنؑ و حسینؑ کو سینہ سے لگاتے، ان کی خوشبو سونگھتے، بوسہ دیتے اور فرماتے تھے حسن و حسین (علیہما السلام) جوانان بہشت کے سردار ہیں۔[3]

پیغمبر اور امام حسینؑ کے درمیان معنوی اور وراثتی رابطہ کو بیان کرنے کے لئے بلند ترین قریب ترین اور واضح ترین جملہ اس جملہ کو کہا جا سکتا ہے جس میں پیغمبرؐ نے فرمایا کہ "حسین

۱۔ "... انت سید بن سید ابو السادات انت امام ابن امام ابو الائمہ، انت حجۃ اللہ بن حجتہ وابو حجج تسعۃ من صلبك و تاسعھم قائمھم" مقتل خوارزمی جلد ۱/ ۱۴۶، کمال الدین صدوق جلد ۱/ ۲۶۲ بحار جلد ۴۳/ ۲۹۰

۲۔ سئل رسول اللہ ای اھل البیت احبّ الیك ؟ قال: الحسن والحسین سنن ترمذی جلد ۵/ ۳۲۳، بحار جلد ۴۳/ ۲۶۴، ۲۶۵

۳۔ الحسن والحسین سید اشباب اھل الجنۃ، بحار جلد ۴۳/ ۲۶۴، ۲۶۵، سنن ترمذی جلد ۵/ ۳۲۳، بحار جلد ۴۳/ ۲۹۹

مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں[۱]۔"

والدِ ماجد کے ساتھ

رسولِ خدا کی آنکھیں بند ہو جانے کے بعد امام حسینؑ نے اپنی عمر مبارک کے تیس سال اپنے پدر بزرگوار کے ساتھ گذارے اس پوری مدت میں آپ دل و جان سے پدر عالیقدر کی اطاعت کرتے رہے اور باپ کی پنج سالہ حکومت کے زمانہ میں امام حسین علیہ السلام اسلام کے مقاصد کو آگے بڑھانے میں ایک جاں باز فداکار کی طرح اپنے بڑے بھائی کی مانند کوشش کرتے رہے اور جمل و صفین و نہروان کی جنگوں میں شریک رہے[۲]۔

بھائی کے ساتھ

حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد، علیؑ کے بڑے بیٹے حسن بن علی کی طرف امامت و رہبری منتقل ہو گئی۔ امام حسینؑ جو مکتبِ رسالت و ولایت کے پروردہ تھے، اپنے بھائی کے ساتھ ان کے ہم فکر تھے۔ جب اسلام اور مسلمانوں کے معاشرہ کے مصالح کے پیشِ نظر امام علیہ السلام معاویہ کی صلح والی پیشکش کو قبول کرنے کے لئے مجبور ہوئے تو اس وقت امام حسینؑ بھائی کے غموں میں شریک تھے۔ اور چونکہ آپ جانتے تھے کہ یہ صلح، اسلام اور مسلمانوں کی بھلائی کیلئے ہوئی ہے اس لئے آپ نے ہرگز اعتراض نہیں کیا اور ہمیشہ امام حسنؑ کے موقف کا دفاع کرتے رہے[۳]۔

۱۔ "حسین منی و انا من حسین" سنن ترمذی جلد ۵/۳۲۴، بحار جلد ۴۳ / ۲۷۰ - ۲۷۲ - مقتل خوارزمی جلد ۱/ ۱۴۶، انساب الاشراب بلاذری جلد ۳/ ۱۴۲

۲۔ الاصابہ جلد ۱ ص ۳۳۲ ۳۔ کافی میں منقول ہے کہ جس نشست میں امام حسن علیہ السلام بیٹھے رہتے تھے اس میں امام حسینؑ بھائی کے احترام کی بنا پر باتیں نہیں کرتے تھے یہاں تک کہ بخشش و عطا میں بھی اس بات کا خیال رکھتے تھے کہ امام حسنؑ سے ذرا کم ہو۔

ایک دن معاویہ، امام حسن و امام حسین علیہما السلام کے سامنے امام حسنؑ اور ان کے پدر بزرگوار امیرالمومنین کی بدگوئی کیلئے لب کشا ہوا۔ امام حسینؑ اٹھے تاکہ اس کی اہانت کا جواب دیں لیکن آپ کے بھائی نے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور پھر خود ہی انہوں نے معاویہ کو بہت مناسب اور جھنجھوڑنے والے بیان کے ذریعہ خاموش کر دیا[1]۔

اخلاقی فضائل و مناقب

امام حسین کی مکمل حق طلب اور خداپرست ۵۶ سالہ زندگی پر اگر اجمالی نظر ڈالی جائے تو ہم کو پتہ چلے گا کہ آپؑ کی زندگی ہمیشہ پاک دامنی، خدا کی بندگی، محمدی پیغام کی نشرواشاعت اور انسانیت کی بلند قدروں کی حفاظت میں گذری ہے۔

آپ کو پروردگار کی نماز و بندگی، قرآن، دعا اور استغفار سے بڑا شغف تھا۔ کبھی کبھی شب و روز میں سیکڑوں رکعات نماز پڑھتے تھے[2]، حتیٰ کہ اپنی زندگی کی آخری رات میں بھی عبادت و دعا سے دست بردار نہیں ہوئے اور اس رات آپؑ نے دشمنوں سے مہلت مانگی تاکہ خلوت میں اپنے خدا سے راز و نیاز کر سکیں اور فرمایا: خدا جانتا ہے کہ میں نماز، تلاوت قرآن اور دعا و استغفار کو بہت زیادہ دوست رکھتا ہوں[3]۔

ابن اثیر نے لکھا ہے کہ حسینؑ بہت روزے رکھتے۔ نمازیں پڑھتے حج کو جاتے، صدقہ دیتے اور تمام اچھے کاموں کو انجام دیتے تھے[4]۔

---

[1] ارشاد مفید / ۱۷۳، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید جلد ۱۶ / ۴۷

[2] بحار جلد ۴۴ / ۱۹۶، منقول از فلاح السائل و عقد الفرید

[3] ارشاد مفید / ۲۳۰ مطبوعہ مکتبہ بصیرتی "فهو يعلم انّي قد كنت احبّ الصلوة وتلاوة كتابه وكثرة الدعا والاستغفا ر"

[4] اسد الغابہ جلد ۲ / ۲۰

حضرت اباعبداللہ الحسین علیہ السلام زیارت خانۂ خدا کیلئے بارہا پیدل تشریف لے گئے اور حج کا فریضہ ادا کیا۔[1]

امام حسین علیہ السلام کی شخصیت ایسی پرشکوہ اور باعظمت تھی کہ جب آپؑ اپنے بھائی امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے ساتھ حج کے لئے پیدل جارہے تھے تو تمام بزرگ اور اسلام کے نمایاں افراد آپؑ کے احترام میں مرکب سے اتر پڑتے اور آپؑ کے ہمراہ پیدل راستہ طے کرتے۔[2]

امام حسین کا احترام اور ان کی قدردانی کا معاشرہ اس لئے قائل تھا کہ آپؑ ہمیشہ لوگوں کے ساتھ زندگی بسر کرتے اور دوسروں کی طرح ایک معاشرہ کی نعمتوں اور مصیبتوں میں شامل رہتے تھے اور خداوند عالم پر پرخلوص ایمان کی بنا پر آپ عوام کے غمخوار اور مددگار تھے۔

آپ ایک ایسی جگہ سے گذرے جہاں کچھ فقیر اپنی چادر بچھائے ہوئے بیٹھے تھے اور سوکھی روٹیوں کے ٹکڑے کھا رہے تھے۔ امام حسینؑ کو ان لوگوں نے دعوت دی تو آپ نے ان کی دعوت قبول کی اور ان کے پہلو میں بیٹھ گئے اور پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: انّہ لایحب المستکبرین۔[3]

اس کے بعد آپؑ نے فرمایا کہ: "میں نے تمہاری دعوت قبول کی اب تم بھی میری دعوت قبول کرو۔ وہ لوگ امام حسینؑ کے ساتھ ان کے گھر آئے۔ امامؑ نے حکم دیا کہ جو کچھ گھر میں ہے وہ مہمانوں کے لئے لایا جائے۔[4]

اس طرح آپ نے معاشرہ کو تواضع اور انسان دوستی کا درس دیا۔

۱۔ اسد الغابہ جلد ۲/۲۰

۲۔ انساب الاشراف بلاذری

۳۔ سورہ نحل/۲۳

۴۔ تفسیر عیاشی جلد ۲/۲۵۷، مناقب جلد ۴/۶۶، جلاء العیون مرحوم شبر جلد ۲/۲۴

اس حصّہ کو علائلی کی اس بات کے خلاصہ کے ساتھ ختم کرتا ہوں جو انھوں نے اپنی کتاب میں ابا عبداللہ الحسین کے بارے میں لکھی ہے وہ فرماتے ہیں کہ : تاریخ میں ہم کو ایسے بزرگ افراد نظر آتے ہیں جن میں ہر ایک نے کسی نہ کسی جہت اور کسی نہ کسی محاذ پر اپنی عظمت و بزرگی کو عالمی حیثیت دی ہے ۔ ایک شجاعت میں تو دوسرا زھد میں تو تیسرا سخاوت میں ․․․․

لیکن امام حسین کی عظمت و بزرگی کا معیار اتنا عظیم ہے کہ جس کے بے انتہا پہلوؤں میں سے ہر پہلو فراز تاریخ کی عظمت کو معین کرنے والا ہے ۔ گویا آپؑ میں تمام بزرگیاں اور بلندیاں جمع ہوگئی تھیں۔[1]

امام حسینؑ معاویہ کے زمانہ میں

ابو عبداللہ الحسین اپنے برادر بزرگوار کی شہادت کے بعد خدا کے حکم اور اپنے بھائی کی وصیت سے اسلامی معاشرہ کے قائد و امام رہے ۔ آپؑ نے اپنی امامت کے تقریباً دس سال معاویہ کی حکومت کے زمانہ میں گذارے اس مدت میں آپؑ نے امام حسنؑ کی روش کو بھی قائم رکھا اور جب تک معاویہ زندہ رہا آپ کوئی مؤثر اقدام نہ کر سکے ۔

امام حسین اگرچہ یہ دیکھ رہے تھے کہ معاویہ اسلام ہی کی طاقت سے اسلامی معاشرہ کی بنیاد اور قوانین الٰہی کو بدل ڈالنے کی کوشش کر رہا ہے ۔ چنانچہ آپ کو قلق بھی تھا لیکن جانتے تھے کہ اگر اس کے مقابلہ کے لئے اٹھا جائے تو ہر مفید اقدام و تحریک (اور کوئی بھی نتیجہ حاصل ہونے) سے پہلے آپ کو قتل کر دیا جائے گا ۔

کبھی تو آپؑ معاویہ کے حرکات و اعمال پر صرف تنقید کرتے اور لوگوں کو آئندہ کے لئے امید دلاتے اور اس تمام مدت میں جب معاویہ ، یزید کی ولی عہدی کے لئے لوگوں سے بیعت

---

[1] سمو المعنیٰ / ۱۰۴

لے رہا تھا امام حسینؑ نے شدت سے مخالفت کی اور یزید کی بیعت کے لئے ہرگز آمادہ نہیں ہوئے یہاں تک کہ کبھی معاویہ کو سرزنش کرتے اور تنقیدی خط لکھتے تھے۔[1]

قیامِ حسینی

معاویہ کی موت کے بعد خلافت ـــ جو کہ سلطنت میں تبدیل ہو گئی تھی ـــ اس کے بیٹے یزید کی طرف منتقل ہو گئی۔ زمام حکومت کو ہاتھوں میں لیتے ہی یزید نے اپنے ارکانِ سلطنت کو مضبوط بنانے کیلئے اس نے عالم اسلام کی اہم شخصیتوں اور جانے پہچانے لوگوں سے اپنی بیعت لینے کا ارادہ کیا۔ اس غرض سے اس نے حاکم مدینہ کے نام خط لکھا اور حکم دیا کہ امام حسینؑ سے میری بیعت لے لو اور اگر وہ مخالفت کریں تو ان کو قتل کر دے۔

والی مدینہ نے حکم کے مطابق بیعت کا سوال امامؑ کے سامنے رکھا، امام حسینؑ نے فرمایا: "انا للہ وانا الیہ راجعون وعلی الاسلام السلام اذ ابلیت الامۃ براعٍ مثل یزید"[2] یعنی جب یزید جیسے لوگ (شراب خوار، جواری، بے ایمان اور ناپاک) حکومت اسلامی کی مسند پر بیٹھ جائیں تو اسلام پر فاتحہ پڑھ دینا چاہئے۔

امامؑ نے بیعت کی پیش کش کو ٹھکرانے کے بعد یہ سمجھ لیا کہ اگر مدینہ میں رہے تو آپؑ کو قتل کر دیا جائے گا۔ لہٰذا رات کے وقت پوشیدہ طور پر ۲۸ رجب ۶۰ھ کو اپنے آدمیوں کے ساتھ مکہ کی طرف روانہ ہو گئے۔[3]

آپ کے مکہ میں پہونچنے اور یزید کی بیعت سے انکار کرنے کی خبر مکہ اور مدینہ کے لوگوں کے

۱۔ رجال کشی / ۹۲

۲۔ مقتل خوارزمی جلد ۱ / ۱۸۴، لہوف / ۲۰، بحار جلد ۴۴ / ۳۲۶

۳۔ ارشاد مفید / ۲۰۱، تاریخ طبری جلد / ۳۴۱، بحار جلد ۴۴ / ۳۲۶

درمیان پھیل گئی اور یہ خبر کوفہ بھی پہونچ گئی۔ اس طرح لوگوں کو امام حسین کی مدد اور ان کی موافقت کے لئے اپنے کو آمادہ کرنے کا موقع نظر آیا کہ شاید اس طرح بنی امیہ کے ظلم کے بوجھ سے نجات مل جائے۔

کوفیوں نے ــــ مندرجہ بالا نکات کے پیش نظر ــــ مکہ پہونچنے کی خبر سنتے ہی بہت سے خطوط کے ذریعہ آپؑ کو دعوت دی کہ آپ کوفہ تشریف لائیے اور ہماری رہنمائی کی ذمہ داری قبول کر لیجئے۔

حضرت ابو عبد اللہ الحسینؑ نے جناب مسلم کو روانہ کرنے کے ساتھ ان تمام خطوط کا جواب مختصر جملوں میں اس طرح لکھا "اما بعد یہ خط حسین بن علی کی طرف سے عراق کے مسلمانوں اور مومنوں کی جماعت کی طرف بھیجا جا رہا ہے۔ تم یہ جان لو کہ ہانی اور سعید جو تمہارے بھیجے ہوئے آخری افراد تمہارے خطوط لے کر آئے۔ ان تمام باتوں کی جو تمہاری تحریروں سے عیاں تھی مجھے اطلاع ملی۔ خلاصہ یہ کہ تمہارا مطلب یہ تھا کہ "ہمارے پاس کوئی لائق رہبر اور امام نہیں ہے ہمارے پاس آجایئے شاید خدا ہم کو آپ کے ذریعہ ہدایت تک پہونچا دے۔ سر دست میں مسلم کو جو میرے چچا کے بیٹے اور میرے معتمد ہیں، تمہارے پاس بھیج رہا ہوں اگر انہوں نے لکھا کہ تمہارے آخری نظریات عملی طور پر اسی طرح ہیں جیسا کہ تم نے خط میں لکھا ہے تو میں اسے قبول کر کے تمہاری طرف آؤنگا ــــ آخر میں آپؑ نے مزید لکھا ــــ مجھے اپنی جان کی قسم، امام و پیشوا صرف وہ ہے جو خود دین کا پابند ہو اور عدل و انصاف کرتا ہو اور خدا کی رضا کے لئے حلیم ہو۔"[۱]

مسلم اس خط کو لیکر کوفہ پہونچے، ان کے پہونچنے کی خبر بڑی تیزی سے کوفہ میں پھیل گئی اہل کوفہ نے پرتپاک طریقہ سے امامؑ کے نمائندہ، مسلم کی بیعت کی کہ ایسا استقبال پہلے کبھی

۱؎ مناقب ابن شہر آشوب جلد ۴/ ۹۰، ارشاد مفید/ ۲۰۴، بحار جلد ۴۴/ ۳۳۴
کامل ابن اثیر جلد ۴/ ۲۱

نہیں ہوا تھا، پھر دن بدن بیعت کرنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا۔

کوفہ سے دو خط

امام حسینؑ کے فائدہ اور یزید کی مخالفت میں انقلابی حالت پیدا ہو جانے کے بعد دو خط لکھے گئے۔ ایک حسینؑ بن علیؑ کو اور دوسرا یزید کو جناب مسلم نے امام حسینؑ کو لکھا: "ابھی تک بے شمار لوگوں نے میری بیعت کی ہے۔ اب آپ کوفہ آجائیے۔"[1]

یزید کے پیروؤں نے اس کو لکھا کہ: "اگر عراق کی حکومت کو بچانا ہے تو کسی لائق گورنر کو بھیجو تاکہ ان فتنوں کو ختم کر دے اس لئے کہ نعمان بن بشیر (حاکم مدینہ) ایک کمزور آدمی ہے یا اس نے اپنے آپ کو کمزور بنا رکھا ہے۔"[2]

ان دو خطوط کے نتیجہ میں دو اقدام سامنے آئے۔ پہلے خط نے امام حسینؑ کی کوفہ کی طرف روانگی کے مقدمات فراہم کئے اور دوسرے خط نے پہلے حاکم کو معزول اور اس کی جگہ پر عبیداللہ ابن زیاد کو معین کیا۔

امام حسین علیہ السلام ہر چند کہ کوفیوں کو بخوبی پہچانتے تھے اور ان کی بے وفائی، ان کے عقیدہ کا تزلزل اپنے پدرِ گرامی اور برادرِ بزرگ کی حکومت کے زمانہ میں دیکھ چکے تھے لیکن اتمام حجت اور خداوند عالم کے اوامر کے اجراء کے لئے آپؑ نے کوفہ جانے کا ارادہ کیا۔ خصوصاً مکہ میں چند ماہ قیام کے بعد آپؑ نے یہ سمجھ لیا کہ یزید کسی طرح بھی آپ سے دست بردار ہونے کے لئے تیار نہیں ہے اور اگر آپ بیعت نہیں کرتے تو آپ کا قتل، وہ بھی خانۂ خدا کے نزدیک یقینی ہے۔

اس حالت میں امام حسینؑ ۸ ذی الحجہ تک ——— جس دن تمام حاجی منیٰ کی طرف

---

[1] ارشاد مفید / ۲۰۵، بحار جلد ۴۴ / ۳۳۶

[2] مناقب ابن شہر آشوب جلد ۴ / ۹۱ بحار جلد ۴۴ / ۳۶۶

جانے کا ارادہ کر رہے تھے[1] مکہ میں رہے اور حج تمتع کو عمرہ مفردہ سے بدلنے کے بعد اپنے اہل بیت اور اصحاب کو لے کر مکہ کو ترک کیا اور عراق کی طرف چل پڑے[2]۔

امام کا ایسے زمانہ میں اور ایسی جگہ سے کوچ کرنا، جہاں لوگ دور دور سے ارکان حج بجا لانے کے لئے آتے ہیں، ایسا ہی بے نظیر تھا کہ جس کی ایک عام مسلمان سے بھی توقع نہیں کی جا سکتی تھی چہ جائیکہ فرزند پیغمبرؐ سے، اسی وجہ سے تھوڑی ہی مدت میں سارے شہر مکہ میں امام کے سفر کی خبر گشت کرنے لگی۔

امام حسینؑ نے اپنے ناگہانی اور آشکارہ سفر سے اپنے فریضہ پر بھی عمل کیا اور مسلمانوں کو بھی سمجھا دیا کہ فرزند پیغمبرؐ نے یزید کی حکومت کو قانونی نہیں سمجھا اور اس کی بیعت نہیں کی بلکہ اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔

مسلم ابن عقیل کی شہادت

مسلم کے ہاتھ پر اہل کوفہ کی بیعت اور امام حسین کی طرف ان کے میلان کی اطلاع یزید کو مل چکی تھی۔ اس نے ابن زیاد کو کوفہ بھیجا ابن زیاد نے شیطانی نقشہ کے ذریعہ ایک نیا بھیس بدلا، چہرہ پر نقاب ڈالی اور بنی ہاشم کے کسی شریف اور بڑی شخصیت کے روپ میں رات کے

---

[1] ۸ تاریخ کو منیٰ جانا ایک مستحب عمل ہے اس زمانہ میں اس استحبابی حکم پر عمل ہوتا تھا لیکن اس زمانہ میں حجاج ایک ساتھ عرفات جاتے ہیں۔

[2] ارشاد مفید / ۲۸۱، بحار جلد ۴۴ / ۳۶۳، اعلام الوریٰ / ۲۲۷، اعیان الشیعہ (دس جلد والی) جلد ۱ / ۵۹۳، نہضت الحسین مصنفہ ھبۃ الدین شہرستانی / ۱۶۵، مقتل ابی مخنف / ۶۶، لیکن بعض صحیح روایات سے استفادہ ہوتا ہے کہ امام حسینؑ نے حج تمتع کا احرام نہیں باندھا تھا کہ اس کو عمرہ مفردہ سے تبدیل کر دیں ملاحظہ ہو وسائل الشیعہ جلد ۱۰ باب ۷ از ابواب عمرہ حدیث ۲، ۳

اندھیرے میں کوفہ میں وارد ہوا۔ جو لوگ امام حسینؑ کے منتظر تھے انہوں نے یہ گمان کیا کہ یہ حسینؑ ہیں۔ ابن زیاد بغیر کسی سے کوئی بات کئے اور نقاب میں منہ چھپائے ہوئے سیدھے دار الامارہ پہنچا[1]۔

عبید اللہ نے دار الامارہ میں مشورہ کیلئے ایک میٹنگ کی اور ابتدائی اقدامات کے بعد، کوفہ والوں کے ایمان کی کمزوری اور دوغلہ پن اور ان کے خوف سے فائدہ اٹھایا اور ان کو ڈرا دھمکا کر مسلم کے اطراف سے منتشر کر دیا یہاں تک کہ جب مسلم نماز کے لئے آئے تو صرف تیس افراد نے ان کے پیچھے نماز پڑھی اور نماز کے بعد وہ بھی متفرق ہو گئے۔ جب آپ مسجد سے باہر نکلے تو آپ کے ساتھ کوئی بھی نہیں تھا!!

حضرت مسلم نے ابن زیاد کے لشکر سے اکیلے جنگ کی اور ایک بہادرانہ جنگ کے بعد شہید ہو گئے[2]۔

ظلم کے خلاف عظیم ترین قیام

عراق کے قصد سے ابو عبد اللہ الحسینؑ نے حجاز کو چھوڑ دیا لیکن در حقیقت آپ اس مقصد کی طرف جا رہے تھے جو صرف عراق میں نہیں تھا۔ یہ عظیم مقصد عبارت ہے اسلام اور مسلمانوں کو استعمار کے چنگل اور خاندان بنی امیہ کے استبدادی پنجہ سے چھڑانا تھا۔ اس وجہ سے آپؑ دوستوں کے مقدس مآبانہ باتوں اور نصیحتوں کے برخلاف، جو اس سفر کے روکنے پر مبنی تھیں، اپنے عزم و ارادہ پر جمے رہے اور اسلام کی نجات کے لئے آخری تحریک شروع کی جس کو بہر قیمت انجام تک پہونچانا تھا۔

امام حسینؑ، راستہ میں بہت سے لوگوں کو اپنی مدد کے لئے دعوت دیتے اور جو لوگ ان کے ساتھ تھے ان کو یزید سے جنگ اور آخر میں قتل کئے جانے کے بارے میں اپنے مصمم ارادہ سے آگاہ کرتے

---

[1] ارشاد مفید / ۲۰۶، بحار جلد ۴۴ / ۳۴۰، مقاتل الطالبین / ۶۳

[2] ارشاد مفید / ۲۱۲

[3] ارشاد مفید / ۲۱۳ - ۲۱۶

رہے اور اس بات کا اختیار دیا کہ وہ چاہیں تو ساتھ چھوڑ کر جا سکتے ہیں۔ "صفاح" نام کی ایک جگہ پر کوفہ سے واپس آنے والے فرزدق سے ملاقات ہوگئی، آپؑ نے کوفہ کے حالات کے بارے میں ان سے سوال کیا، فرزدق نے جواب دیا کہ "لوگوں کے دل تو آپؑ کے ساتھ ہیں مگر ان کی تلواریں بنی امیہ کے ساتھ ہیں"[1]۔

شہادت

امام حسینؑ کا قافلہ کوفہ سے پہلے سرزمین کربلا پر (تقریباً کوفہ سے ۷۰ کیلومیٹر دور) دشمن کے لشکر کثیر سے روبرو ہوا۔ آپؑ کے ساتھ صرف وہی لوگ تھے جو جان کی بازی لگا چکے تھے اور فرزند پیغمبرؐ کی نصرت و مدد کے سوا انکا اور کوئی مقصد و مطلوب نہ تھا۔

آخر کار یہ لوگ ابن زیاد کے تیس ہزار لشکر کے تنگ گھیرے میں آ گئے[2] یہاں تک کہ فرات کا پانی بھی ان پر بند کر دیا گیا۔

ایسے حالات میں فرزند زہراؑ حضرت امام حسین علیہ السلام کے سامنے دو ہی صورتیں تھیں یا قتل یا بیعت، حسین ابن علیؑ جو مکتب وحی محمدی اور ولایت علوی کے پروردہ تھے انہوں نے بیعت نہیں کی اور ان بہتر۷۲ افراد کے ساتھ جو ان کے بہترین اصحاب، وابستگان اور فرزند تھے۔ جن میں سے ہر ایک اخلاص، جواں مردی، شجاعت، عزت و شرافت انسانی کی اخلاقی قدروں اور زیوروں سے آراستہ، انسانیت کا مکمل نمونہ تھا ایسے بہتر۷۲ افراد کے ساتھ حسینؑ نے

---

[1] قلوبہم معک وسیوف مع بنی امیہ ..." تاریخ طبری جلد ۵ / ۳۸۴، کامل ابن اثیر جلد ۴ / ۴۰ ارشاد مفید / ۲۱۸، بحار جلد ۴۴ / ۱۹۵

[2] بحار جلد ۴۴ / ۳۸۶۔ البتہ لشکر یزید کی تعداد کے بارے میں دوسری روایتیں بھی ہیں جن میں سب سے کم بارہ ہزار کی روایت ہے۔ مناقب جلد ۴ / ۹۸ پر ۳۵ ہزار افراد کی تعداد بھی لکھی گئی ہے۔

دس محرم سنہ ۶۱ھ کو صبح سے عصر تک پسر معاویہ کے کثیر اور آراستہ لشکر سے ایک شجاعانہ اور قابلِ فخر جنگ کی۔ اور بالآخر شربتِ شہادت نوش فرمایا۔ اور اس زمین کے سینہ پر جب تک انسان موجود رہے گا اس وقت تک کے لئے اپنے نام کو جاودانہ بنا دیا۔

آپؑ کی شہادت کے بعد دشمن کا لشکر آپؑ کے پسماندگان کے خیمہ میں گھس آیا، تمام مال و اسباب لوٹ لیا اور آپؑ کے اہلِ بیت کو اسیر کر کے شہداء کے کٹے ہوئے سروں کے ساتھ کوفہ اور وہاں سے شام لے گیا۔

سوالات

۱) حسین ابن علیؑ کس تاریخ کو پیدا ہوئے اور پیغمبرؐ اکرم کے ساتھ کتنے دنوں تک رہے۔؟

۲) صلح کے بارے میں امام حسینؑ کا موقف کیا تھا؟ اس کا ایک نمونہ بیان فرمائیے۔

۳) امام حسینؑ کی تواضع اور فروتنی کے ایک نمونہ کا ذکر کیجئے۔

۴) امام حسینؑ کا قیام کس زمانہ میں اور کس طرح شروع ہوا ؟

۵) امامؑ نے مکہ میں کوفہ جانے کا کیوں ارادہ کیا اور کوفہ جانے سے پہلے آپؑ نے کون سا اقدام کیا ؟

۶) دشمن کے لشکر سے امام حسینؑ کس جگہ ملے؟ دونوں لشکروں کے حالات اور آپ کی اور آپ کے اصحاب کی تاریخ شہادت بیان کیجئے؟

سبق ٦

امام حسینؑ کی سوانح عمری

دوسرا حصہ

زندۂ جاوید روداد

اسلام کے تیسرے رہبر کی اور ان کی اولاد و اصحاب کی دشت کربلا میں جاں بازی، فداکاری اور شہادت آپ کی زندگی کا اہم ترین واقعہ ہے۔ جس نے عقل و خرد کو جھنجوڑ کر رکھ دیا۔ تمام واقعات کے اوپر چھا گیا۔ اور ہمیشہ کے لئے تاریخ کے صفحات پر زندۂ جاوید و پائیدار بن گیا۔

ہر واقعہ ـــ چاہے وہ کتنا ہی بڑا اور عظیم کیوں نہ ہو ـــ جو دنیا میں پیش آتا ہے اس کو تھوڑے ہی دن گذرنے کے بعد زندگی کا مدّوجزر فراموشی کے سپرد کر دیتا ہے اور مرور زمانہ اس کے فروغ میں کمی کر دیتا ہے اور اوراق تاریخ پر سوائے اس کے نام کے کچھ باقی نہیں بچتا۔

لیکن بہت سے واقعات ایسے ہیں کہ زمانہ گذر جانے کے بعد بھی اس کی عظمت گھٹتی نہیں اللہ والوں کی تاریخ اور وہ انقلابات جو آسمانی پیغمبروں اور الٰہی عظیم رہبروں کے ذریعہ آئے ہیں، یہ تمام کے تمام واقعات چونکہ خدا سے متعلق و مربوط ہیں اس لئے ہرگز بھلائے نہیں جاسکیں گے اور مرور زمانہ کا کوئی اثر قبول نہیں کریں گے۔

حضرت حسین بن علیؑ کی تحریک اور کربلا کا خوں چکا حادثہ و انقلاب انسانی معاشرہ کی ایک

اہم ترین سرگذشت ہے ،اس حقیقت پر تاریخ و تجربہ روشن گواہ ہیں۔

عاشور کی خون آلود تاریخ کے تجزیہ میں دوسرے مطالب سے پہلے چند مطالب توجہ کے قابل اور تاریخی لحاظ سے زبردست تحقیق کے محتاج ہیں جنہیں اختصار سے بیان کیا جا رہا ہے:

۱۔ امام حسینؑ کے قیام کے اسباب۔

۲۔ امام حسینؑ کی تحریک و انقلاب کی ماہیت۔

۳۔ امام حسینؑ کے انقلاب کے اثرات و نتائج انقلاب کے اسباب۔

انقلاب حسینؑ ابن علی کا اہم اور واضح سبب ایک انحرافی سلسلہ تھا جو اس وقت اسلامی حکومت کی مشنری میں رونما ہو چکا تھا۔ اور لوگوں میں اموی گروہ کے تسلط کی بنا پر دین سے انحراف اور اجتماعی ظلم و ستم مکمل طور پر نمایاں تھا۔ یزید کے خلاف امام حسین علیہ السلام کا قیام اس بنا پر تھا کہ وہ اموی حکومت کا مظہر تھا۔ وہ حکومت جو ملت کے عمومی اموال کو عیاشی، رشوت خوری با اثر افراد کے قلوب کو اپنی طرف کھینچنے اور آزادی دلانے والی تحریکوں کو ختم کرنے میں خرچ کرتی تھی، وہ حکومت جس نے غیر عرب مسلمانوں کا جینا دشوار کر کے ان کو ختم کر دینے کی ٹھان لی تھی اور جس نے عرب مسلمانوں کے شیرازۂ اتفاق کو بکھیر کر ان کے درمیان نفاق اور کینہ کا بیج بو دیا تھا۔

وہ حکومت جس نے اموی خاندان کے مخالفین کو جہاں پایا وہیں قتل کر دیا۔ ان کے مال کو لوٹ لیا، وہ حکومت جس نے قبائلی عصبیت کی فکر کو برانگیختہ کر دیا مسلمانوں کے اجتماعی وجود کیلئے خطرہ بن گئی تھی۔

وہ حکومت جو کہ اسلام کے پیغام کے تحقق، قوانین و حدود اور اجتماعی عدالت کے اجراء کے بجائے ایک ایسے پلید شخص کے ہاتھ کا کھلونا تھی جو کہ محمدؐ کی رسالت اور ان پر وحی کے نزول کا انکار کر رہا تھا۔ یزید اپنے دادا ابوسفیان کی طرح تھا جس کا کہنا تھا "اب حکومت بنی امیہ کے قبضہ میں آگئی ہے خلافت کی گیند کو تم اچک لو اور ایک دوسرے کی طرف

منتقل کرتے رہو .... میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ نہ کوئی جنت ہے نہ جہنم"[1] یزید بھی ان تمام باتوں کو ایک خیال سے زیادہ نہیں سمجھتا تھا۔[2]

امام حسینؑ نے ایسے حالات میں انقلاب کے لئے زمین کو مکمل طور پر ہموار پایا آپؑ نے خود اس وصیت میں جو اپنے بھائی محمد حنفیہ کو کی تھی، اپنے قیام کے بارے میں لکھا کہ "میرے قیام کی وجہ ہوا و ہوس اور بشری میلانات نہیں ہیں، میرا مقصد ستمگری اور فتنہ و فساد پھیلانا نہیں ہے۔ بلکہ میرا مقصد تو اپنے جد رسولؐ خدا کی امت کی خراب حالت کی اصلاح کرنا ہے۔ میرا مقصد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے میں چاہتا ہوں کہ اپنے جد رسول خدا کی سیرت اور اپنے باپؑ علی کے راستہ پر چلوں ....[3]"

اسی طرح حر بن یزید ریاحی سے ملاقات کے بعد اپنی ایک تقریر میں آپؑ نے اپنے قیام کی تشریح کی اور فرمایا: "اے لوگو! پیغمبر خدا نے فرمایا ہے کہ جو کسی ایسے ظالم فرماں روا کو دیکھے جو حرام الٰہی کو حلال شمار کرتا ہو، خدا سے کئے گئے عہد و پیمان کو توڑتا ہو، اس کے پیغمبر کی سنت کی مخالفت کرتا ہو، خدا کے بندوں کے درمیان ظلم و تعدّی کرتا ہو اور ان تمام باتوں کے باوجود زبان و عمل سے اپنی مخالفت کا اظہار نہ کرے تو خدا اس کو اسی ظالم فرماں روا کے ساتھ ایک ہی جگہ جہنم میں رکھیگا۔

اے لوگو! انہوں نے (یزید اور اس کے ہمنواؤں نے) شیطان کی اطاعت کا جوا اپنی گردن

---

[1] الاغانی جلد ۶/ ۳۵۶

[2] مقاتل الطالبین / ۱۲۰، البدایہ والنھایہ / ۱۹۷

[3] "..... انی لم اخرج اشراً ولا بطراً ولا مفسداً ولا ظالماً و انما خرجت لطلب الاصلاح فی امۃ جدی صلی اللہ علیہ وآلہ واریدُ ان آمرَ بالمعروف و انھٰی عن المنکر و اسیر بسیرۃ جدی و ابی علی بن ابی طالب ....." بحار جلد ۴۴/ ۳۲۹ مناقب جلد ۴/ ۸۹

پر رکھ لیا ہے اور خدا کے رحمٰن کی پیروی ترک کردی ہے فساد پھیلا رکھا ہے اور قوانین الٰہی کو معطل کر رکھا ہے، بیت المال کو انہوں نے اپنے لئے مخصوص کر لیا۔ حلال خدا کو حرام اور حرام الٰہی کو حلال سمجھ لیا ہے۔ میں اسلامی معاشرہ کی قیادت کے لئے تمام لوگوں سے زیادہ حق دار ہوں اور ان مفاسد سے جنگ اور ان خرابیوں کی اصلاح کے لئے سب سے پیش پیش ہوں ...[1]"

امام حسینؑ نے معاویہ کے زمانہ میں قیام کیوں نہیں کیا؟

ممکن ہے کہ یہاں یہ سوال پیش آئے کہ معاویہ کے زمانہ میں متعدد عوامل ایسے پیدا ہو گئے تھے جو قیام و انقلاب کا تقاضا کرتے تھے اور حسین ابن علیؑ ان تمام عوامل سے آگاہ تھے اور آپ نے ان خطوط میں جو معاویہ کے جواب میں لکھے تھے ان اسباب کو بیان بھی کیا ہے[2]۔ پھر آپ نے معاویہ کے زمانہ میں قیام کرنے سے کیوں گریز کیا؟

جواب: تمام وہ عوامل و مسائل جنہوں نے امام حسنؑ کو معاویہ سے صلح کرنے کے لئے مجبور کیا وہی امام حسینؑ کے لئے بھی قیام سے باز رہنے کا سبب بنے[3]۔ عراقی معاشرہ پر حکمراں حاکم کی

---

[1] ان رسول اللہ قال: من رأی سلطاناً جائراً مستحلاً لحرم اللہ ناکثاً لعهد اللہ مخالفاً لسنة رسول اللہ یعمل فی عباد اللہ بالاثم والعدوان فلم یغیّر ما علیه بفعل ولا قولٍ، کان حقاً علی اللہ ان یدخله مدخله، الا وانّ هؤلاء قد لزموا طاعة الشیطان وترکوا طاعة الرحمٰن واظهروا الفساد وعطّلوا الحدود واستأثروا بالفیء واحلّوا حرام اللہ وحرّموا حلاله، وانا احق من غیری ... "تاریخ طبری جلد ۴/۳۰۴، کامل ابن اثیر جلد ۴/۴۸، مقتل مقرم/۲۱۸، مقتل ابی مخنف

[2] امام حسینؑ نے جو خط معاویہ کو لکھا تھا اس کے متن سے آگاہی کے لئے کتاب الامامہ والسیاسۃ ج۱/۱۵۵ - ص۱۵۷ - ص۱۶۰ ملاحظہ فرمائیں۔

[3] امام حسنؑ کی زندگی کی تاریخ کی تحقیق میں ہم ان اسباب کی طرف اشارہ کر چکے ہیں۔

حقیقت کو پہچاننے میں امام حسینؑ اپنے بھائی حسنؑ سے کم نہ تھے۔ وہ بھی اپنے بھائی کی طرح لوگوں کی کاہلی اور اسلامی معاشرہ کی افسوسناک حالت دیکھ رہے تھے۔ اس وقت آپؑ نے عراق کے لوگوں کو قیام کرنے کے لئے ابھارنے کے بجائے ایسے مقصد کے لئے آمادہ اور مستعد بنانے کو ترجیح دیا۔

عراق کے شیعوں نے ایک خط میں امام حسین علیہ السلام سے درخواست کی کہ وہ معاویہ کے خلاف قیام کرنے کے سلسلہ میں ان کی قیادت کریں۔ حسین ابن علیؑ نے موافقت نہیں کی اور جواب میں لکھا۔

"..... لیکن میری رائے یہ ہے کہ انقلاب کا وقت نہیں ہے جب تک معاویہ زندہ ہے اپنی جگہ بیٹھے رہو۔ اپنے گھر کے دروازوں کو اپنے لئے بند رکھو اور اتہام کی جگہ سے دور رہو"۔[1]

معاویہ اور یزید کی سیاست میں فرق

معاویہ کے زمانہ میں امام حسینؑ کا انقلاب برپا کرنے کے لئے نہ اٹھنے اور یزید کے زمانہ میں اٹھ کھڑے ہونے کا اصلی سبب ان دونوں کی سیاسی روش کے اختلاف میں ڈھونڈھنا چاہیے۔

دین و پیغمبرؐ کے تضاد میں معاویہ کی منافقانہ روش بہت واضح اور اعلانیہ تھی۔ وہ اپنے کو صحابی اور کاتب وحی کہتا تھا اور خلیفۂ دوم کی ان پر بے پناہ توجہ اور عنایت تھی، اس کے علاوہ ان اصحاب پیغمبرؐ کی اکثریت کو، جن کی لوگ تعظیم و احترام کرتے تھے (جیسے ابو ہریرہ، عمر عاص، سمرۃ، مغیرہ بن شعبہ وغیرہ...) کو حکومت و ولایت اور ملک کے تمام حساس کاموں کی انجام دہی کے لئے مقرر کیا تاکہ لوگوں کے حسن ظن کا رخ اپنی طرف موڑلیں، لوگوں کے درمیان صحابہ کے فضائل اور ان کے دین کے محفوظ رہنے کی بہت سی روایتیں اور ایسی روایتیں ــــ کہ وہ جو بھی کریں معذور ہیں ــــ گھڑلی گئیں، نتیجہ میں معاویہ جو کام بھی کرتا تھا اگر وہ تصحیح اور توجیہ

---

[1] اخبار الطوال / ۲۲۱، ثورۃ الحسین / ۱۶۱، انساب الاشراف بلاذری جلد ۳/ ۱۷، ۱۵۲

کے قابل ہوتا تھا تو کیا کہنا ورنہ بہت زیادہ بخششوں اور عنایتوں کے ذریعہ معترض کے منہ کو بند کردیا جاتا تھا اور جہاں یہ وسائل موثر نہیں ہوتے تھے انہیں خواہش کے پرستاروں کے ذریعہ ان کو ختم کردیا جاتا تھا۔ جیساکہ دسیوں ہزار علیؑ کے بے گناہ چاہنے والوں کے ساتھ یہی رویہ اختیار کیا گیا۔

معاویہ تمام کاموں میں حق کا رخ اپنی طرف موڑ لینا چاہتا تھا اور امام حسنؑ و امام حسینؑ کا ظاہری احترام کرتا تھا، بہت زیرک اور دور اندیش تھا کہ اسے معلوم تھا کہ حسین ابن علیؑ کا انقلاب اور لوگوں کو قیام کے لئے ابھارنا، میری اس کامیابی کو جو میں نے صلح حسن کے بعد حاصل کی تھی مکمل طور پر اگر ختم بھی نہیں کرے گا تو کم سے کم کامیابی کا مزہ خراب کرکے مجھے جنگ میں مبتلا کر دے گا جو اس کامیابی کے جلوہ کو تاریک کر دے گا۔ اس لئے کہ اسلامی معاشرہ میں حسینؑ کی عظمت اور ان کے مرتبہ سے معاویہ بخوبی واقف تھا۔

اگر حسین ابن علیؑ معاویہ کے زمانہ میں قیام کرتے تو اس بات کا قوی گمان تھا کہ معاویہ آپؑ کے انقلاب کو ناکام کرنے کے لئے ایسی روش اختیار کرتا کہ جو اسی جگہ کامیاب ہو جاتی اور امامؑ کے انقلاب کو عملی شکل دینے سے پہلے ہی زہر سے شہید کر دیا جاتا اور اس طرح معاویہ اپنے کو خطرہ سے بچا لیتا جیساکہ حسن ابن علیؑ، سعد ابن وقاص اور مالک اشتر کو قتل کرنے میں اس نے یہی رویہ اختیار کیا تھا۔

لیکن یزید کی سیاسی روش اس کے باپ کی سیاسی روش سے کسی طرح بھی مشابہ نہ تھی وہ ایک خود فریب اور بے پروا نوجوان تھا اس کے پاس زور زبردستی کے علاوہ کوئی منطق نہ تھی وہ عمومی افکار کو ذرہ برابر بھی اہمیت نہیں دیتا تھا۔

وہ اعلانیہ طور پر اسلام کی مقدس باتوں کو اپنے پیروں کے نیچے روندتا تھا اور اپنی خواہشات پوری کرنے کے لئے کسی چیز سے باز نہیں رہتا تھا، یزید کھلے عام شراب پیتا، راتوں کو نشست اور بزم میں بادہ خواری میں مشغول رہتا اور گستاخی سے کہتا تھا:

"اگر دین احمد میں شراب حرام ہے تو اس کو

دین مسیح بن مریم میں ہو"[1]

یزید مسیحیت کی تعلیمات کی اساس پر پلا تھا اور وہ دل سے اس کی طرف مائل تھا۔[2] اور دینِ اسلام سے اس کا کوئی ربط نہیں تھا جبکہ اسلام کی بنیاد پر وہ لوگوں پر حکومت کرنا چاہتا تھا۔ اس طرح سے جو نقصانات اسلام کو معاویہ کے زمانہ میں پس پردہ پہونچے تھے اب وہ یزید کے ہاتھوں آشکارا طور پر پہنچ رہے تھے۔

اپنی حکومت کے پہلے سال اس نے حسین ابن علیؑ اور ان کے اصحاب کو شہید کیا ان کے اہل بیت کو اسیر کیا۔

حکومت کے دوسرے سال اس نے پیغمبرؐ کے شہر — مدینہ — کے لوگوں کے مال اور ناموس کو اپنے لشکر والوں پر مباح کر دیا اور اس واقعہ میں چار ہزار آدمیوں کو اس نے قتل کیا۔

تیسرے سال خانۂ کعبہ — مسلمانوں کے قبلہ — پر اس نے منجنیق سے سنگ باری کی۔

ایسے سیاسی اور اجتماعی حالات میں حسین ابن علیؑ نے انقلاب کے لئے حالات کو مکمل آمادہ پایا۔ اب بنی امیہ کے مزدور، عمومی افکار کو قیام حسین ابن علیؑ کے مقاصد کے بارے میں بدل کر اس کو "قدرت و تسلط کے خلاف کشمکش" کے عنوان سے نہیں پیش کر سکتے تھے اس لئے کہ بہت سے لوگ یہ دیکھ رہے تھے کہ حکومت کی رفتار دینی میزان اور الٰہی تعلیمات کے خلاف ہے۔ اور یہ بات خود مجوّز تھی کہ حسین ابن علی اپنے سچے اصحاب کو جمع کریں اور حکومت کے خلاف قیام کریں ایسا قیام جس کا مقصد اسلام اور سیرت پیغمبرؐ کو زندہ کرنا تھا نہ کہ خلافت اور قدرت حاصل کرنا۔

---

1. فانّ حرمت یوماً علی دین ؛ فخذها علی دین المسیح بن مریم

تتمہ المنتہیٰ / ۴۳

2. سمو المعنیٰ عبداللہ علائی / ۵۹

انقلاب کی ماہیت

امام حسینؑ کی تحریک میں ایک اہم مسئلہ اس کی کیفیت و ماہیت کا تجزیہ ہے۔ آیا امام حسین علیہ السلام کا اقدام ایک انقلاب تھا یا ایک دھماکہ تھا؟ کچھ لوگ جو انسانی مقدس واقعات کو ہمیشہ محدود اور مادی ترازو پر تولتے ہیں وہ قیام کربلا کی تفسیر ناواقفیت والے دھماکہ سے کرتے ہیں[1]۔ اس سلسلہ میں کہتے ہیں کہ کبھی مادی واقعات میں تدریجی تغیرات اس حد تک پہنچ جاتے ہیں کہ اب وہ وقوعہ دیگر تغیرات کو قبول نہیں کرسکتا، انجام کار جزئی تغیرات ایک نئی چیز کو وجود میں لاتے ہیں یہ قانون، معاشرہ اور تاریخ میں حاکم ہے۔ معاشرہ ایک حد تک ظالموں کے ظلم کو قبول کرتا ہے جب وہ اس مرحلہ میں پہونچ جاتا ہے کہ اب اس سے قبولیت کی توانائی ختم ہوجاتی ہے تو نتیجہ میں حکومت کرنے والے نظام کے خلاف ایک دھماکہ کی شکل میں انقلاب آجاتا ہے۔

اس بنیاد پر لوگ کہتے ہیں کہ: امیر المؤمنینؑ کی شہادت کے بعد اموی مشنری کا مسلمان ملت پر دباؤ بڑھ گیا تھا اور معاویہ کے مرنے کے بعد اس کے بیٹے یزید نے اس دباؤ کو دوگنا کردیا تھا اس فشار کی بنا پر حسینؑ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا اور ان کا قیام اسی دھماکہ کی نمود تھا۔

امام حسینؑ کی تحریک کے بارے میں ایسے فیصلہ کا سوتا مادی تجزیہ کرنے والوں کے عقیدہ سے پھوٹتا ہے اور اگر وہ قیام امام حسینؑ کی تاریخ کے متن کو ملاحظہ کرتے اور حقیقت بین اور حق کے شیدائی ہوتے تو ایسا فیصلہ نہ کرتے۔

---

[1] اس تفسیر کی بنیاد، دیالکتیک (جدلیات) کے اصول چہارگانہ سے اس پر استوار ہے جو کمیت کو اصل نام کے ساتھ کیفیت میں تبدیل کرتا ہے۔

امام حسنؑ کی شہادت کے بعد سے معاویہ کی موت تک کے امام حسین کے اقوال اور وہ خط وکتابت جو ان کے اور معاویہ کے درمیان ہوئی ہے، جس میں امامؑ کا موقف واضح طور پر معاویہ کے خلاف تھا اور آپ معاویہ کو مجمع میں مورد سوال قرار دیتے اور اس کے خلاف قیام کی دھمکی دیتے۔ اسی طرح وہ تقریریں جو مختلف موقعوں پر امام حسینؑ نے کی ہیں اگر ان سب کو دیکھا جائے تو یہ ساری چیزیں ہم کو اس بات کا پتہ دیتی ہیں کہ ابو عبداللہ الحسین کی وہ تحریک بہت منظم تھی جس کا نقشہ آزاد منش افراد کے سردار کھینچ رہے تھے اور امت کو اس راستہ پر اس نقشہ کے مطابق عمل کرنے کی دعوت دے رہے تھے۔ اس کے بعد اب قیام سید الشہداء کو ایک ناگہانی حادثہ یا دھماکہ کیسے کہا جا سکتا ہے ... اگر یہ انقلاب ایک ناواقفیت والا دھماکہ ہوتا تو اسے ۷۲ آدمیوں میں منحصر نہیں رہنا چاہئے تھا۔ بلکہ اس کو معاشرہ کے تمام افراد کو گھیر لینا چاہئے تھا امام حسینؑ کے آگاہانہ انقلاب کو بتانے والے تاریخی قرائن کا ایک سلسلہ اب پیش کیا جا رہا ہے:

یزید کیلئے بیعت لیتے وقت امامؑ کی تقریر

لالچ اور دھمکی کے ذریعہ معاویہ نے یزید کی ولی عہدی کے لئے اہم شخصیتوں کے ایک گروہ کی موافقت حاصل کر لی تھی جب حسین ابن علیؑ کے سامنے بات رکھی گئی تو آپ نے اپنی ایک تقریر میں فرمایا:

"تم نے اپنے بیٹے کے کمال اور تجربہ کاری کے سلسلہ میں جو تعریف کی وہ ہم نے سُنی، گویا تم ایسے آدمی کے بارے میں بات کر رہے ہو جس کو تم نہیں پہچانتے یا اس سلسلہ میں فقط تم کو علم ہے۔ جیسا چاہئے تھا یزید نے ویسا ہی اپنے کو پیش کیا اور اس نے اپنے باطن کو آشکار کر دیا۔ وہ کتوں سے کھیلنے والا کبوتر باز اور ہوس پرست شخص ہے جس نے اپنی عمر ساز و آواز اور عیش و عشرت میں گذاری ہے۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ تم اس کام سے صرف نظر کرتے اور اپنے

گناہ کے بوجھ کو اور گراں بار نہ بناتے۔"[1]

معاویہ کے نام امام حسینؑ کا خط

امام حسین نے ایک مفصل خط معاویہ کو لکھا اور ان کے بڑے بڑے جرائم کو یاد دلاتے ہوئے، جن میں سرفہرست پرہیزگار بزرگ اور صالح اصحاب کا قتل اور شیعیان علی کا قتل تھا، فرمایا:

"اے معاویہ تمہارا کہنا ہے کہ میں اپنی رفتار و دین اور امت محمدؐ کا خیال رکھوں اور اس امت میں اختلاف و فتنہ پیدا نہ کروں۔ میں نہیں جانتا کہ امت کے لئے تمہاری حکومت سے بڑا کوئی اور فتنہ ہوگا۔ جب میں اپنے فریضہ کے بارے میں سوچتا ہوں اور اپنے دین اور امت محمدؐ پر نظر ڈالتا ہوں تو اس وقت اپنا عظیم فریضہ یہ سمجھتا ہوں کہ تم سے جنگ کروں ...." پھر آخر میں فرمایا:

"تمہارے جرائم میں غیر قابل معافی ایک جرم یہ ہے کہ تم نے اپنے شراب خوار اور کتوں سے کھیلنے والے بیٹے کے لئے لوگوں سے بیعت لی ہے۔"[2]

منیٰ میں امام حسینؑ کی تقریر

معاویہ کی حکومت کے آخری زمانہ میں سرزمین منیٰ پر نو سو سے زیادہ افراد کے مجمع میں، جس میں بنی ہاشم اور اصحاب رسولؐ میں سے بزرگ شخصیتیں شامل تھیں — امام حسینؑ نے

---

[1] الامامہ والسیاسہ ج ۱/ ۱۶۰ - ۱۶۱

[2] الامامہ والسیاسہ ج ۱/ ۱۵۶ - انساب الاشراف ج ۲ ترجمہ معاویہ ابن ابی سفیان، بحار الانوار جلد ۴۴ / ۲۱۲

ملک پر حکومت کرنے والے نظام کے بارے میں استدلالی بیان کے ذریعہ بحث کی اور ان سے یہ خواہش کی کہ ان کی باتوں کو دوسروں تک پہونچائیں اور اپنے شہروں میں واپس پہونچ جانے کے بعد اپنے نظریہ سے امام کو مطلع کریں۔ امام حسین نے معاویہ کو اپنی تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے اپنی تقریر کا آغاز کیا اور ملت اسلامیہ کے خصوصاً پیروانِ علیؑ کے بارے میں معاویہ جن جرائم کے مرتکب ہوئے تھے ان کو یاد دلایا۔[1]

عراق کی روانگی سے پہلے امام حسینؑ کی تقریر

آٹھویں ذی الحجہ کو عراق روانگی سے پہلے امام حسین علیہ السلام نے لوگوں کے ایک مجمع میں حج سے باز رہنے اور عراق کی طرف جانے کی تشریح کی اور فرمایا:

"ایک دلہن کے گلے کے ہار کی طرح موت انسان کی گردن سے بندھی ہوئی ہے میں اپنے بزرگوں کا اس طرح مشتاق ہوں جس طرح یعقوب یوسف کے مشتاق تھے۔ میں یہیں سے اس جگہ کا مشاہدہ کر رہا ہوں جہاں میں شہادت پاؤنگا اور بیابانی بھیڑیئے میرے بدن کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے" پھر فرماتے ہیں: "جو لوگ اس راستہ میں خون دینے اور خدا سے ملاقات کرنے کے لئے آمادہ ہیں وہ میرے ساتھ آئیں میں انشاء اللہ صبح سویرے روانہ ہو جاؤں گا۔"[2]

کیا درمیان راہ کی ان تمام تقریروں، کربلا میں اور شب عاشور اپنے اصحاب کو رخصت کر دینے اور ان کی بیعت سے چشم پوشی کرنے کے باوجود یہ کہنا روا ہے کہ ہم امام کے قیام

---

[1] اصل سلیم بن قیس/ ۱۸۳ - ۱۸۶ مطبوعہ نجف

[2] لہوف/ ۴۱، بحار جلد ۴۴/ ۳۶۶ — ۳۶۷، مناقب ۴/ ۲۹ "خط الموت علی ولد (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کو ایک ناگہانی دھماکہ سمجھ لیں ؟ وہ لیڈر جو لوگ کے غم و غصہ اور ناراضگی سے فائدہ حاصل کرنا چاہتا ہو کیا وہ ایسی باتیں زبان پر لا سکتا ہے ۔

انقلاب کے اثرات و نتائج

دوسرا اہم مسئلہ یہ ہے کہ کیا حسینی انقلاب اس وقت کے معاشرہ کو ئی فائدہ پہونچا کر ضروری کامیابی حاصل کر سکا یا دنیا کے بہت سے شکست خوردہ انقلابات کی طرح ناگہانی طور پر شعلہ ور ہوا اور پھر بجھ کر رہ گیا ؟

عاشور کے انقلاب کے اثرات کو سمجھنے کے لئے ہم کو فوری یقینی کامیابی یا حکومت پر قبضہ اور قدرت حاصل کر لینے کی (منطق) سے ماوراء ڈھونڈھنا چاہیئے ، اس لئے کہ وہ دلائل موجود ہیں جو اس بات کا پتہ دیتے ہیں کہ ابوعبد اللہ الحسینؑ اس سرنوشت سے آگاہ تھے جس کا وہ انتظار کر رہے تھے ۔ بنا براین فوری کامیابی قیام حسینی کا مقصد نہیں تھی ۔ آپ جانتے تھے کہ ان حالات میں فوری طور پر ایک جنگی کامیابی ممکن نہیں ہے ۔

ان مطالب کے مجموعہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ہم کو انقلاب حسینی سے ایسے نتائج کی توقع نہیں ہونی چاہیئے جو عام طور پر سارے انقلابات سے حاصل ہوتے ہیں بلکہ ہم کو آپ کے انقلاب

(حا۱۰۱ کا بقیہ حاشیہ)

آدامَ مَخَطَّ القِلادَة علیٰ جید الفتاة وَما اَوْلَهَنی اِلیٰ اَسْلافی اِشْتِیاقَ یَعقُوبَ الیٰ یُوسُف ، وَخَیّرَ لِیْ مَصْرعٍ اَنَا لاقِیه ، کانّی بِاَوْصالی یَتَقَطَّعُهَا عَسْلانَ الفَلَواتِ بَیْنَ النَّوادِیس وَ کَرْبَلا من کان فینا باذلاً مهجته موطّناً عَلیٰ لقاء اللّٰه نفسه فلیرحَلْ معنا فانّی راحِل مصبحًا انشاء اللّٰہ

کے اثرات و نتائج کو مندرجہ ذیل باتوں میں ڈھونڈھنا چاہیئے:

۱۔ امویوں کے جھوٹے دینی نفوذ کو منقطع کرنا اور زمانہ جاہلیت کی بے دینی والحاد کی اس روح کو واضح کرنا جو حکومت اموی کے، مخالف اسلام اعمال کی توجیہ کرتی تھی۔

۲۔ ہر ایک مسلمان کے ضمیر میں گناہ کے احساس کو عام کرنا اور اس کو اپنے اوپر تنقید کرنے کی حالت میں تبدیل کر دینا تاکہ اس کی روشنی میں معاشرہ اور زندگی میں ہر آدمی اپنی حیثیت کو معین کرے

۳۔ اسلامی معاشرہ میں پھیلنے والی بری باتوں کے خلاف مبارزہ اور جنگ کی روح کو اس غرض سے برانگیختہ کرنا کہ اسلامی قدروں کا اعادہ اور اس کا استحکام ہو جائے۔

الف۔ امویوں کے جھوٹے دینی نفوذ کو ختم کرنا

امویین یہ دکھانے کے لئے کہ وہ پیغمبرؐ کے جانشین ہیں اور انکی حکومت، خدا کے تعین کردہ احکام کے مطابق ہے، لوگوں کے دینی عقائد سے فائدہ حاصل کر رہے تھے اور ان کا مقصد تھا کہ ہر طرح کی ممکنہ تحریک کی پہلے ہی سے مذمت کی جائے اور دین کے نام پر اپنے لئے اس حق کے قائل ہو جائیں اور ہر طرح کے تمرد کو چاہے وہ اپنی سمجھ سے کتنے ہی حقدار کیوں نہ ہوں، ختم کر دیا جائے۔

اس غرض سے وہ زبان پیغمبرؐ سے منسوب جھوٹی حدیثوں کے ذریعہ لوگوں کو دھوکہ دیتے ۔ اس طرح — لوگوں کا حکومت اموی پر ایسا ایمان ہو گیا تھا کہ وہ لوگ حدود دین سے چاہے جتنے بھی خارج کیوں نہ ہو جائیں، لوگ پھر بھی اموی حکومت کے خلاف قیام کو حرام سمجھتے تھے۔

امویوں نے اپنے کثیف اعمال پر کس حد تک دین کا پردہ ڈال رکھا تھا اس کو واضح کرنے کے لئے ہم یہاں انقلاب حسینی سے دو تاریخی نمونے نقل کر رہے ہیں۔

۱۔ ابن زیاد نے لوگوں کو مسلم کی مدد سے روکنے کے لئے جو خطبہ دیا اس میں اس نے کہا:

"واعتصموا بطاعة الله وطاعة ائمتكم"۔ (تاریخ طبری ج۵ص۳۶۸، بحار ج۴۴ص۳۴۸)

خدا اور اپنے پیشوا (ائمہ) کی اطاعت کرو۔

۲۔ عمرو بن حجاج زبیدی — کربلا میں اموی سپاہ کے کمانڈروں میں سے ایک کمانڈر نے جب دیکھا کہ بعض سپاہی حسینؑ سے مل کر ان کی رکاب میں جنگ کر رہے ہیں تو اس نے چلا کر کہا "اے اہل کوفہ! اپنے امیر کی اطاعت کرو اور جماعت کے ساتھ رہو اور اس کو قتل کرنے کے سلسلہ میں اپنے دل میں کوئی شک نہ آنے دو جو دین سے خارج ہو گیا اور جس نے امام کی مخالفت کی۔

ایسے ماحول میں نقلی دینی نفوذ کو منقطع کرنے کے لئے سب سے زیادہ اطمینان بخش راستہ یہ تھا کہ کوئی ایسا شخص اس کے خلاف قیام کرے جو تمام افراد ملت کی نظر میں مسلّم دینی امتیازات کا حامل ہو تاکہ حکومت اموی کے کریہہ چہرہ سے دینی نقاب اتار کر پھینک دے اور اس کی گندی ماہیت کو آشکار کر دے۔

ایسا مجاہد فی سبیل اللہ سوائے حسین بن علیؑ کے اور کوئی دوسرا نہ تھا اس لئے کہ آپ کا دوسروں کے دلوں میں نفوذ و محبوبیت اور خاص احترام تھا۔ انقلاب حسینؑ کے بالمقابل یزید کے ردعمل نے اسلام اور اموی حکومت کے درمیان حد فاصل کھینچ دی اور اموی حکومت کی حق کے خلاف ماہیت کو روشن کر دیا۔ جو مظالم بنی امیہ نے حسینؑ، ان کے اصحاب اور ان کے اہل بیتؑ پر ڈھائے تھے اس کی وجہ سے ان کے وہ سارے دینی اور مذہبی رنگ مکمل طور پر اڑ گئے جو انہوں نے اپنے اوپر چڑھا رکھے تھے اور اس کام نے ان کی مخالف دین ماہیت کو آشکار کر دیا۔

حسین ابن علیؑ نے اپنی مخصوص روش سے امویوں کے دینی پالیسی کو خطرہ میں ڈال دیا انہوں نے جنگ شروع کرنے کے لئے اصرار نہیں کیا اور امویوں کو اس بات کی فرصت دی کہ وہ ان کو اور ان کے اصحاب کو قتل کرنے سے گریز کریں لیکن ان لوگوں کو حسینؑ اور ان کے اصحاب کا

لہ تاریخ طبری ج ۵/ ۴۳۵، کامل ابن اثیر ج ۴/ ۶۷

خون بہانے کے علاوہ اور کچھ نہیں منظور تھا۔ اور یہی بات امویوں کی زیادہ سے زیادہ رسوائی کا باعث بنی۔

انہوں نے حسینؑ کے ساتھ سختی سے کام لے کر درحقیقت اسلام سے جنگ کی اور حسینؑ ابن علیؑ نے بھی اس بات سے مناسب فائدہ اٹھایا اور ہر مناسب موقع پر اس نکتہ پر تکیہ کیا اور اپنی درخشاں موقف کو مسلمانوں کے سامنے پیش کیا۔

ب۔ احساسِ گناہ

انقلاب حسینؑ کا دوسرا اثر خصوصاً اس کا اختتامی نقطہ تمام افراد میں احساس گناہ کا پیدا کرنا اور ضمیر کی بیداری تھی جس کے بعد وہ آپ کی مدد کے لئے دوڑ پڑے، لیکن نہیں آئے، گنہگار ہونے کا احساس اور وجدان و عقل کی توبیخ و سرزنش، ان لوگوں کے دلوں میں جنہوں نے مدد کا وعدہ کر کے مدد نہیں کی، اسی کربلا کے عصر عاشور سے ابن زیاد کے لشکر کے درمیان عامل قوی تھا ــــ اس احساس گناہ کے دو پہلو ہیں، ایک طرف یہ احساس، گنہگار کو اپنے جرم و گناہ کے جبران پر ابھارتا ہے اور دوسری طرف ایسے گناہ کے ارتکاب کا سبب بننے والوں کے لئے لوگوں کے دلوں میں کینہ اور عداوت پیدا کرتا ہے۔

ضمیر کی بیداری اور گناہ کا احساس ہی تھا جس نے انقلاب کے بعد بہت سی اسلامی جمعیتوں کو ــــ اپنے گناہ کا جبران کرنے کی غرض سے ــــ کوششیں کرنے پر ابھارا اور امویوں کے بارے میں لوگوں کے دلوں میں زیادہ سے زیادہ کینہ اور عداوت پیدا کیا۔

اس وجہ سے واقعۂ کربلا کے بعد امویوں کو متعدد انقلابات سے روبرو ہونا پڑا ان سب کا سرچشمہ ان کا اصلی سبب انقلاب حسینؑ، انقلابی افراد کا امویوں کی مدد سے انکار اور ان سے انتقام لینے کا جذبہ تھا۔

امام حسینؑ کے پس ماندگان کی اسیری کے زمانہ کی تقریریں بھی اس سلسلہ میں بہت موثر

ثابت ہوئیں۔

ج۔ روح جہاد کی بیداری

حسینؑ ابن علیؑ کی شہادت کے بعد جنگ و مبارزہ کی روح امت اسلامی میں جاگ اٹھی۔ انقلاب سے پہلے انفرادی اور اجتماعی بیماریوں کا ایک سلسلہ، اسلام کے تحفظ کی راہ میں مسلمانوں کے انقلاب لانے سے مانع تھا۔ لیکن امام حسینؑ کے انقلاب نے، انقلاب کی تمام انفرادی و اجتماعی رکاوٹوں کو توڑ دیا اور اسلام کے پیکر میں ایک نئی روح پھونک دی۔

حسینؑ بن علیؑ کے انقلاب کے بعد بہت سی ایسی تحریکیں معرض وجود میں آئیں جن کو اسلامی معاشرہ کے افراد کی پشت پناہی اور حمایت حاصل تھی۔ ذیل میں ہم ان تحریکوں میں سے چند کا ذکر کریں گے۔

۱۔ شہادت حسینؑ کا پہلا براہِ راست ردِّ عمل پیغمبرؐ کے ایک صحابی سلیمان بن صرد کی قیادت میں انقلاب "توّابین" کے نام سے شہر کوفہ میں ظاہر ہوا۔ اس تحریک میں بزرگ شیعوں اور امیر المؤمنین کے اصحاب میں سے ایک گروہ نے شرکت کی۔

توّابین کی تحریک سنہ ۶۱ھ سے شروع ہوئی اور یزید کی زندگی تک پوشیدہ طور پر لوگوں کو خون حسینؑ کا بدلہ لینے کے لئے دعوت دیتی رہی۔ ان لوگوں نے یزید کے مرنے کے بعد احتیاط اور پوشیدگی کو ختم کر دیا اور اعلانیہ طور پر اسلحہ اور لشکر جمع کر کے آمادۂ کارزار ہو گئے۔ انکا نعرہ "یا لثارات الحسین" تھا ان کے قیام کا جو شیوہ تھا اس سے ان کی پاک بازی اور اخلاص کا پتہ چلتا تھا۔[۱]

۲۔ انقلاب توّابین کے بعد انقلاب مدینہ شروع ہوا۔ حضرت زینب کبریٰؑ مدینہ

---

[۱] انقلاب توّابین کے واقعہ کی تفصیل طبری نے اپنی تاریخ کی جلد ۵/۵۵۱ - ۵۶۸ پر لکھا ہے۔

واپسی کے بعد انقلاب کی کوشش کرتی رہیں اس طرح کہ مدینہ میں یزید کا مقرر کردہ حاکم، مدینہ کے حالات کے خراب ہونے سے خوف زدہ ہوگیا اور جناب زینبؑ کی فعالیت کی رپورٹ اس نے یزید کو بھیجی، یزید نے جواب میں لکھا کہ "لوگوں کے ساتھ زینبؑ جو رابطہ قائم کر رہی ہیں اس کو منقطع کردو۔[۱]"

اسی زمانہ میں اہلِ مدینہ کی نمائندگی کرتے ہوئے ایک وفد شام پہونچا اور واپس آنے کے بعد اس نے اہلِ مدینہ کے مجمع میں تقریر کی اور یزید پر ان لوگوں نے تنقید کی، ان کی روشنی پھیلا دینے والی تقریروں کے بعد اہل مدینہ نے قیام کیا، یزید کے گورنر کو ان لوگوں نے مدینہ سے نکال دیا پھر یزید کے حکم سے شام کی خون کی پیاسی سپاہ نے شہر مدینہ پر حملہ کر دیا اور نہایت سختی اور خباثت کے ساتھ اس نے قیام مدینہ کو کچل ڈالا۔ اور لشکر کے سپہ سالار نے تین دن تک مدینہ کے مسلمانوں کی جان، مال اور عزت آبرو کو اپنے سپاہیوں کے لئے مباح قرار دیا۔[۲]

اس کے بعد ۶۷ھ میں "مختار ابن ابی عبیدہ ثقفی" نے عراق میں انقلاب برپا کیا اور خونِ حسینؑ کا انتقام لیا۔

اس طرح مختلف تحریکیں اور انقلابات ایک دوسرے کے بعد رونما ہوتے رہے یہاں تک کہ بنی امیہ کے خاتمہ پر یہ سلسلہ ختم ہوا۔

---

[۱] زینب کبریٰ تالیف جعفر النقدی / ۱۲۰ ، ثورۃ الحسین تالیف محمد مہدی شمس الدین۔

[۲] طبری ج۵ / ۴۸۲ - کامل ابن اثیر ج ۴ / ۱۱۱ - ۱۱۳ اور یہ واقعہ تاریخ میں واقعۂ حرّہ کے نام سے مشہور ہے۔

سوالات

(۱) رہبران الٰہی کی تحریکوں، منجملہ ان کے حسین ابن علیؑ کی تحریک میں کون سی خصوصیت تھی کہ مرور زمانہ اس کے فروغ اور اس کی ابھارنے والی کیفیت پر اثر انداز نہیں ہو سکتا اور زمانوں کے گذر جانے سے اس کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

(۲) اموی حکومت کے خلاف قیام کے اہم ترین وجوہات مختصراً بیان فرمایئے۔

(۳) امام حسینؑ نے معاویہ کے زمانہ میں کیوں قیام نہیں کیا ؟

(۴) حسین ابنِ علیؑ کے انقلاب کی ماہیت کیا ہے ، وہ ایک ناواقفانہ دھماکہ تھا یا آگاہانہ انقلاب اور کیوں ؟

(۵) حکومتِ یزید کے مقابل حسین بن علیؑ کے قیام کے اسلامی معاشرہ میں کیا اثرات و نتائج رہے ؟ اختصار سے اسکی وضاحت کیجیے۔

سبق ۷

امام زین العابدین علیہ السلام کی سوانح عمری

ولادت

آسمان ولایت کے چوتھے درخشاں ستارے امام علی بن الحسین علیہ السلام کی پیدائش پانچ شعبان ۳۸ھ کو شہر مدینہ میں ہوئی۔[1]

سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام آپ کے والد اور ایران کے بادشاہ یزدگرد کی بیٹی آپ کی مادرِ گرامی ہیں۔[2] آپ کی ولادت امیر المومنینؑ کی شہادت سے دو سال پہلے ہوئی تقریباً ۲۳ برس تک اپنے والد بزرگوار کے ساتھ رہے۔[3]

---

[1] الفصول المہمہ / ۲۰۱

[2] اصول کافی جلد ۱ / ۴۶۶ ، ارشاد مفید / ۲۵۳ ، اعیان الشیعہ (دس جلد والی) جلد ۱ / ۶۲۹

[3] ارشاد مفید / ۲۵۳

اخلاقی خصوصیتیں

امام زین العابدین علیہ السلام انسانیت کے خصوصی صفات اور نفس کے کمالات کا مکمل نمونہ تھے، مکارم اخلاق اور ستم رسیدہ و فقراء کی دستگیری میں آپ کے مرتبہ کا کوئی نہ تھا۔ اب میں آپ کے اخلاق و عادات کا تذکرہ کر رہا ہوں۔

۱ آپؑ سے متعلق افراد میں سے ایک شخص نے لوگوں کے مجمع میں آپ کی شان میں ناروا کلمات کہے اور چلا گیا۔ امام چند لوگوں کے ساتھ اس کے گھر گئے اور فرمایا تم لوگ ہمارے ساتھ چلو تاکہ ہمارا بھی جواب سن لو۔

راستہ میں آپ مندرجہ ذیل آیت، جس میں کچھ مؤمنین کے اوصافِ عالی کا تذکرہ ہے، پڑھتے جاتے تھے "والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس واللہ یحب المحسنین[۱]" .... وہ لوگ جو اپنا غصہ پی کر لوگوں سے درگذر کرتے ہیں اور خدا نیکو کاروں کو دوست رکھتا ہے۔"

جب اس آدمی کے گھر کے دروازہ پر پہونچے اور امامؑ نے اس کو آواز دی تو وہ اس گمان میں اپنے کو لڑنے کے لئے تیار کر کے باہر نکلا کہ امامؑ گذشتہ باتوں کا بدلہ لینے آئے ہیں۔ حضرت سید سجادؑ نے فرمایا: میرے بھائی! تو تھوڑی دیر پہلے میرے پاس آیا تھا اور تو نے کچھ باتیں کہی تھیں، جو باتیں تو نے کہی ہیں اگر وہ میرے اندر ہیں تو میں خدا سے بخشش کا طلبگار ہوں اور اگر نہیں ہیں تو خدا سے میری دعا ہے کہ وہ تجھے معاف کر دے۔

امام زین العابدین علیہ السلام کی غیر متوقع نرمی نے اس شخص کو شرمندہ کر دیا وہ قریب آیا اور امامؑ کی پیشانی کو بوسہ دیکر کہا: "میں نے جو باتیں کہیں وہ آپ میں نہیں تھیں اور

---

[۱] آلِ عمران/ ۱۳۴

میں اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ جو کچھ میں نے کہا تھا میں اس کا زیادہ سزاوار ہوں"۔[1]

۲ زید بن اسامہ حالت احتضار میں بستر پر پڑے ہوئے تھے سید سجادؑ ان کی عیادت کے لئے ان کے سرہانے تشریف لائے دیکھا کہ زید رو رہے ہیں آپ نے پوچھا آپ کیوں رو رہے ہیں، انھوں نے کہا پندرہ ہزار دینار میرے اوپر قرض ہے اور میرا مال میرے قرض کے برابر نہیں ہے۔ امامؑ نے فرمایا: "مت روئیے آپ کے قرض کی ادائیگی میرے ذمہ ہے"۔ پھر جس طرح آپ نے فرمایا تھا اسی طرح ادا بھی کردیا۔[2]

۳ راتوں کو امام زین العابدین علیہ السلام مدینہ کے بے سہارا اور ضرورت مندوں میں اس طرح روٹیاں تقسیم کرتے تھے کہ پہچانے نہ جائیں اور ان لوگوں کی مالی امداد فرماتے تھے۔ جب آپ کا انتقال ہوگیا تب لوگوں کو پتہ چلا کہ وہ نامعلوم شخصیت امام زین العابدین علیہ السلام کی تھی۔ آپ کی وفات کے بعد یہ معلوم ہوا کہ آپ ایک سو خاندانوں کا خرچ برداشت کرتے تھے اور ان لوگوں کو یہ نہیں معلوم تھا کہ ان کے گھر کا خرچ چلانے والے امام زین العابدین ہیں۔[3]

۴ امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ: "میرے پدر بزرگوار نماز میں اس غلام کی طرح کھڑے ہوتے تھے جو اپنے عظیم بادشاہ کے سامنے اپنے پیروں پر کھڑا رہتا ہے۔ خدا کے خوف سے لرزتے رہتے اور ان کا رنگ متغیر ہوجاتا تھا اور نماز کو اس طرح ادا کرتے تھے کہ جیسے یہ ان کی آخری نماز ہو"۔[4]

---

[1] ارشاد مفید / ۲۵۷، اعیان الشیعہ جلد ۱ / ۶۳۲

[2] ارشاد مفید / ۲۵۹، مناقب جلد ۴ / ۱۶۳ لیکن مناقب میں زید بن اسامہ کے بجائے "محمد بن اسامہ" لکھا ہے۔

[3] تذکرۃ الخواص ابن جوزی / ۱۸۴، اعیان الشیعہ جلد ۱ / ۶۳۳، مناقب جلد ۴ / ۱۵۳

[4] خصال صدوق مطبوعہ غفاری / ۵۱۷، مناقب جلد ۴ / ۱۵۰

حضرت سجادؑ کی عظمت

آپ کی شخصیت اور عظمت ایسی تھی کہ دوست دشمن سبھی متاثر تھے۔

یزید ابن معاویہ نے واقعہ "حرہ"[1] کے بعد حکم دیا کہ تمام اہل مدینہ غلام کے عنوان سے اس کی بیعت کریں اس حکم سے اگر کوئی مستثنیٰ تھا تو وہ صرف امام علی بن الحسین علیہ السلام تھے[2]۔

ہشام بن عبدالملک ــــ اموی خلیفہ ــــ حج ادا کرنے کے لئے مکہ آیا تھا، طواف کے وقت لوگوں کا ہجوم ایسا تھا کہ وہ حجر اسود کا استلام[3] نہ کر سکا، مجبوراً ایک طرف بیٹھ گیا تاکہ بھیڑ کم ہو جائے۔ اسی وقت امام زین العابدین علیہ السلام مسجد الحرام میں داخل ہوئے۔ اور طواف کرنے لگے لوگوں نے امامؑ کے لئے راستہ چھوڑ دیا۔ آپ نے بڑے آرام سے حجر اسود کو بوسہ دیا ہشام آپ کے بارے میں لوگوں کا احترام دیکھ کر بہت ناراض ہوا۔ شام کے رہنے والوں میں سے ایک شخص نے ہشام سے پوچھا کہ یہ کون تھے جن کو لوگ اتنی عظمت دے رہے تھے؟ ہشام نے اس خوف سے کہ کہیں اس کے ساتھ والے امامؑ کے گرویدہ نہ ہو جائیں جواب دیا کہ: "میں ان کو نہیں پہچانتا"

حریت پسند مشہور شاعر فرزدق بے جھجک کھڑے ہو گئے اور کہا "میں ان کو پہچانتا ہوں" اس کے بعد ایک طویل قصیدہ امام زین العابدینؑ کی مدح و عظمت اور تعارف میں پڑھ ڈالا۔ اشعار

۱۔ یہ واقعہ، سانحۂ کربلا کے بعد یزید کی حکومت کے دوسرے سال پیش آیا اس میں یزید کے حکم سے سپاہ شام نے مدینہ پر حملہ کیا اور تین دن تک مسلمانوں کی جان، مال، عزت آبرو کو اپنے اوپر مباح سمجھتے رہے۔

۲۔ اعیان الشیعہ ج ۱/ ۶۳۶، بحار ج ۴۶/ ۱۳۸، کامل ابن اثیر ج ۴/ ۱۱۲ - ۱۱۳

۳۔ استلام۔ ہاتھ سے لمس کرنا، چھونا، بوسہ دینا۔

اتنے مناسب اور ہشام کے لئے ایسے طمانچہ تھے کہ اموی خلیفہ شدت ناراضگی کی بنا پر ردِ عمل پر آمادہ ہوگیا۔ اس نے حکم دیا کہ فرزدق کو قید خانہ بھیج دیا جائے۔

امامؑ جب اس واقعہ سے مطلع ہوئے تو آپ نے صلہ کے طور پر فرزدق کے پاس کچھ بھیجا فرزدق نے ان درہموں کو واپس کر دیا اور کہلوا بھیجا کہ میں نے یہ اشعار خدا اور رسولؐ کی خاطر پڑھے تھے۔ امامؑ نے فرزدق کے خلوصِ نیت کی تصدیق کی اور دوسری بار پھر وہ درہم فرزدق کو بھیجے اور ان کو قسم دی کہ قبول کریں۔ فرزدق نے ان کو قبول کر لیا اور مسرور ہو گئے۔ یہاں چند اشعار کا ترجمہ نمونہ کے طور پر پیش کرتے ہیں۔

(۱)

"اے سوال کرنے والے تو نے مجھ سے جودوسخا اور بلندی کے مرکز کا پتہ پوچھا ہے، تو اس کا روشن جواب میرے پاس ہے۔"

(۲)

"یہ وہ ہے کہ مکہ کی سرزمین جس کے نقش قدم کو پہچانتی ہے، خانۂ کعبہ حرم خدا اور حرم سے باہر کی زمین پہچانتی ہے۔"

(۳)

"یہ اس کے فرزند ہیں جو بہترین خلائق ہے، یہ پرہیزگار، پاکیزہ، اور بلند حشم ہیں"

(۴)

"یہ وہ ہیں کہ پیغمبرؐ گرامی "احمدؐ" جن کے جد ہیں۔"

(۵)

"اگر رکن جان جاتا کہ اس کو بوسہ دینے کیلئے کون آرہا ہے تو وہ بیتابانہ اپنے کو زمین پر گرا دیتا تاکہ اس کی خاکِ پا کو چوم لے۔"

"ان بزرگوار کا نام "علیؑ" ہے پیغمبرؐ خدا ان کے جد ہیں ان کی روشنی سے امتوں کی راہنمائی ہوتی ہے ....."[1]

امام سجادؑ اور پیغامِ عاشوراء

واقعۂ کربلا کے بعد امام حسینؑ کے بیٹوں میں سے صرف آپ ہی زندہ بچے تھے۔ اپنے پدر عالیقدر کی شہادت کے بعد دسویں محرم ۶۱ھ کو آپؑ نے امامت و ولایت کا عہدہ سنبھالا اور شہادت کے دن تک، یزید بن معاویہ، معاویہ بن یزید، مروان بن حکم، عبدالملک بن مروان اور ولید بن عبدالملک جیسے زمامدارانِ حکومت کا زمانہ آپؑ نے دیکھا۔

آپ کی امامت کا دور اور معاشرہ میں حکومت کرنے والے اس زمانہ کے سیاسی حالات تمام ائمہ علیہم السلام کی زندگی میں پیش آنے والے حالات سے زیادہ دشوار اور حساس تھے۔ سیرت و روشِ پیغمبرؐ سے انحراف، امام زین العابدین علیہ السلام کے زمانہ میں اپنے اوج پر تھا۔ اور اس کی شکل بالکل صاف نظر آتی تھی۔

امام زین العابدین علیہ السلام کی روش ان کی امامت کے زمانہ میں دو حصوں میں تقسیم کی جاسکتی ہے۔

الف: اسیری کا زمانہ   ب: اسیری کے بعد مدینہ کی زندگی۔

الف: کربلا کے جاں گداز واقعہ میں امام زین العابدین علیہ السلام اپنے پدر بزرگوار کے ساتھ تھے۔ خدا کے لطف و کرم نے دشمن کے گزند سے محفوظ رکھا لیکن باپ کی شہادت کے بعد اسیر ہوگئے اور دوسرے لوگوں کے ساتھ کوفہ اور شام تشریف لے گئے۔

---

[1] امالی سید مرتضیٰ جلد ۱/ ۶۶، اعیان الشیعہ (دس جلد والی) جلد ۱/ ۶۳۴، تذکرۃ الخواص، بحار ج ۴۶/ ۱۲۴ — ۱۲۵

اس میں کوئی شک نہیں کہ اہل بیت امام حسینؑ کا اسیر ہونا۔ آپ کے مقدس انقلاب کو کامیابی تک پہونچانے میں بڑا مؤثر ثابت ہوا۔ چوتھے امامؑ نے اسیری کے زمانہ میں ہرگز تقیہ نہیں کیا اور کمال بردباری اور شہامت کے ساتھ تقریروں اور خطبوں میں واقعۂ کربلا کو لوگوں کے سامنے بیان فرمایا اور حق و حقیقت کا اظہار کرتے رہے۔ مناسب موقع پر خاندانِ رسالت کی عظمت کو لوگوں کے کانوں تک پہونچاتے رہے، اپنے پدر بزرگوار کی مظلومیت اور بنی امیہ کے ظلم و ستم اور بے رحمی کو لوگوں کے سامنے واضح کرتے رہے۔

امام زین العابدین علیہ السلام باوجودیکہ اپنے باپ کی شہادت کے وقت بیمار تھے، باپ، بھائی اور اصحاب کی شہادت پر دل شکستہ اور رنجیدہ بھی تھے لیکن پھر بھی یہ رنج و آلام آپ کے فرائض کی انجام دہی اور خون آلود انقلاب کربلا کے تحفظ میں رکاوٹ نہ بن سکے۔ آپ نے لوگوں کے افکار کو روشن کرنے کے لئے ہر مناسب موقع سے فائدہ حاصل کیا۔

کوفہ میں

اسیروں کا قافلہ کوفہ پہونچا۔ جب لوگ جناب زینبؑ اور ان کی بہن فاطمہ صغریٰ کے خطبوں سے پشیمان ہوکر رونے لگے تو امام زین العابدینؑ نے اشارہ کیا کہ مجمع خاموش ہو جائے پھر پروردگار کی حمد و ثنا اور پیغمبرؐ پر درود کے بعد آپؑ نے فرمایا:

"اے لوگو! میں علی بن الحسین ہوں، میں اس کا فرزند ہوں کہ جس کو فرات کے کنارے بغیر اس کے کہ انہوں نے کسی کا خون بہایا ہو یا کسی کا حق ان کی گردن پر ہو، ذبح کر دیا گیا۔ میں اس کا فرزند ہوں جس کا مال شہادت کے بعد لوٹ لیا گیا اور جس کے خاندان کو اسیر بنا کر یہاں لایا گیا۔ لوگو! کیا تمہیں یاد ہے کہ تم نے میرے باپ کو خط لکھا ان کو کوفہ بلایا اور جب وہ تمہاری طرف آئے تو تم نے ان کو قتل کر دیا؟ قیامت کے دن پیغمبرؐ کے سامنے کس منہ سے جاؤ گے؟ جب وہ تم سے فرمائیں گے کہ "کیا تم نے میرے خاندان کو قتل کر دیا اور

میری حرمت کی رعایت نہیں کی لہٰذا تم میری امت میں سے نہیں ہو۔"

حضرت امام زین العابدینؑ کی تقریر نے طوفان کی طرح لوگوں کو ہلا کر رکھ دیا۔ ہر طرف سے گریہ وزاری کی آوازیں آنے لگیں، لوگ ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے کہ تم ہلاک اور بدبخت ہو گئے اور حالت یہ ہے کہ تم کو خود ہی نہیں معلوم۔

امام حسینؑ کے اہل حرم کو ابن زیاد کے دربار میں لے جایا گیا اور جب ابن زیاد اور امام زین العابدین علیہ السلام کے درمیان گفتگو ہوئی تو آپؑ نے نہایت یقین و شجاعت کے ساتھ ہر موقع پر نہایت دنداں شکن جواب دیا جس سے ابن زیاد ایسا غضب ناک ہوا کہ اس نے امامؑ کے قتل کا حکم دیدیا۔

اس موقع پر جناب زینب سلام اللہ علیہا نے اعتراض کیا اور فرمایا کہ: "اگر تم علی ابن الحسینؑ کو قتل کرنا چاہتے ہو تو ان کے ساتھ مجھے بھی قتل کردو۔" امامؑ نے اپنی پھوپھی سے فرمایا: "آپ کچھ نہ کہیں میں خود اس کا جواب دے رہا ہوں۔" اس کے بعد آپؑ نے ابن زیاد کی طرف رُخ کیا اور فرمایا: "اے زیاد کے بیٹے! کیا تم مجھے قتل کرنے کی دھمکی دے رہے ہو کیا تم یہ نہیں جانتے کہ قتل ہو جانا ہماری عادت اور شہادت ہماری کرامت ہے؟[۱]

شام میں

ایک ہی رسن میں اہلِ بیتؑ کے چند دوسرے افراد کے ساتھ امامؑ کو بھی باندھا گیا تھا اسی حالت میں امام کو شام میں یزید کے دربار میں لے جایا گیا۔ امامؑ نے نہایت شہامت اور دلیری کے ساتھ یزید سے خطاب فرمایا: اے یزید! اگر پیغمبرؐ مجھ کو اس حالت میں رسن بستہ دیکھ لیں تو،

۱؎ احتجاج طبرسی جلد ۲/۳۰، اعیان الشیعہ (دس جلد والی) جلد ۱/۶۱۳، بحار جلد ۴۴/۱۱۳

۲؎ لہوف سید ابن طاؤس /۱۴۴، مقتل خوارزمی جلد ۲/۴۳، بحار جلد ۴۴/۱۱۷-۱۱۸

تو ان کے بارے میں کیا خیال کرتا ہے[1] ؟ (وہ کیا کہیں گے)

امام زین العابدین علیہ السلام کے اس چھوٹے سے جملہ نے حاضرین پر اتنا اثر کیا کہ سب رونے لگے[2]۔ امامؑ نے جب یزید سے گفتگو کی تو ایک نشست میں اس نے قتل کی دھمکی دی۔ امامؑ نے اس کے جواب میں فرمایا "اسیری سے آزاد ہونے والے بنی امیہ جیسے کبھی بھی قتل انبیاء و اوصیاء کا حکم نہیں دے سکتے مگر یہ کہ اسلام سے خارج ہو جائیں اور اگر تم ایسا ارادہ رکھتے ہو تو کسی صاحبِ اطمینان شخص کو میرے پاس بھیجو تاکہ میں اس سے وصیت کردوں اور اہل حرم کو اس کے سپرد کردوں[3]"۔

ایک دن شام کی جامع مسجد میں یزید نے ایک اہم نشست کا انتظام کیا اور خطیب سے کہا کہ منبر پر جاکر زین العابدینؑ کے سامنے امیر المومنینؑ اور امام حسین علیہ السلام کو برا بھلا کہے اس کرایہ کے خطیب نے ایسا ہی کیا۔

امام سجادؑ نے بلند آواز سے فرمایا : "وائے ہو تجھ پر اے خطیب تو نے خالق کی ناراضگی کے بدلے مخلوق (یزید) کی خوشنودی خریدی اور اس طرح تم دوزخ میں اپنا ٹھکانہ بنا رہے ہو۔ پھر یزید کی طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا "تو مجھے بھی اسی لکڑی (منبر) پر جانے دے اور ایسی بات کہنے دے جس سے میں خدا کو خوش کردوں اور وہ حاضرین کے لئے اجر و ثواب کا باعث ہے"۔ یزید نے پہلے تو اجازت نہیں دی لیکن لوگوں کے اصرار کے جواب میں بولا کہ "اگر یہ منبر پر جائیں گے تو مجھکو اور خاندانِ ابوسفیان کو ذلیل کئے بغیر منبر نیچے نہیں اتریں گے" لوگوں نے کہا کہ : "یہ کیا کرسکتے ہیں ؟" یزید نے کہا کہ "یہ وہ خاندان ہے جس نے علم و دانش کو بچپنے سے دودھ کے ساتھ پیا ہے۔" لوگوں نے بہت اصرار کیا تو یزید نے مجبوراً اجازت دی، امامؑ منبر پر تشریف لے لئے اور پیغمبرؐ پر درود و سلام بھیجنے کے بعد فرمایا :

---

[1] اما ظنک برسول اللہ لو رآنا موثقین فی الحبال

[2] تذکرۃ الخواص / ۱۴۹ ، اعیان الشیعہ (دس جلدی) جلد ۱ / ۶۱۵ ، بحار جلد ۴۴ / ۱۳۲

[3] ذریعۃ النجاۃ / ۲۳۴

"اے لوگو! خدا نے ہم کو علم، بردباری، سخاوت، فصاحت، دلیری اور مومنین کے دل میں ہماری دوستی عطا کی ہے ... پیغمبرؐ ہم میں سے ہیں۔ اس امت کے صدیق حضرت امیر المؤمنین علیؑ ہم میں سے ہیں، جعفر طیار ہم میں سے ہیں، حمزہ سید الشہداء ہم میں سے ہیں، امام حسن اور امام حسین علیہما السلام پیغمبرؐ کے دونوں نواسے ہم میں سے ہیں۔

میں فرزند مکہ و منیٰ، فرزند زمزم و صفا ہوں، میں اس کا بیٹا ہوں جس نے حجر اسود کو عبا میں رکھ کر اٹھایا[1]۔

میں اس بہترین خلائق شخص کا بیٹا ہوں جس نے احرام باندھا، طواف وسعی کی، حج بجالایا .... میں خدیجۃ الکبریٰ کا بیٹا ہوں، میں فاطمۂ زہراؑ کا بیٹا ہوں، میں اس کا بیٹا ہوں جو اپنے خون میں غوطہ زن ہوا، میں اس حسینؑ کا بیٹا ہوں جس کو کربلا میں قتل کر ڈالا گیا۔"

لوگوں میں کھلبلی مچ گئی اور امامؑ کی طرف دیکھ رہے تھے۔ آپؑ ہر جملہ کے ساتھ پردہ اٹھاتے جارہے تھے اور اموی گروہ کی کثیف ماہیت کو آشکار کرتے اور اپنے خاندان کی عظمت اور شہادتِ حسین کی زیادہ سے زیادہ قدر و قیمت لوگوں کے سامنے نمایاں کرتے جارہے تھے، رفتہ رفتہ لوگوں کی آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبا گئیں، گریہ گلوگیر ہوگیا۔ پھر یک بیک ہر گوشہ سے بے تابانہ رونے کی آواز بلند ہوئی۔ یزید کو ڈر لگنے لگا اور امامؑ کی تقریر کو روکنے کے لئے اس نے مؤذن کو اذان دینے کا حکم دیا، مؤذن جب "اشهد ان محمداً رسول الله" پر پہونچا تو آپؑ نے عمامہ سر سے اتار لیا اور فرمایا:

"اے مؤذن! اسی محمدؐ کی قسم ذرا ٹھہر جا۔" پھر یزید کی طرف رخ کر کے فرمایا: "اے یزید!

---

[1] عام الفیل کے ۳۵ سال بعد پیغمبرؐ کے ہاتھوں حجر اسود نصب کئے جانے والے واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

یہ رسول اکرم میرے جد ہیں یا تیرے ؟ اگر تم کہو کہ تمہارے جد ہیں تو سب جانتے ہیں کہ یہ جھوٹ ہے اور اگر تم یہ کہتے ہو کہ میرے جد ہیں تو پھر ان کی عترت کو تم نے کیوں قتل کیا ان کے اموال کو کیوں تاراج کیا اور ان کے خاندان کو تم نے کیوں اسیر کرلیا ؟

اے یزید تو ان تمام افعال کے باوجود محمدؐ کو پیغمبر خدا جانتا ہے اور قبلہ کی طرف رخ کر کے کھڑا ہوتا ہے، نماز پڑھتا ہے، وائے ہو تجھ پر کہ میرے جد و پدر قیامت میں تیرا گریبان پکڑیں گے۔"

یزید نے موذن کو حکم دیا کہ نماز کے لئے اقامت کہے، لیکن لوگ بہت ناراض تھے یہاں تک کہ کچھ لوگوں نے نماز بھی نہیں پڑھی اور مسجد سے نکل گئے۔[1]

شام میں امامؑ کی تقریریں اس بات کا باعث بنی کہ یزید قتل امامؑ کا قصد رکھنے کے باوجود اس بات پر مجبور ہوا کہ آپ کو اور تمام اہل بیت کو مدینہ واپس کر دے۔

روحِ مبارزہ کی بیداری

اسیری کی تمام مدت میں امام زین العابدین علیہ السلام بہت سے لوگوں کے تصور کے برخلاف جو کہ آپ کو شکست خوردہ سمجھتے تھے، ہر محفل و مجلس میں اپنی اور اپنے والد کی کامیابی اور بنی اُمیہ کے گروہ کی شکست کے بارے میں تقریر کرتے تھے۔

دوسری طرف آپ نے اس بات کی کوشش کی کہ تقریروں اور اپنے خاندان کی عظمتوں اور خصوصیتوں اور بنی امیہ کے ظلم و جور کے بیان کے ذریعہ مسلمانوں کی انقلابی فکر کو برانگیختہ کریں، گناہ بنی امیہ سے نفرت کا احساس اور انجام پانے والے گناہوں کے جبران کی ضرورت کو لوگوں کے ضمیر و وجدان میں زندہ کریں۔

---

[1] کامل بہائی جلد ۲ / ۳۰۲ بحار جلد ۴۵ / ۱۳۷ ـ ۱۳۹

ابھی زیادہ دن نہیں گذرے تھے کہ اس مثبت رویہ کی وجہ سے اموی سلطنت کے خلاف عراق وحجاز میں انقلاب کا پرچم بلند ہو گیا اور ہزاروں افراد خون حسینؑ کا انتقام لینے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے[1]

مدینہ واپسی کے بعد

اسیری کے دن گذر جانے کے بعد امام سجادؑ مدینہ واپس آگئے اور معاشرہ پر حکومت کرنے والی سیاست کی حالت بھی بدل گئی۔ بنی امیہ کی حکومت اور سیاسی روش کے مقابل امامؑ کا رویہ بھی بدلا۔

آپؑ کی امامت کا سارا زمانہ اس وقت کے ان بیداد گر حکمرانوں کے طرح طرح کے اجتماعی بحران و آشوب سے پُر تھا جو مختلف بہانوں سے امامؑ پر دباؤ ڈالنے اور ان کی فعالیت کو محدود کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے۔

زمانہ کے حالات سے واقفیت کے لئے ان ظالموں کے جرائم کے چند گوشے ملاحظہ ہوں:

یزید کے مرتے ہی[2] عبداللہ بن زبیر جو برسوں سے خلافت وحکومت کی لالچ میں تھے، مکہ میں اٹھ کھڑے ہوئے اور حجاز و یمن، عراق و خراسان کے لوگوں نے بھی ان کی بیعت کر لی، اور شام میں معاویہ بن یزید کے ہٹ جانے کے بعد جو بہت تھوڑے دنوں (یعنی تین مہینہ یا چالیس دن) مسند خلافت پر بیٹھا تھا، مروان بن حکم مسند خلافت پر بیٹھا، سازش کے ذریعہ حکومت تک پہونچا اور عبداللہ بن زبیر کی مخالفت کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔ شام کے بعد مصر پر اپنا قبضہ مضبوط کیا۔ لیکن اس کی حکومت زیادہ دنوں تک باقی نہیں رہی اور تھوڑی ہی مدت میں مر گیا۔ اس کی

---

[1] امام حسینؑ کی زندگی کی تاریخ کی تحقیق کے سلسلہ میں ہم نے بعض شورشوں اور تحریکوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔

[2] امام حسینؑ کی شہادت کے بعد یزید کی حکومت کے سہ سالہ جرائم کو گذشتہ اسباق میں بیان کیا گیا ہے اس لئے یہاں پر اس کا تکرار نہیں کیا۔

جگہ اس کا بیٹا عبد الملک بیٹھا۔ عبد الملک نے شام و مصر میں اپنی پوزیشن مضبوط ہو جانے کے بعد ۶۵ھ میں عبد اللہ بن زبیر کا مکہ میں محاصرہ کیا اور ان کو قتل کر دیا۔[1]

عبد الملک کے بڑے جرائم میں حجاج بن یوسف کو بصرہ اور کوفہ کا حاکم بنانا ہے۔ حجاج ایک خوں خوار اور جرائم پیشہ شخص تھا۔ اس نے لوگوں کو اذیتیں پہونچائیں اور کشت و خون کا بازار گرم کیا۔ خاص کر شیعیان علیؑ کو ختم کرنے کا اس نے بیڑا اٹھایا اور اپنی حکومت کے زمانہ میں تقریبًا ایک لاکھ بیس ہزار افراد کو قتل کر ڈالا۔[2]

عبد الملک بڑی سختی سے امام زین العابدین کی نگرانی کرتا تھا اور اس کوشش میں تھا کہ آپ کے خلاف کسی بھی طریقہ سے کوئی بہانہ ہاتھ آجائے تو وہ آپ پر سخت گیری کرے یا آپ کی توہین کرے۔

اس کو جب یہ اطلاع ملی کہ امام زین العابدینؑ نے اپنی آزاد کردہ کنیز سے عقد کر لیا ہے تو اس نے ایک خط میں اس کام پر آپ کی شماتت کی۔ اس نے چاہا کہ اس طرح وہ حضرت کو یہ سمجھا دے کہ ہم آپ کے تمام امور حتیٰ کہ داخلی اور ذاتی امور سے بھی باخبر ہیں۔ اور اس نے اپنی قرابت داری کو بھی یاد دلایا، تو امامؑ نے جواب میں آئین اسلام کو اس سلسلہ میں یاد دلاتے ہوئے کہ مسلمان ہو جانا اور خدا پر ایمان لانا ہمیشہ دوسرے امتیازات کو ختم کر دیتا ہے، پوشیدہ طنز کے ساتھ اس کے آباؤ اجداد کی گذشتہ جاہلی حالات پر (اور شاید اس کی موجودہ جاہلی حالت پر) سرزنش کی اور فرمایا: "فلا لوم علی امرءٍ مسلم انما اللوم لوم الجاهلية"[3]

۸۶ھ میں عبد الملک کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا ولید اس کی جگہ پر بیٹھا۔ سیوطی کے بیان[4]

---

[1] کامل ابن اثیر جلد ۴/ ۳۴۸ - ۳۵۶

[2] کامل ابن اثیر جلد ۴/ ۵۸۷

[3] کافی جلد ۵/ ۳۴۴، مناقب جلد ۴/ ۱۶۲۔ یعنی مسلمان میں کوئی پستی اور ذلت نہیں ہے بلکہ صرف جاہلیت کی فرمایگی میں پستی ہے۔

[4] تاریخ الخلفاء / ۲۲۳

کے مطابق وہ ایک ستمگر اور لاپرواہ شخص تھا دوسرے بنی امیہ کے زمامداروں کی طرح یہ بھی امامؑ کی شہرت اور محبوبیت سے خوف زدہ تھا اور آپؑ کی علمی و روحانی شخصیت سے اس کو تکلیف تھی، اس وجہ سے وہ شیعوں کے چوتھے پیشوا کا وجود مسلمانوں کے معاشرہ میں برداشت نہیں کرسکتا تھا، اس نے دسیسہ کاری کے ساتھ آپ کو زہر دے دیا۔[۱]

ایک طرف تو امام زین العابدین علیہ السلام اپنے زمانہ کے ایسے ظالم اور جرائم کا ارتکاب کرنے والے بادشاہوں اور ان کی شدید نگرانیوں کو برداشت کر رہے تھے، دوسری طرف اپنے اطراف میں ایماندار جاں نثاروں اور مجاہد دوستوں کا فقدان محسوس کرتے تھے۔ لہذا آپؑ نے منفی مبارزہ شروع کیا۔ اپنے دروازہ کو دوسروں کے لئے بند کر دیا، اس طرح آپؑ نے اپنی اور اپنے کچھ قابل اعتماد اصحاب کی جان بچالی اور اس محاذ پر صاحب امتیاز عناصر کی پرورش، صالح افراد کی تیاری اور بے امان مگر مخفی مبارزہ کی شیعی افکار کی تعلیم میں مشغول ہو گئے تاکہ اس راستہ کے سلسلہ کو۔ جو بے شک منزل مقصود سے بہت قریب تھا ــ اپنے بعد کے امام کے سپرد کردیں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام اپنی ایک حدیث میں امامؑ چہارم کے حالات اور ان کے کردار ساز خدمات کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

"حسین ابن علیؑ کے بعد تمام لوگ راستہ سے پلٹ گئے مگر تین افراد: ابوخالد کابلی، یحیٰی ابن ام طویل اور جبیر بن مطعم، اس کے بعد دوسرے لوگ ان سے آن ملے اور شیعوں کا مجمع بڑھ گیا: یحیٰی بن ام طویل مدینہ میں مسجد پیغمبرؐ میں آئے اور تقریر میں لوگوں سے کہنے لگے: ہم تمہارے (راستہ اور آئین کے) مخالف ہیں اور ہمارے اور تمہارے درمیان دشمنی اور کینہ ہے۔"[۲]

مکہ کے راستہ میں ایک شخص نے اعتراض کرتے ہوئے امام سجادؑ سے کہا کہ "آپ نے جہاد

۱۔ مناقب ابن شہر آشوب جلد ۴/۱۷۶

۲۔ بحار جلد ۴۶/۱۴۴، الاختصاص للمفید/۶۴، رجال کشی/۸۱

اور اس کی سختی کو چھوڑ دیا اور حج جو آسان ہے اس کے لئے جا رہے ہیں؟ تو آپؑ نے فرمایا: اگر باایمان مددگار اور جاں نثار اصحاب ہوتے تو جہاد اور مبارزہ حج سے بہتر تھا۔[1]

ابو عمر نہدی کا بیان ہے کہ "امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا: مکہ اور مدینہ میں ہمارے بیس دوست (حقیقی اور جاں نثار) نہیں ہیں۔[2]

اس طرح امام زین العابدین علیہ السلام کا کام بے حد دشوار ہمت شکن اور دلیرانہ عمل کی بہ نسبت زیادہ شجاعت کا کام تھا اور آپ نہایت محدودیت کے عالم میں اس بات میں کامیاب ہو گئے کہ ایک سو ستر ایسے نمایاں شاگردوں کی تربیت کردیں جن میں سے ہر ایک اسلامی معاشرہ میں روشن چراغ تھا۔ جن افراد کے نام رجال کی کتابوں میں موجود ہیں ان میں سعید بن مسیب سعید بن جبیر، محمد بن جبیر، یحییٰ بن ام طویل، ابو خالد کابلی، ابو حمزہؒ ثمالی جیسی شخصیتوں کے نام لئے جا سکتے ہیں۔

امام زین العابدین علیہ السلام خفیہ کارگذاریوں میں نمایاں شاگردوں کی تربیت اور اسلامی معارف کی نشر و اشاعت کے ذریعہ اسلامی معاشرہ اور اموی حکومت کے سربرآوردہ افراد کے دلوں میں ایک مخصوص شکوہ و عظمت پیدا کرلی یہاں تک کہ ایک حج کے موقع پر جب آپؑ کا سامنا عبد الملک بن مروان سے ہوا تو نہ صرف یہ کہ آپ نے اس کو سلام نہیں کیا بلکہ اس کے چہرہ پر نظر بھی نہیں ڈالی عبد الملک اس بے اعتنائی پر بڑا ناراض ہوا۔ اس نے آہستہ سے امامؑ کے ہاتھ کو پکڑا اور کہا: "اے ابو محمد! مجھے دیکھئے میں عبد الملک ہوں نہ کہ آپ کے باپ کا قاتل یزید"! امامؑ نے جواب دیا: "میرے باپ کے قاتل نے اپنے اقدام کے ذریعہ اپنی آخرت خراب کرلی اگر تو بھی میرے باپ کے قاتل کی طرح ہونا چاہتا ہے تو کوئی حرج نہیں ہے۔"

---

[1] احتجاج طبرسی جلد ۲/ ۴۴ - ۴۵، اعیان الشیعہ جلد ۱/ ۶۳۵، مناقب جلد ۴/ ۱۵۹۔

[2] بحار جلد ۴۶/ ۱۴۳، شرح ابن ابی الحدید جلد ۴/ ۱۰۴

عبدالملک نے غصہ میں کہا: "میں ہرگز ایسا ہونا نہیں چاہتا لیکن مجھے اس بات کی امید ہے کہ آپ ہمارے وسائل سے بہرہ مند ہوں گے امام نے جواب میں فرمایا: "مجھ کو تمہاری دنیا کی اور جو کچھ تمہارے پاس ہے اس کی کوئی ضرورت نہیں"[1]

دعائیں

امام زین العابدین علیہ السلام کے مثبت مواقف میں ایک موقف اور بنیادی کوشش یہ تھی کہ آپ — انفرادی اور اجتماعی — تربیت و عقائد سے متعلق مسائل کی نشر و اشاعت دعا کے پیرایہ میں کریں۔ جو آپ کی یادگار کے طور پر محفوظ رہ گئی ہیں۔

صحیفۂ سجادیہ کے مضامین اور اس میں بیان کی گئی باتوں پر غور و فکر نے بہت سے مسائل کو ہمارے لئے روشن کر دیا ہے، اسلامی معاشرہ بلکہ انسانی معاشرہ کو اس کتاب نے عالم کی معلومات خدا کی معرفت، انسان کی معرفت وغیرہ کے ایک سلسلہ کا تعارف کرایا ہے۔

ان حالات میں جب امام علیہ السلام کو بیان اور گفتگو کی آزادی میسر نہ تھی، آپ نے دعا اور مناجات کے ذریعہ اعتقادی اور اخلاقی دستور العمل اور اجتماعی زندگی کے لائحہ عمل کو بیان کیا اور مسلمانوں کے درمیان اس کو منتشر کر دیا۔

صحیفۂ سجادیہ کی عظمت سمجھنے کے لئے مشہور مصری مفسر طنطاوی کا قول کافی ہے، وہ کہتے ہیں کہ "صحیفۂ سجادیہ وہ تنہا کتاب ہے جس میں علوم و معارف اور حکمتیں موجود ہیں اس کے علاوہ کسی کتاب میں ایسا ذخیرہ نہیں ہے اور یہ مصر کے لوگوں کی بدنصیبی ہے کہ وہ ابھی تک اس کی گراں بہا اور جاویدانہ باتوں سے واقف نہ تھے، میں اس میں جتنا بھی غور کرتا چلا جاتا ہوں اس کو مخلوق کے کلام سے بالاتر اور خالق کے کلام سے نیچے دیکھتا ہوں"[2]

---

[1] بحار ج ۴۶ ص ۱۲۰
[2] خاتمہ ترجمہ صحیفۂ سجادیہ مطبوعہ آخوندی

امام گوشہ نشینی اور محدودیت کے باوجود دعاؤں کے ذریعہ مسلمانوں کو قیام اور تحریک کا درس دیتے ہیں اور اپنے خدا سے راز و نیاز کی باتیں کرتے ہوئے فرماتے ہیں "خدایا مجھ کو ایسی طاقت اور دست رسی عطا کر کہ جو لوگ مجھ پر ظلم کرتے ہیں میں ان پر کامیابی حاصل کر دوں اور ایسی زبان عنایت فرما کہ مقام احتجاج میں غلبہ حاصل کر سکوں، ایسی فکر اور سمجھ عطا فرما کہ دشمن کے حیلوں کو درہم برہم کر دوں اور ظالم کے ہاتھ کو ظلم و تعدی سے روک دوں[1]۔"

صحیفۂ سجادیہ میں ایسے بہت سارے نمونے موجود ہیں۔

شہادت

امام زین العابدین علیہ السلام ۵۷ سال تک رنج و مصیبت برداشت کرنے کے بعد ولید بن عبدالملک کے دورِ حکومت میں اس کے حکم سے جس نے اپنی خلافت و حکومت کا محور ظلم و جور و قتل اور گھٹن کے ماحول کو بنا رکھا تھا، مسموم ہو کر، ۲۵ محرم ۹۵ھ کو شہادت پائی اور قبرستان بقیع میں امام حسن مجتبیٰؑ کی قبر مطہر کے پہلو میں سپرد خاک کئے گئے[2]۔

---

[1] اللّٰھم صلّ علیٰ محمّد و آلہ واجعل لی یداً علیٰ من ظلمنی و لساناً علیٰ من خاصمنی وظفراً بمن عاندنی وھب لی مکراً علیٰ من کایدنی "صحیفہ سجادیہ دعاء / ۲۰"

[2] مصباح کفعمی / ۵۰۹ ۔ کافی جلد ۱ / ۴۶۸ ، بحار جلد ۴۶ / ۱۵۲

سوالات

(۱) امام زین العابدین علیہ السلام کی تاریخ ولادت بیان فرمایئے اور ان کے اخلاقی خصوصیات میں سے دو نمونے بیان کیجئے۔

(۲) پیغام عاشوراء کو پہونچانے اور اس سے حاصل شدہ نتائج کی نگہبانی کرنے میں آپ نے کیا کردار ادا کیا؟ مختصر طور پر وضاحت کیجئے۔

(۳) یزید نے جو نشست شام کی جامع مسجد میں منعقد کی تھی، امام نے اس سے اپنے لئے کس طرح فائدہ حاصل کیا؟

(۴) مدینہ واپسی کے بعد حکومت بنی امیہ کے مدمقابل امام کا موقف کیوں تبدیل ہوگیا؟ اختصار کے ساتھ بیان کیجئے۔

(۵) مدینہ واپس آنے کے بعد شہادت کے زمانہ تک امام زین العابدین علیہ السلام کے اہم کام کیا تھے؟

(۶) امام سجاد کس تاریخ کو اور کیسے شہید ہوئے؟

سبق ۸

امام محمّد باقر علیہ السلام کی سوانح عمری

ولادت اور بچپن کا زمانہ

ہمارے پانچویں پیشوا امام محمّد باقر علیہ السلام جمعہ کے دن پہلی رجب ۵۷ھ کو شہر مدینہ میں پیدا ہوئے[۱]۔ آپ کا نام محمّد، کنیت ابو جعفر اور مشہور ترین لقب باقر ہے۔ روایت ہے کہ حضرت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس لقب سے ملقب فرمایا تھا۔ امام محمّد باقر علیہ السلام — ماں اور باپ — دونوں طرف سے فاطمی اور علوی تھے۔ اس لئے کہ ان کے والد امام زین العابدین علیہ السلام امام حسینؑ کے فرزند تھے۔ اور ان کی والدۂ گرامی "ام عبد اللہ" امام مجتبیٰ علیہ السلام کی بیٹی تھیں۔ آپ نے امام زین العابدین علیہ السلام جیسے باپ کی پر مہر آغوش میں پرورش پائی اور با فضیلت ماں کی چھاتی سے دودھ پیا۔ وہ ماں جو عالمہ اور مقدسہ تھیں، امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ "میری جدۂ ماجدہ ایسی صدیقہ تھیں کہ اولاد امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام میں کوئی عورت انکی فضیلت کے پایہ کو نہ پہونچ سکی[۲]۔

---

[۱] مصباح المتہجد شیخ طوسی / ۵۵۷، بحار الانوار جلد ۴۶ / ۲۱۳

[۲] کافی جلد ۱ / ۴۶۹ "کانت صدیقہ لم تدرک فی آل الحسن امراۃ مثلہا"

امام محمد باقر علیہ السلام کی عمر چار سال سے کم تھی کہ کربلا کا خوں چکا واقعہ پیش آیا۔ آپؑ اپنے جد حضرت اباعبداللہ الحسینؑ کے پاس موجود تھے۔ واقعہ کربلا کے بعد ۳۴ برس آپؑ نے اپنے پدر بزرگوار کے ساتھ زندگی گذاری، آپ جوانی ہی کے زمانہ سے علم و دانش، فضیلت و تقویٰ میں مشہور تھے اور آئندہ چل کر مسلمانوں کے علمی مشکلات کے حل کا مرجع سمجھے جانے لگے۔ جہاں کہیں بھی ہاشمیین، علویین اور فاطمیین کی بلندی کا ذکر ہوتا، آپؑ کو ان تمام مقدسات، شجاعت اور بزرگی کا لوگ تنہا وارث جانتے تھے۔

آپؑ کی شرافت اور بزرگی کو مندرجہ ذیل حدیث میں پڑھا جا سکتا ہے۔ پیغمبرؐ نے اپنے ایک نیک صحابی، جابر ابن عبداللہ انصاری سے فرمایا: "اے جابر! تم زندہ رہو گے اور میرے فرزند محمد ابن علی ابن الحسینؑ سے کہ جن کا نام توریت میں "باقر" ہے ملاقات کرو گے۔ ملاقات ہونے پر میرا سلام پہونچا دینا"۔ پیغمبرؐ رحلت فرما گئے۔ جابر نے ایک طویل عمر پائی، ایک دن امام زین العابدینؑ کے گھر تشریف لائے اور امام محمد باقر علیہ السلام کو جو چھوٹے سے تھے دیکھا، ان سے جابر نے کہا: ذرا آگے آیئے، امامؑ آگے آ گئے۔ جابر نے کہا: ذرا مڑ جایئے امام مڑ گئے، جابر نے جسم اور ان کے چلنے کا انداز دیکھا اس کے بعد کہا، کعبہ کے خدا کی قسم، یہ پیغمبرؐ کا ہو بہو آئینہ ہیں۔ پھر امام زین العابدین سے پوچھا "یہ بچہ کون ہے؟ آپؑ نے فرمایا: میرے بعد امام میرا بیٹا محمد باقرؑ ہے۔ جابر اٹھے اور آپ نے امام کے قدموں کا بوسہ لیا اور کہا: اے فرزند پیغمبرؐ میں آپ پر نثار، آپ اپنے جد رسول خدا کا سلام و درود قبول فرمائیں انہوں نے آپ کو سلام کہلوایا ہے۔

امام محمد باقر کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں اور آپؑ نے فرمایا: جب تک آسمان اور زمین باقی ہے اس وقت تک میرا سلام و درود ہو میرے جد پیغمبرؐ خدا پر اور تم پر بھی سلام ہو اے جابر تم نے ان کا سلام مجھ تک پہونچایا۔[1]

---

[1] امالی شیخ صدوق / ۲۱۱، بحار الانوار جلد ۴۶ / ۲۲۳

امام کے اخلاق و عادات

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام، متواضع، بخشش کرنے والے، مہربان اور صابر تھے اور اخلاق و عادات کے اعتبار سے — جیساکہ جابر نے کہا تھا — ہوبہو اسلام کے عظیم الشان پیغمبر کا آئینہ تھے۔

شام کا ایک شخص مدینہ میں ٹھہرا ہوا تھا اور امامؑ کے پاس بہت آتا رہتا تھا اور کہتا تھا کہ تم سے زیادہ روئے زمین پر اور کسی کے بارے میں میرے دل میں بغض و کینہ نہیں ہے، تمہارے اور تمہارے خاندان سے زیادہ میں کسی کا دشمن نہیں ہوں۔ اگر تم یہ دیکھتے ہو کہ میں تمہارے گھر آتا جاتا ہوں تو یہ اس لئے ہے کہ تم ایک سخن ور اور خوش بیان ادیب ہو!

اس کے باوجود امامؑ اس کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آتے تھے اور اس سے بڑی نرمی سے بات کرتے تھے کچھ دنوں کے بعد وہ شخص بیمار ہوا اس نے وصیت کی کہ جب میں مرجاؤں تو امام محمد باقرؑ میری نماز جنازہ پڑھیں۔

جب اس کے متعلقین نے اسے مردہ دیکھا تو امامؑ کے پاس پہونچ کر عرض کی کہ وہ شامی مرگیا اور اس نے وصیت کی ہے کہ آپ اس کی نماز جنازہ پڑھیں۔

امام نے فرمایا: مرا نہیں ہے ... جلدی نہ کرو یہاں تک کہ میں پہونچ جاؤں اس کے بعد آپ اٹھے اور آپ نے دو رکعت نماز پڑھی اور ہاتھوں کو دعا کے لئے بلند کیا اور تھوڑی دیر تک سربسجدہ رہے، پھر شامی کے گھر گئے اور بیمار کے سرہانے بیٹھ گئے، اس کو اٹھا کر بٹھایا۔ اس کی پشت کو دیوار کا سہارا دیا اور شربت منگا کر اس کے منہ میں ڈالا اور اس کے متعلقین سے فرمایا کہ اس کو ٹھنڈی غذائیں دی جائیں اور خود واپس چلے گئے۔ ابھی تھوڑی دیر نہ گذری تھی کہ شامی کو شفا مل گئی وہ امامؑ کے پاس آیا اور عرض کرنے لگا: "میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ، لوگوں پر خدا کی حجت ہیں[1]..."

---

[1] امالی شیخ طوسی ۲۶۱/۱، بحار الانوار جلد ۴۶/ ۲۳۳ - ۲۳۴ اختصار کے ساتھ۔

اس زمانہ کے صوفیوں میں سے ایک شخص ــ محمد بن منکدرؒ ــ کا بیان ہے کہ ایک دن بہت گرمی میں، مدینہ سے باہر نکلا وہاں میں نے محمد باقرؑ کو دیکھا کہ دو غلاموں پر تکیہ کیئے ہوئے ہیں۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ قریش کے بزرگوں میں سے ایک بزرگ ایسے وقت میں دنیا کی عیش کوشیوں میں پڑے ہوئے ہیں، میں ان کو کچھ نصیحت کروں۔ میں ان کے قریب گیا اور سلام کیا۔ ان کے سر اور ڈاڑھی سے پسینہ بہہ رہا تھا۔ امامؑ نے اسی حالت میں میرا جواب دیا۔ میں نے عرض کی: خدا آپ کو سلامت رکھے آپ کی جیسی شخصیت والا انسان اس وقت اس حالت میں دنیا حاصل کرنے میں لگا ہوا ہے! اگر اسی حالت میں موت آجائے تو آپؑ کیا کریں گے؟

آپ نے فرمایا خدا کی قسم اگر موت آگئی تو خداوند عالم کی اطاعت کی حالت میں موت واقع ہوگی۔ اس لئے کہ میں اس وسیلہ سے اپنے آپ کو تم سے اور دوسروں کی محتاجی سے بچاتا ہوں۔ میں اس حالت میں موت سے ڈرتا ہوں کہ میں (خدانخواستہ) گناہ کے کام میں لگا رہوں۔ میں نے کہا آپ پر خدا کی رحمت ہو، میں نے چاہا تھا کہ میں آپ کو نصیحت کروں لیکن آپ نے مجھ کو نصیحت کی اور آگاہ فرمایا۔[۱]

علم امام محمد باقر علیہ السلام

آپ کا علم بھی دوسرے تمام ائمہ علیہم السلام کی طرح چشمۂ وحی سے فیضان حاصل کرتا تھا، جابر بن عبد اللہ آپ کے پاس آتے اور آپ کے علم سے بہرہ ور ہوتے اور بار بار عرض کرتے تھے کہ "اے علوم کو شگافتہ کرنے والے! میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ بچپن ہی میں علم خدا سے مالا مال ہیں۔"[۲]

---

[۱] ارشاد مفید / ۲۶۴، بحار جلد ۴۶ / ۲۸۷، مناقب جلد ۴ / ۲۰۱

[۲] علل الشرائع جلد ۱ / ۲۳۲، بحار جلد ۴۶ / ۲۲۵

عامہ کے علماء میں سے ایک بزرگوار ـــــ عبداللہ ابن عطاء مکی ـــــ فرماتے تھے کہ میں امام محمّد باقرؑ کے سامنے اہلِ علم کو جس طرح حقیر اور چھوٹا پایا ہے ویسا کسی کے سامنے میں نے نہیں دیکھا ہے ـــــ حکم بن عتیبہ ـــــ لوگوں کے نزدیک جن کا علمی مقام بہت بلند تھا۔ امام محمد باقرؑ کے سامنے ان کی حالت یہ ہوتی تھی کہ جیسے ایک شاگرد استاد کے سامنے۔[1]"

آپ کا علمی مقام ایسا تھا کہ جابر بن یزید جعفی ان سے روایت کرتے وقت کہتے تھے "وصی اوصیاء اور وارثِ علوم انبیاء محمد بن علی بن الحسین علیہ السلام نے ایسا کہا ہے ....[2]"

ایک شخص نے عبداللہ بن عمر سے ایک مسئلہ پوچھا وہ جواب نہ دے سکے اور سوال کرنے والے کو امام محمد باقر علیہ السلام کا پتہ بتایا اور کہا کہ اس بچے سے پوچھنے کے بعد جو جواب ملے وہ مجھ کو بھی بتا دینا۔ اس شخص نے امامؑ سے پوچھا اور مطمئن کن جواب سننے کے بعد عبداللہ بن عمر کو جا کر بتا دیا۔ عبداللہ نے کہا: "یہ وہ خاندان ہے جس کا علم خدا داد ہے۔[3]"

حضرت امام محمّد باقر علیہ السلام نے علوم و دانش کے اتنے رموز و اسرار واضح کئے ہیں کہ سوائے دل کے اندھے کے اور کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ اس وجہ سے آپ نے تمام علوم شکافتہ کرنے والے اور علم و دانش کا پرچم لہرانے والے کا لقب پایا۔[4]

انہوں نے مدینہ میں علم کا ایک بڑا دانشکدہ بنایا تھا جس میں سیکڑوں درس لینے والے افراد آپ کی خدمت میں پہونچ کر درس حاصل کیا کرتے تھے۔

رسولِ خدا کے اصحاب میں سے جو لوگ زندہ تھے، جیسے جابر بن عبداللہ انصاری اور

۱۔ ارشاد مفید / ۲۶۳ مطبوعہ بصیرتی قم۔

۲۔ ارشاد مفید / ۲۶۳، بحار جلد ۴۶ / ۲۸۶، ۲۸۹

۳۔ مناقب ابن شہر آشوب جلد ۴ / ۱۹۷، بحار جلد ۴۶ / ۲۸۹۔

۴۔ الصواعق المحرقہ / ۱۲۰

تابعین میں سے کچھ بزرگ افراد جیسے جابر جعفی، کیسان سجستانی اور فقہاء میں سے کچھ لوگ جیسے ابن مبارک زہری، اوزاعی، ابو حنیفہ، مالک، شافعی اور زیاد بن منذر اور مصنفین میں سے کچھ افراد جیسے طبری، بلاذری، سلامی اور خطیب نے اپنی تاریخوں میں آپ سے روایتیں لکھی ہیں[۱]۔

امام علیہ السلام اور اموی خلفاء

امام محمد باقر علیہ السلام کی امامت کا زمانہ — جو تقریباً ۱۹ سال پر محیط تھا — اموی حکمرانوں جیسے ولید بن عبد الملک، سلیمان بن عبد الملک، عمر بن عبد العزیز، یزید بن عبد الملک، ہشام بن عبد الملک کا زمانہ۔ اس میں سے سوائے عمر بن عبد العزیز کے۔ جو نسبتاً عدالت پسند تھا — سب کے سب ستمگری اور استبداد و مطلق العنانی میں اپنے اسلاف سے کچھ کم نہ تھے اور آگے چل کر انہوں نے امام محمد باقرؑ کے لئے مشکلیں پیدا کیں۔

امام محمّد باقر علیہ السلام کے زمانۂ امامت کے سیاسی اور گھٹن والے حالات سے واقفیت کے لئے ہم یہاں ان میں سے ہر ایک کے بارے میں اب اجمالی گفتگو کر رہے ہیں۔

ولید نے ۸۶ھ میں حکومت کی باگ ڈور سنبھالی اور ۱۵، جمادی الآخر ۹۶ھ کو مر گیا۔

مسعودی کا بیان ہے کہ ولید ایک ہٹ دھرم، جابر اور ظالم بادشاہ تھا[۲]۔ اس کے باپ نے اس سے وصیت کی تھی کہ حجاج بن یوسف کا اکرام کرے اور چیتے کی کھال پہنے[۳] تلوار آمادہ رکھے اور جو اس کی مخالفت کرے اس کو قتل کر دے[۴]۔

۱۔ مناقب جلد ۴/ ۱۹۵، بحار جلد ۴۶/ ۲۹۴ - ۲۹۵

۲۔ مروج الذهب جلد ۳/ ۱۵۷

۳۔ سیاست میں خشونت اور سختی کے لئے کنایہ ہے۔

۴۔ مروج الذهب ۳/ ۱۶۰ - ۱۶۱

اس نے بھی باپ کی وصیت کو پورا کیا اور حجاج کے ہاتھوں کو اپنے باپ کی طرح مسلمانوں کو ستانے اور ان کو قتل کرنے کے لئے آزاد چھوڑ دیا۔

عمر بن عبد العزیز، ولید کی طرف سے مدینہ کا حاکم تھا، حجاج کے ظلم سے تنگ آکر جو بھی بھاگتا تھا اس کے پاس پناہ لیتا تھا۔ عمر نے ولید کو ایک خط لکھا اور لوگوں کے ساتھ حجاج کے ظلم کی شکایت کی۔ ولید نے حاکم کی شکایت سننے کے بجائے، حجاج کی خوشنودی کے لئے عمر بن عبد العزیز کو مدینہ کی گورنری سے معزول کر دیا اور حجاج کو لکھا "تم جس کو بھی چاہو حجاز کا حاکم بنا دو۔ حجاج نے بھی خالد بن عبد اللہ قسری کے لئے سفارش کی جو خود اسی جیسا ایک خونخوار شخص تھا ولید نے یہ سفارش قبول کر لی[1]

ولید کا حجاج پر اعتماد کرنا اور اپنے باپ عبد الملک کی تائید، ولید کے طغیان اور اس کی تباہ کاری پر بہترین دلیل ہے۔

اپنے بھائی کے بعد سلیمان بن عبد الملک نے زمام حکومت اپنے ہاتھوں میں لی اور جمعہ کے دن ۱۰ ماہ صفر ۹۹ھ کو مرگیا۔ وہ بڑا پُر خور اور عورتوں کا دلدادہ تھا۔ اس کے دور خلافت میں عیاشی اور دربار میں عیش و نشاط کی محفل اپنے اوج پر تھی۔ متعدد خواجہ سراؤں کو اس نے اپنے دربار میں رکھ چھوڑا تھا اور اپنا زیادہ وقت حرم سرا کی عورتوں کے ساتھ گذارتا تھا۔ آہستہ آہستہ بری باتیں ملک کے کارندوں میں بھی سرایت کر گئیں اور یہ باتیں ملک گیر پیمانہ پر پھیل گئیں[2]

اس نے دو سال چند مہینے حکومت کی۔ شروع میں اس نے نرمی کا مظاہرہ کیا۔ عراق کے قید خانوں کے دروازے کھول دیئے اور بے گناہوں کو آزاد کر دیا دراں حالیکہ اس کی زندگی کے

---

[1] کامل ابن اثیر جلد ۴/ ۵۷۷

[2] تاریخ سیاسی اسلام جلد ۱/ ۳۲۴

لمحات ظلم وستم سے خالی نہ تھے ۔ اس نے خالد بن عبد اللہ قسری کو جو ظلم اور جرائم میں حجاج کا دوسرا نمونہ تھا، اس کے مقام پر باقی رکھا۔

اس کے بعد عمر بن عبد العزیز مسند حکومت پر متمکن ہوئے ۔ ان کا انتقال ۲۵ رجب ۱۰۱ھ کو ہوا ۔ یہ کسی حد تک پریشانیوں اور دشواریوں پر قابو پانے، برائیوں اور تفریق کے ساتھ جنگ کرنے، اس ننگ و عار کے دھبہ کو جو اس وقت کی حکومت کے دامن پر لگا ہوا تھا ـــــ یعنی علی علیہ السلام پر سب وشتم کرنا ـــــ دھونے ، فدک کو اولادِ فاطمہ علیہا السلام کو واپس دے دینے اور امام محمد باقر کے حوالہ کرنے میں کامیاب ہوئے ۔

اس کے بعد یزید بن عبد الملک ان کی جگہ پر بیٹھا ۔ اور اپنے حکام کو مندرجہ ذیل خط لکھ کر اپنی حکومت کا آغاز کیا :

"عمر بن عبد العزیز نے دھوکہ کھایا ، تم اور تمہارے اطراف کے لوگوں نے اس کو دھوکہ دیا ۔ ۔ ۔ خط ملتے ہی سابق معاونین اور اپنے دوستوں کو جمع کرو اور لوگوں کو ان کی سابقہ حالت پر پلٹا دو ، چاہے وہ مالیات کو ادا کرنے کی طاقت رکھتے ہوں یا نہ رکھتے ہوں ، زندہ رہیں یا مر جائیں ، لازم ہے کہ وہ خراج ادا کریں [1] ۔"

یزید بن عبد الملک کا اپنے ہم نام یزید بن معاویہ کی طرح سوائے عیاشی ، جرائم ، مستی اور عورتوں کے ساتھ عشق بازی کے اور کوئی دوسرا کام ہی نہ تھا ۔ وہ اخلاقی اور دینی اصول کا ہرگز پابند نہ تھا۔ اس کی خلافت کا زمانہ بنی امیہ کی حکومت کا ایک سیاہ ترین اور تاریک ترین دور شمار کیا جاتا ہے اس کے زمانہ میں قصائد اور اشعار کی جگہ ساز اور آواز نے لے لی تھی اور اس شعبہ کو اتنی وسعت دی گئی تھی کہ مختلف شہروں سے گانے بجانے والے دمشق بلائے جاتے تھے اور اس طرح عیاشی ، ہوس رانی ،

---

[1] العقد الفرید جلد ۵ / ۱۷۶

شطرنج اور تاش نے عربی معاشرہ میں رواج پایا۔[1]

اس کے بعد ہشام بن عبدالملک نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی۔ وہ بخیل، بداخلاق، ستمگر اور بے رحم تھا۔ نہ صرف یہ کہ اس نے برائیوں کی اصلاح کیلئے کوئی قدم نہیں اٹھایا بلکہ اس نے بنی امیہ کی خطاؤں کو تقویت بخشی۔ اپنے گورنروں کو اس نے لکھا کہ شیعوں کے ساتھ سختی کرکے ان پر عرصہ حیات تنگ کردو ـــــ اس نے حکم دیا کہ ان کے آثار کو مٹاکر ان کا خون بہایا جائے اور ان کو عام حق سے محروم کردو۔

اس نے حکم دیا کہ شاعر اہلبیت "کُمَیت" کا گھر اجاڑ دیا جائے۔ کوفہ کے حاکم کو لکھا کہ "اولادِ پیغمبرؐ کی مدح کرنے کے جرم میں کُمَیت کی زبان کاٹ لی جائے۔"

یہی تھا جس نے زید بن علی ابن الحسین کے انقلاب کو کچل دیا تھا اور ان کے جسم مقدس کو مُثلہ کرنے کے بعد کوفہ کی کلیسا کے پاس نہایت دردناک حالت میں دار پر لٹکایا۔

امام محمد باقر علیہ السلام کا اپنی خلافت کے زمانہ میں ایسے ایسے مدعیانِ خلافت سے مقابلہ تھا۔ اس وجہ سے آپ کی زندگی کا زمانہ مکمل طور پر آپ کے پدرِ بزرگوار امام زین العابدین علیہ السلام کی زندگی کا منطقی سلسلہ تھا۔

خلافت کے بالمقابل امامؑ کا موقف

ہشام، امام محمّد باقر اور ان کے فرزندِ عزیز حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی عزت ووقار سے بہت خوف زدہ تھا اس لئے اپنی حاکمیت کا رعب جمانے اور دستگاہِ خلافت کے مقابلہ میں امام علیہ السلام کی اجتماعی حیثیت و وقار کو مجروح کرنے کے لئے اس نے حاکمِ مدینہ کو حکم دیا کہ ان دونوں بزرگوں کو شام بھیجدے۔

---

[1] تاریخ سیاسی اسلام جلد ۱/ ۳۳۱

امامؑ کے وارد ہونے سے پہلے اس نے اپنے درباریوں اور حاشیہ نشینوں کو امامؑ کا سامنا کرنے کے لئے ضروری احکامات دیئے۔ یہ طے پایا کہ پہلے خلیفہ اور پھر اس کے بعد حاضرین دربار جو سب کے سب مشہور اور نمایاں افراد تھے، امام محمد باقرؑ کی طرف تہمت اور شماتت کا سیلاب انڈیل دیں۔

اس عمل سے ہشام کے دو مقصد تھے، پہلا مقصد یہ تھا کہ اس سختی اور تہمت سے امامؑ کے حوصلہ کو کمزور کر کے ہر اس کام کے لئے جس کا مقتضی موجود ہوگا آمادہ کر لے گا۔ دوسرا مقصد یہ تھا کہ اس ملاقات میں جس میں دو متضاد محاذوں کے بڑے رہبر شریک تھے، آپ کو ذلیل کر دیا جائے۔

امام محمّد باقر علیہ السلام وارد ہوئے اور معمول کے مطابق جو طریقہ تھا کہ ہر آنیوالا "امیر المومنینؑ" کے مخصوص لقب کے ساتھ خلیفہ کو سلام کرتا تھا۔ اس کے برخلاف آپ نے تمام حاضرین کی طرف رخ کر کے "سلامٌ علیکم" کہا، پھر اجازت کا انتظار کئے بغیر بیٹھ گئے۔ اس روش کی بنا پر ہشام کے دل میں کینہ اور حسد کی آگ بھڑک اٹھی اور اس نے اپنا پروگرام شروع کر دیا۔ اس نے کہا "تم اولادِ علی ہمیشہ مسلمانوں کے اتحاد کو توڑتے ہو اور اپنی طرف دعوت دیکر ان کے درمیان رخنہ اور نفاق ڈالتے ہو، نادانی کی بنا پر (معاذ اللہ) اپنے کو پیشوا اور امام سمجھتے ہو" ہشام تھوڑی دیر تک ایسی یاوہ گوئی کرتا رہا پھر چپ ہو گیا۔

اس کے بعد اس کے نوکروں میں سے ہر ایک نے ایک بات کہی اور آپ کو موردِ تہمت قرار دیا۔

امام محمد باقر علیہ السلام اس تمام مدت میں خاموشی اور اطمینان سے بیٹھے رہے۔ جب سب چپ ہو گئے تو آپؑ اٹھے اور حاضرین کی طرف مخاطب ہوئے، حمد و ثنا ئے خدا اور پیغمبرؐ پر درود کے بعد ان کی گمراہی اور بے راہ روی کو واضح اور اپنی حیثیت نیز اپنے خاندان کے سابقہ افتخار کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"اے لوگو! تم کہاں جا رہے ہو اور ان لوگوں نے تمہارا کیا انجام سوچ رکھا ہے؟!
ہمارا ہی وسیلہ تھا جس کے ذریعہ خدا نے تمہارے اسلاف کی ہدایت کی اور ہمارے

ہی ہاتھوں سے تمہارے کام کے اختتام پر مہر لگائی جائے گی اگر تمہارے پاس آج یہ تھوڑے دنوں کی حکومت ہے تو ہمارے پاس دیر پا حکومت ہوگی۔ ہماری حکومت کے بعد کسی کی حکومت نہیں ہوگی، ہم ہی وہ اہلِ عاقبت ہیں جن کے بارے میں خدا نے فرمایا ہے کہ عاقبت صاحبانِ تقویٰ کے لئے ہے"۔[1]

امام کی مختصر اور ہلا دینے والی تقریر سے ہشام کو ایسا غصہ آیا کہ سختی کے سوا اور کچھ اس کی سمجھ میں نہ آیا اس نے امامؑ کو قید کر دینے کا حکم دیا۔

امامؑ نے زندان میں بھی حقیقتوں کو بیان اور واضح کیا اور آپ نے اپنی زنجیروں پر بھی اپنا اثر دکھایا۔ زندان کی نگرانی کرنے والوں نے ہشام کو خبر دی، یہ بات اس مشنری کے لئے قابلِ تحمل نہ تھی جو دسیوں سال سے شام کو علوی تبلیغات کی دست رسی سے دور رکھے ہوئے تھی۔ اس نے حکم دیا کہ امام اور ان کے ساتھیوں کو زندان سے نکال کر بہرہ اور سختیوں میں مدینہ پہونچا یا جائے اور پہلے سے بھی ضروری احکام بھیجے جا چکے تھے کہ راستہ میں کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ اس معتوب قافلہ کے ساتھ کوئی معاملہ کرے۔ اور ان کے ہاتھوں کسی کو روٹی اور پانی بیچنے کا حق نہیں ہے"۔[2]

اسلامی ثقافت کا احیاء

امام محمد باقر علیہ السلام — ان حالات میں حاکم کی سخت گیری اور ضرورت تقیہ کے باوجود — اس بات میں کامیاب ہو گئے کہ تعلیم و تربیت کے ذریعہ بہت ہی گہری جڑوں والی علمی تحریک

۱۔ مناقب ابن شہر آشوب ج ۴/ ۱۸۹ "ایہا الناس این تذھبون واین یراد بکم؟ بنا ھدی اللہ اولکم و بنا یختم آخرکم فان یکن لکم ملک معجل فان لنا ملکا موجلاً ولیس من بعد ملکنا ملک لانا اھل العاقبہ، یقول اللہ تعالیٰ "والعاقبۃ للمتقین"

۲۔ مناقب ابن شہر آشوب جلد ۴/ ۱۹۰ بحار جلد ۴۶/ ۲۶۴ ، دلائل الامامہ للطبری/ ۱۰۸

بنائی۔ انہوں نے آغاز ہی سے تشیع کے بنیادی اور بامقصد دعوت کی اشاعت کی وسیع پیمانہ پر کوشش شروع کی۔ اس دعوت کی وسعت اتنی تھی کہ شیعوں کے علاقہ جیسے مدینہ اور کوفہ کے علاوہ شیعی فکر کے نفوذ کی قلمرو میں دوسرے نئے علاقوں کا بھی اضافہ ہوا۔ اس سلسلہ میں تمام جگہوں سے زیادہ خراسان کا نام لیا جاسکتا ہے۔

حج کے زمانہ میں عراق، خراسان اور دوسرے شہروں سے ہزاروں مسلمان آپ سے فتویٰ معلوم کرتے تھے۔ اور معارف اسلام کے ہر باب کے بارے میں آپ سے سوال کرتے تھے۔ ان بزرگ فقہاء کی طرف جو علمی اور فکری مکاتب سے وابستہ تھے، آپ کے سامنے دشوار گذار مسائل رکھے جاتے تھے تاکہ آپ الجھ جائیں اور لوگوں کے سامنے خاموش رہنے پر مجبور ہو جائیں۔

امام علیہ السلام نے ان مواقف میں سے ہر موقف میں تشیع کے ارکان کی تفصیلی توضیح کے ساتھ اس کے اعلیٰ صفات کو محدود سطح اور گنے چنے افراد سے نکالا اور اسے آفاقی بنایا اور مکتب کے مفاہیم کی نشر و اشاعت کے ذریعہ افراد کی پرورش کی اور حقیقی اسلام کو مجسم بنایا۔ چنانچہ بہت سے شہروں میں اس کا ردعمل ظاہر ہو گیا تھا۔

ان کاموں کی وجہ سے لوگ ان کے گرویدہ ہو گئے تھے اور آپ نے قوم میں بہت زیادہ نفوذ پیدا کر لیا تھا۔ باوجودیکہ خلافت بنی امیہ کے زمانہ میں قبیلہ مضر اور حمیر کے درمیان نسلی قتل کی آگ بھڑک رہی تھی۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ دونوں قبیلوں کے درمیان امام کے چاہنے والے تھے جیسا کہ باقاعدہ شیعہ کہے جانے والے شعراء جیسے فرزدق تمیمی مضری اور کمیت اسدی حمیری دونوں ہی امام علیہ السلام اور اہل بیتؑ کی دوستی میں متفق تھے۔

اسلامی نظام کی تشکیل

امام محمد باقر علیہ السلام نے ضرورت کی وجہ سے معاشرہ پر مسلط حکومت سے لڑنے اور آمنے سامنے کی جنگ سے اجتناب کیا اور آپ نے زیادہ تر فکری اور ثقافتی کام کیا۔ جو نظریاتی

تخم ریزی بھی تھی اور سیاسی تقیہ بھی — لیکن یہ حکیمانہ انداز اس بات کا سبب نہیں بنا کہ امام علیہ السلام تحریک امامت کی کلی سمت کو قریبی دوستوں اور سچے شیعوں کے لئے جو ان کے گردیدہ ہیں، واضح نہ کریں۔ اور عظیم شیعی مقصد کو — یعنی اسلامی نظام کو ناقابلِ اجتناب مبارزہ کے ذریعہ پیدا کرنا — ان کے دلوں میں زندہ نہ کریں۔ امام محمد باقرؑ کے امید افزا طریقوں میں سے ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ آپ آئندہ کے لئے دل پسند نوید دیتے تھے جو چنداں دور بھی نہ تھی۔

راوی کہتا ہے: ہم ابوجعفر علیہ السلام کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے ایک بوڑھا آدمی آیا، سلام کیا اور کہا کہ اے فرزندِ رسول! خدا کی قسم میں آپ کا اور آپ کے چاہنے والوں کا دوست ہوں یہ دوستی زیور زندگی کے لالچ میں نہیں ہے ... میں نے آپ کے امر و نہی کو قبول کر لیا ہے اور میں اس انتظار میں ہوں کہ آپ کی کامیابی کا زمانہ قریب آئے، کیا اب ہمارے لئے کوئی امید ہے؟ امامؑ نے اس بوڑھے آدمی کو اپنے پہلو میں بٹھایا اور فرمایا اے پیرمرد! کسی نے میرے والد علی ابن الحسینؑ سے یہی پوچھا تھا، میرے والد نے اس سے کہا تھا کہ "اگر اسی انتظار میں مر جاؤ گے تو پیغمبرؐ، علیؑ، حسنؑ و حسینؑ اور علی بن الحسین کی بارگاہ میں پہونچو گے .... اور اگر زندہ رہ جاؤ گے تو اسی دنیا میں وہ دن دیکھو گے کہ تمہاری آنکھیں روشن ہو جائیں گی اور اس دنیا میں ہمارے ساتھ ہمارے پہلو میں بلند ترین جگہ پاؤ گے ....[۱]"

اس طرح کے بیانات اس گھٹن کے ماحول میں دل انگیز خواب کی طرح نظام اسلامی اور حکومتِ علوی کی تشکیل کے لئے شیعوں کے ستم رسیدہ دلوں میں امید کی کرن اور متحرک کرنے والی لہر پیدا کرتے اور آئندہ کے لئے اس بات کو یقینی اور نہ ٹلنے والی صورت میں پیش کرتے تھے۔

امامؑ کی یہ روش اس بات کا نمونہ ہے کہ حضرت کا تعلق اپنے نزدیکی اصحاب سے کیسا تھا، اور یہ روش ایک دوسرے سے منظم اور مرتب رابطہ کی نشاندہی بھی کرتی ہے۔ یہی وہ حقیقت تھی جو

---

[۱] بحار الانوار جلد ۴۶/۳۶۱ — ۳۶۲

خلافت کی مشنری کو ردّ عمل ظاہر کرنے پر ابھارتی تھی۔ عام طور پر واقف کار دشمن سے منظم ردّ عمل کے ذریعہ ہر آدمی کے عمل کی گہرائی کا انکشاف کیا جا سکتا ہے۔

ہشام کی خلافت کی مشنری — جس کو بلاذری اموی خلفاء میں مقتدر ترین خلیفہ جانتا ہے۔ اگر امام محمّد باقر علیہ السّلام کے ساتھ ترش روئی سے پیش آتی تھی تو اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کی روش اور عمل میں ہشام اپنے لئے ایک تہدید دیکھ رہا تھا اور آپ کا وجود اس کے لئے ناقابلِ تحمل تھا۔

یہ بات ناقابلِ تردید ہے کہ اگر امام محمّد باقر علیہ السلام فقط علمی زندگی میں سرگرم عمل رہتے اور تنظیم سازی کی فکر نہ کرتے تو خلیفہ اپنے لئے اس بات میں صلاح نہیں سمجھتا کہ وہ سخت گیری اور شدّت کے ساتھ آپ کو سخت مقابلہ کے لئے بھڑکائے اور نتیجتاً آپ کے دوستوں اور معتقدین کو — جن کی تعداد کم بھی نہ تھی — اپنے اوپر ناراض اور اپنی مشنری سے ناخوش کر لے۔

امام محمّد باقرؑ کے مکتبِ فکر کے پروردہ افراد

امام محمد باقر علیہ السلام کے مکتبِ فکر میں مثالی اور ممتاز شاگردوں نے پرورش پائی تھی ان میں سے کچھ افراد کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے۔

۱۔ ابان ابن تغلب، نے تین اماموں کی خدمت میں حاضری دی، چوتھے امامؑ، پانچویں امامؑ چھٹے امامؑ — ابان اپنے زمانہ کی علمی شخصیتوں میں سے ایک تھے، تفسیر، حدیث، فقہ، قرائت اور لغت پر تسلط حاصل تھا۔ ابان کی فقہی منزلت کی وجہ ہی سے امام محمّد باقرؑ نے ان سے فرمایا کہ مدینہ کی مسجد میں بیٹھو اور لوگوں کے لئے فتویٰ دو تاکہ لوگ ہمارے شیعوں میں تمہاری طرح کے میرے دوستدار کو دیکھیں[۱]۔

جب امام جعفر صادق علیہ السلام نے ابان کے مرنے کی خبر سنی تو آپ نے فرمایا کہ خدا کی قسم

---

[۱] جامع الرواۃ جلد ۱/۹، معجم رجال الحدیث جلد ۱/۱۴۷

ابان کی موت نے میرے دل کو مغموم کر دیا۔[1]

۲۔ زرارہ ابن اَعْیَن : شیعہ علماء، امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادق علیہ السلام کے شاگردوں میں سے چھ افراد کو برتر شمار کرتے ہیں اور زرارہ ان میں سے ایک ہیں۔ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اگر بریر ابن معاویہ، ابو بصیر، محمد ابن مسلم اور زرارہ نہ ہوتے تو آثارِ نبوت مٹ جاتے، یہ لوگ حلال و حرام خدا کے امین ہیں۔[2] اور پھر فرماتے ہیں: بریر، زرارہ، محمد ابن مسلم اور احول، زندگی اور موت میں میرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہیں۔

۳۔ کُمَیْت اسدی : ایک انقلابی اور بامقصد شاعر تھے ان کی زبان گویا۔ اشعار کو نغز کے قالب میں، دفاعِ اہلِ بیتؑ کے سلسلہ میں لوگوں کو ایسی جھنجوڑنے والی اور (دشمنوں کو) اس طرح ذلیل کرنے والی تھی کہ دربارِ خلافت کی طرف سے مستقل موت کی دھمکی دی گئی۔ کُمَیْت امام محمد باقر علیہ السلام کے شیدائی تھے اور محبت کے اس راستہ میں انہوں نے اپنے کو فراموش کر دیا تھا ایک دن امامؑ کے سامنے امام کی مدح میں کہے جانے والے مناسب اشعار پڑھ رہے تھے کہ امامؑ نے کعبہ کی طرف رخ کیا اور تین بار فرمایا: خدایا! کُمَیْت پر رحمت نازل فرما۔ پھر کُمَیْت سے فرمایا اپنے خاندان سے میں نے ایک لاکھ درہم تمہارے لئے فراہم کئے ہیں۔
کُمَیْت نے کہا" میں سیم و زر کا طالب نہیں ہوں فقط اپنا ایک پیراہن مجھے عطا فرمائیں امامؑ نے پیراہن ان کو دیدیا۔[3]

۴۔ محمد ابن مسلم فقیہ اہلِ بیت : امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہما السلام کے سچے دوستوں میں سے تھے آپ کوفہ کے رہنے والے تھے لیکن امام کے علمِ بیکراں سے استفادہ کرنے کے لئے

---

[1] جامع الرواۃ جلد ۱/ ۹، معجم الرجال الحدیث جلد ۱/ ۱۴۷

[2] جامع الرواۃ جلد ۱/ ۱۷۱

[3] سفینۃ البحار جلد ۲/ ۴۹۶، مناقب ابن شہر آشوب جلد ۴/ ۱۹۷

مدینہ تشریف لائے۔

عبداللہ ابن ابی یعفور بیان کرتے ہیں: "میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا کہ کبھی مجھ سے سوالات ہوتے ہیں جن کا جواب میں نہیں جانتا اور آپ تک بھی نہیں پہونچ سکتا۔ آخر میں کیا کروں؟ امامؑ نے محمد ابن مسلم کا نام بتایا اور فرمایا کہ: "ان سے کیوں نہیں پوچھتے؟"[1]

کوفہ میں رات کے وقت ایک عورت محمد ابن مسلم کے گھر آئی اور اس نے کہا، میری بہو مر گئی ہے اور اس کے پیٹ میں زندہ بچہ موجود ہے ہم کیا کریں؟

محمد نے کہا: امام محمد باقر علیہ السلام نے جو فرمایا ہے اس کے مطابق تو پیٹ چاک کر کے بچہ کو نکال لینا چاہئے اور پھر مردہ کو دفن کر دینا چاہئے۔

پھر محمد نے اس عورت سے پوچھا کہ میرا گھر تم کو کیسے ملا؟ عورت بولی: "میں یہ مسئلہ ابو حنیفہ کے پاس لے گئی انہوں نے کہا کہ میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتا لیکن تم محمدؒ ابن مسلم کے پاس جاؤ اور اگر وہ فتویٰ دیدیں تو مجھے بھی بتا دینا..."[2]

شہادت کے بعد مبارزہ

امام محمد باقر علیہ السلام کی رہبری کا ۱۹ سالہ زمانہ نہایت دشوار حالات اور ناہموار راہوں میں گذرا۔ آخر میں آپ کی کم مگر پُر برکت عمر کے اختتام کا وقت آیا تو اس شعلہ در مرکز کے گرم خاکستر سے آپ نے اپنی آخری برق اموی سلطنت کی بنیاد پر گرا دی۔

امام نے اپنے بیٹے امام جعفر صادقؑ کو حکم دیا کہ ان کے پیسوں میں سے ایک حصہ (۸۰۰ درہم) دس سال کی مدت تک عزاداری اور ان پر گریہ کرنے میں صرف کریں۔ عزاداری کی جگہ میدان منیٰ

---

[1] جامع الرواۃ ۲/۱۶۴

[2] رجال کشی / ۱۶۲ چاپ دانشگاہ مشہد

اور عزاداری کا زمانہ حج کا زمانہ ہے۔[1]

حج کا زمانہ دور افتادہ اور ناآشنا دوستوں کی وعدہ گاہ ہے۔ اگر کوئی پیغام ایسا ہو کہ جسے تمام عالم اسلام تک پہونچانا ہو تو اس سے بہتر موقع اور کوئی نہیں ہے۔ حج کے اعمال مسلسل چند دنوں تک متعدد مقامات پر انجام پاتے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ سب سے زیادہ مناسب جگہ منیٰ ہے چونکہ عرفات سے واپسی پر حاجی تین راتوں تک وہاں ٹھہرتے ہیں، اس لئے آشنائی اور ہمدردی کے لئے سب جگہوں سے زیادہ موقع وہیں ملتا ہے۔ اور یہ طبیعی بات ہے کہ اگر ان تین دنوں میں اس بیابان میں ہر سال مجلسِ عزا برپا ہو تو ہر آدمی کی نظر اس پر پڑے گی اور آہستہ آہستہ لوگ اس سے آشنا ہو جائیں گے اور خود ہی سوال کرنا شروع کر دیں گے کہ "کئی برسوں سے مدینہ کے کچھ لوگ ـــ وہ مدینہ جو مرکز اسلام اور مرکزِ صحابہ ہے ـــ حج کے زمانہ میں منیٰ میں مجلسِ عزا برپا کرتے ہیں وہ بھی عالم اسلام کی بلند شخصیت محمد ابنِ علی بن الحسین علیہم السلام کے لئے! تو کیا ان کی موت طبیعی نہ تھی؟ ان کو کس نے قتل کیا یا زہر دیا ہے؟ اور کیوں؟ آخر انہوں نے کیا کہا اور کیا کیا؟ کیا اس کا کوئی سبب تھا اور ان کی کوئی دعوت تھی؟ کیا ان کا وجود خلیفہ کے لئے خطرہ کا باعث تھا؟ دسیوں ابہام اس کے پیچھے دسیوں سوالات اور جستجو والی باتیں اور پھر صاحبانِ عزا یا اطلاع رکھنے والے ان لوگوں کی طرف سے، جو اس پراگندہ جمعیت میں شریک تھے، جوابات کا ایک سیلاب۔

یہ تھا امام محمد باقر علیہ السلام کا کامیاب نقشہ، شہادت کے بعد جہاد کا نقشہ اور یہ ہے اس پُر برکت زندگی کا وجود جن کی موت اور زندگی خدا کے لئے ہے۔

---

[1] بحار الانوار جلد ۴۶/ ۲۱۵ ح ۲۲۰ عن ابی عبد اللہ قال: قال لی ابی: یا جعفر اوقف لی من مالی کذا و کذا النوادب تندبنی عشر سنین بمنیٰ ایام منیٰ۔"

امام علیہ السلام کی شہادت

۷، ذی الحجہ سنہ ۱۱۴ھ کو ۵۷ برس کی عمر میں ظالم اموی بادشاہ ہشام بن عبد الملک کے ہاتھوں سے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام مسموم اور شہید ہوئے۔[1]

شہادت کی رات آپ نے اپنے فرزند حضرت جعفر ابن محمد علیہ السلام سے فرمایا کہ "میں آج کی رات اس دنیا کو چھوڑ دونگا۔ میں نے ابھی اپنے پدرِ بزرگوار کو دیکھا ہے کہ وہ خوشگوار شربت کا جام میرے پاس لائے ہیں اور میں نے اس کو پیا اور انہوں نے مجھے سرائے جاوید اور دیدارِ حق کی بشارت دی۔"

امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس خدا داد علم کے دریائے بیکراں کے تنِ پاک کو امام حسن مجتبیٰؑ اور امام زین العابدینؑ کے پہلو میں قبرستانِ بقیع میں سپرد خاک کیا۔[2]

---

[1] بحار الانوار جلد ۴۶/ ۲۱۷

[2] بحار الانوار جلد ۴۶/ ۲۱۳ — ۲۱۵

سوالات

(۱) امام محمد باقر علیہ السلام کس تاریخ کو پیدا ہوئے اور آپ نے حسین بن علی علیہ السلام اور اپنے پدرِ گرامی قدر امام زین العابدین علیہ السلام کے ساتھ کتنے دنوں تک زندگی بسر کی؟

(۲) امام محمد باقر علیہ السلام کے بارے میں پیغمبرؐ کی کیا پیش گوئی تھی؟

(۳) اخلاق امام محمد باقرؑ میں سے ایک نمونہ بیان فرمائیے؟

(۴) کن کن اموی خلفاء کے زمانہ میں امام تھے اور امام کے بارے میں انکی عمومی روش کیا تھی؟

(۵) خلافتِ ہشام کے بارے میں امام کا موقف بیان کیجیے۔

(۶) اسلامی تہذیب و ثقافت کے احیاء میں امام محمد باقرؑ کے کیا خدمات تھے؟

(۷) اسلامی تہذیب و ثقافت کی نشر و اشاعت جو خلیفہ کے غیظ و غضب کو بھڑکانے کا اصلی سبب تھی، اس میں امام کی اہم ترین فعالیت کیا تھی؟

(۸) امام محمد باقرؑ کے دبستانِ فکر کے تین اصحاب اور شاگردوں کا نام بتایئے؟

(۹) حضرت امام محمد باقرؑ کس تاریخ کو اور کیسے شہید ہوئے؟

سبق ۹

امام جعفر صادق علیہ السلام کی سوانح عمری

ولادت

آسمان ولایت کے چھٹے ستارے حضرت جعفر ابن محمد ۱۷ ربیع الاول کو اپنے جد بزرگوار، رسولِ خدا کی ولادت کے دن، ۸۶ھ میں مدینہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کی مشہور ترین کنیت "ابو عبد اللہ" اور معروف ترین لقب "صادق" تھا۔[1]

پدر بزرگوار امام محمد باقر علیہ السلام اور مادرِ گرامی ام فروہ بنت قاسم ابن محمد بن ابی بکر تھیں، جو امام جعفر صادق علیہ السلام کے قول کے مطابق پرہیزگار، باایمان اور نیکو کار خواتین میں سے تھیں۔[2]

آپ کی عمر مبارک ۶۵ سال کی تھی، ۱۲ سال آپ نے اپنے جد امام زین العابدین کی آغوش محبت میں اور ۱۹ سال اپنے پدر گرامی امام محمد باقر علیہ السلام کے ساتھ گذارے آپ کی امامت کا زمانہ ۳۴ سال — ۱۱۴ھ سے ۱۴۸ھ تک — رہا۔[3]

---

[1] اعلام الوریٰ / ۲۶۶، ارشاد مفید / ۲۷۰، مناقب ابن شہر آشوب جلد ۴ / ۲۷۹ - ۲۸۰

[2] اصول کافی جلد ۱ / ۴۷۲ "وکانت امی ممن آمنت واتقت واحسنت" بحار جلد ۴۷ / ۷

[3] بحار جلد ۴۷ / ۴ و ۶

امام کی پرورش کا ماحول

امام نے اپنی زندگی کا نصف زمانہ اپنے جد بزرگوار اور پدر عالیقدر کی تربیت میں گذارا۔ یہ قیمتی زمانہ آپ کے لئے ایسے بلند مدرسہ اور خاندان وحی سے علم و دانش او فضیلت و معرفتِ الٰہی کے کسب کا بہترین موقع تھا۔

امام علیہ السلام بچپن ہی سے رنج و مصائب کے ساتھ غمزدہ خاندان میں پل کر بڑے ہوئے امام زین العابدینؑ کے خاندان جیسا کوئی ہی گھرانہ ملے گا جس نے ایسے مصائب و آلام اور روحانی درد و الم کو دیکھا ہو۔ امام حسینؑ اور ان کے اصحاب کی شہادت کی جاں گداز یاد، معصوم بچوں اور اہلِ بیتِ رسول خدا کے اشکوں نے امام سجاد علیہ السلام کے خاندان کے تمام افراد کو ماتم اور دائمی رنج و غم میں مبتلا کر رکھا تھا۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایسے گھرانے میں آنکھیں کھولیں۔ اور جیسے جیسے بڑے ہوتے گئے، اپنے زمانہ کے سیاسی و اجتماعی حالات سے آشنا ہوتے گئے۔ اور آپ کی آنکھوں کے سامنے نئے نئے افق کے دروازے کھلتے گئے۔

آپ بہت قریب سے دیکھ رہے تھے کہ آپ کے جد و پدر کے ایک ایک عمل کی اور آپ کے گھر آنے جانے والے لوگوں کی اموی مشنری نگرانی کر رہی تھی، اور یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ آپ کے اصحاب کتنی زحمت اور دشواری کے ساتھ آپ سے ملاقات کر پاتے ہیں۔

دوسری طرف، دادا اور پدر بزرگوار کے پاس تشنگانِ علوم کے (ولو محدود تعداد میں) آنے جانے سے، مختلف علوم اسلامی اور علمی و فقہی بحثوں کا آپ نے مشاہدہ کیا تھا، اصولِ امامت کو مستحکم بنانے، احکام کو بیان کرنے، اسلام کی اصلی تہذیب کی نشر و اشاعت اور اہلِ بیت علیہم السلام کی روش پر قرآن کی تفسیر کی راہ میں اپنے والد کی کوششوں اور دشواریوں کا آپ نزدیک سے مشاہدہ فرما رہے تھے اور خاندان کے بڑے بیٹے کے عنوان سے ان تمام کاموں میں شریک تھے۔

امام کا اخلاق اور انکی سیرت

امام جعفر صادق علیہ السلام اسلامی اخلاق اور انسانی فضائل کا مکمل نمونہ تھے۔ جیسا کہ آپ نے خود اپنے پیروکاروں سے فرمایا: "کونوا دعاۃ الناس بغیر السنتکم۔"[1] "لوگوں کو بغیر زبان کے (اپنے عمل سے) دعوت دو! زندگی کے تمام پہلوؤں میں اسلام کی روشنی کا درس پہونچانے کے لئے آپ کی پوری زندگی وقف تھی۔

اب ہم آپ کے اخلاق و سیرت کے چند نمونوں کی طرف اشارہ کریں گے۔ اس امید کے ساتھ کہ آپ کے راستہ پر چلنے والوں اور آپ کے مکتب کی نگہبانی کرنے والوں کے لئے سرمشق قرار پائیں۔

الف۔ حلم و بردباری

حفص بن ابی عائشہ سے روایت ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے خدمت گذار کو کسی کام کے لئے بھیجا۔ لیکن جب دیر ہوگئی تو آپ خود ہی اس کام کے لئے نکل پڑے۔ غلام کو آپ نے دیکھا کہ ایک گوشہ میں سو رہا ہے آپ اس کے سرہانے بیٹھ کر اس کو پنکھا جھلنے لگے۔ غلام جب بیدار ہوا تو آپ نے اس سے صرف اتنا کہا کہ "یہ مناسب نہیں ہے کہ انسان دن میں بھی سوئے اور رات میں بھی، رات تمہارے لئے ہے لیکن دن ہمارے لئے ہے۔"[2]

ب۔ عفو اور درگذر

امام جعفر صادق علیہ السلام کو کسی نے خبر دی کہ آپ کے فلاں چچازاد بھائی نے لوگوں کے درمیان آپ کو

---

[1] الحیاۃ جلد ۱/ ۲۹۰، قرب الاسناد / ۵۲

[2] بحار جلد ۴۷/ ۵۶، مناقب جلد ۴/ ۲۷۴، اعیان الشیعہ جلد ۱/ ۶۶۳۔ الوسائل جلد ۱۱/ ۲۱۱

بہت برا بھلا کہا ہے۔ آپ اٹھے، وضو کیا، دو رکعت نماز پڑھی اور نماز کے بعد آپ نے رقتِ قلب سے فرمایا: "خدایا میں نے اپنا حق ادا کر دیا، تیرا جود و کرم سب سے زیادہ ہے تو اس سے در گذر کر اور اس کے اعمال کا مواخذہ نہ کر"[1]

ج۔ حاجت مندوں کی مدد

ابو جعفر خثعمی نقل کرتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایک تھیلی جس میں پچاس دینار تھے، ایک شخص کو دینے کے لئے مجھے دی اور آپ نے تاکید کی کہ میرا نام نہ بتانا جب میں نے تھیلی اس آدمی کو دی تو اس نے شکریہ ادا کیا اور کہا، یہ کس کی طرف سے امداد آئی ہے۔ وہ کون شخص ہے جو چند دنوں کے بعد ایک بار یہ امداد میرے پاس بھیج دیتا ہے جس سے ایک سال کا میرا خرچ چل جاتا ہے، لیکن اس کو امام صادقؑ سے گلہ تھا کہ آپ قدرت رکھتے ہوئے بھی ہماری مدد نہیں کرتے۔[2]

د۔ امام اور زراعت

ابو عمرو شیبانی نقل کرتے ہیں کہ: "امام جعفر صادق علیہ السلام کو میں نے دیکھا کہ موٹا اور کھردرا لباس پہنے ہوئے ہیں اور حالت یہ ہے کہ پسینہ بہہ رہا ہے، اور بیلچہ لے کر کھیت میں کام کر رہے ہیں میں نے عرض کی: "میں آپ پر قربان ہو جاؤں، بیلچہ مجھے دیدیں تاکہ آپ کے بجائے میں کام کروں آپ نے فرمایا" مجھے یہ پسند ہے کہ انسان حصولِ معاش کے لئے گرمی کی تکلیف برداشت کرے[3]"

1۔ مشکاۃ الانوار

2۔ بحار الانوار ج ۴۷/ ۵۴ - مناقب ج ۴/ ۲۷۳

3۔ ... انی احب ان یتاذی الرجل بحر الشمس فی طلب المعیشۃ بحار ج ۴۷/ ۵۷

امام کی شخصیت و عظمت

امام جعفر صادق علیہ السلام کی عظمت اور شخصیت کو نمایاں کرنے کے لئے اتنا کافی ہے کہ آپ کا سخت ترین دشمن، منصور دوانقی جب آپ کی خبر شہادت سے مطلع ہوا تو اس نے گریہ کیا اور کہا "کیا جعفر ابن محمد کی نظیر مل سکتی ہے؟"[1]

مالک ابن انس — جو اہل سنت کے چار اماموں میں سے ایک ہیں — فرماتے ہیں کہ: جعفر ابن محمد کے جیسا نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی انسان کے دل میں یہ خطور ہوا کہ علم و عبادت و پرہیزگاری کے اعتبار سے جعفر بن محمد سے برتر بھی کوئی ہوگا۔[2]

ابن ابی العوجاء — اس زمانہ کے مادہ پرستوں کا امام — امام کی شخصیت کا اعتراف کرتے ہوئے کہتا ہے "یہ (امام صادق) بشر سے بالاتر ہیں اگر زمین پر کسی روحانی کا وجود ہو سکتا ہے اور وہ بشر کی صورت میں تجلی ریز ہو تو وہ جعفر ابن محمد ہیں۔"[3]

امام کا علمی مقام

صرف امام جعفر صادقؑ کی بلند ترین علمی شخصیت اور ان کے علوم کا آوازہ اس زمانہ کے معاشرہ میں اتنا پھیلا کہ علمی محافل اور فضل و دانش کی مجالس میں نہایت عظمت و احترام کے ساتھ آپ کو "صادقِ آلِ محمد" کے لقب سے یاد کیا جانے لگا۔ دوست اور دشمن ہر ایک نے آپ کے

---

1. بحار جلد ۴۷/۱۱۳ ... "واین مثل جعفر؟"
2. الامام الصادق والمذاھب الاربعہ جلد ۱/۵۳ منقول از التہذیب جلد ۲/۱۰۴۔ مناقب ج ۴/۲۷۵۔ بحار ۴۷/۲۶
3. الامام الصادق والمذاھب الاربعہ جلد ۱/۵۴

علمی مقام کی برتری کے بارے میں زبان کھولی۔

ابو حنیفہ — اہلِ سنت میں حنفی مسلک کے امام — فرماتے ہیں کہ "میں نے جعفر ابن محمد سے زیادہ فقیہ کسی کو نہیں دیکھا ایک دن منصور کے حکم کے مطابق میں نے چالیس فقہی مسائل تیار کیئے تاکہ خلیفہ کے سامنے کسی جلسہ میں آپ سے سوال کروں، سوالات ہو جانے کے بعد امام جعفر صادق علیہ السلام نے ان میں سے ایک ایک سوال کے موارد اختلاف کے بارے میں ایسا کامل جواب دیا کہ سب نے اعتراف کر لیا کہ اختلاف آراء کے بارے میں آپ سب سے زیادہ علم و آگہی رکھتے ہیں۔[۱]

ڈاکٹر عبد القادر محمود — مصری دانشمند اور صاحب قلم، الامام الصادق رائد السنۃ و الشیعہ" — نامی کتاب کے مؤلف اپنی کتاب کے مقدمہ میں رقم طراز ہیں "امام جعفر صادقؑ اہل سنت اور شیعہ دونوں کے مرجع ہیں، اور اتنا معلوم ہونا کافی ہے کہ وہ فقہ کے ائمہ ابوحنیفہ اور مالک کے استاد اور کیمیا کے ماہر جابر بن حیان کے استاد ہیں، ان کا وجود ایک مکتب اور مذہب سے مخصوص نہیں ہے بلکہ سب سے متعلق ہے۔

امام جعفر صادقؑ کے ہم عصر زمامدارانِ حکومت

امام جعفر صادق علیہ السلام نے ۱۱۴ھ میں امت کی رہبری کی ذمہ داری اپنے ہاتھوں میں لی۔ چند خلفاء بنی امیہ و بنی عباس آپ کے ہم عصر تھے۔ خلفاء بنی امیہ میں سے ہشام ابن ملک ولید ابن یزید، یزید ابن ولید، ابراہیم ابن ولید، اور مروان حمار، اور خلفاء بنی عباس میں سے ابوالعباس سفّاح اور منصور دوانقی آپ کے ہمعصر تھے۔

بنی امیہ کے جرائم

۴۰ھ — امیر المؤمنین علیہ السلام کی شہادت کے بعد معاویہ کے ہاتھوں میں زمام حکومت

---

[۱] الامام الصادق والمذاہب الاربعہ جلد ۱/ ۵۳

آنے سے لے کر ۔۔۔ ۱۳۲ھ تک ۔۔۔ جو بنی امیہ کی حکومت کے ختم ہونے کا زمانہ ہے ۔۔۔ دنیائے اسلام عملی طور پر بنی امیہ کے قبضہ میں تھی۔

تقریباً ایک صدی تک امویوں کی حکومت تاریخِ اسلام کے ادوار میں سیاہ ترین حکومت تھی، اس زمانہ میں اسلام اور مسلمان بنی امیہ کے ہاتھوں کا کھلونا تھے۔ مسلمان، خاص کر خاندان نبوت کے پیرو شدت، سختی اور گھٹن میں زندگی بسر کرتے تھے۔ امیر المؤمنین علی علیہ السلام کیلئے ناروا الفاظ استعمال کرنا بنی امیہ کے منصوبوں میں سرِفہرست تھا۔ کربلا کا خوں چکاں حادثہ اور سید الشہداء حسینؑ ابن علیؑ کی شہادت اس گروہ کے جرائم کا اوج شمار کیا جاتا ہے۔ کربلا کے قتلِ عام کے بعد بھی بہت سے بزرگ شیعہ اور علویوں کو اہل بیت علیہم السلام کے طرفدار ہونے کے جرم میں یا تو قتل کر دیا گیا یا کئی سال تک تاریک اور خوفناک قیدخانوں میں نہایت بری حالت میں رکھا۔

ولید ابن عبد الملک نے حکومت حاصل کر لینے کے بعد اپنی پہلی تقریر میں کہا " جو بھی ہمارے سامنے سرکشی کرے گا ہم اس کو قتل کر دیں گے اور جو سکوت اختیار کرے گا سکوت کا درد اسے مار ڈالے گا"[۱]

بنی امیہ ملحد اور خدا سے غافل تھے انہوں نے ابتداء ہی سے دین اسلام اور پیغمبر اکرم سے ناقابل آشتی و دشمنی کر رکھی تھی۔ بعد کے واقعات اور بدر و احد وغیرہ کی جنگ پیغمبرؐ، امیر المؤمنینؑ اور آپ کے خاندان کے بارے میں کینہ میں شدت کا باعث بنی اور بعد میں جب بھی موقع ملا انتقاماً اسلام اور امت اسلامی کو ختم کرنے میں کسی بھی فریب و جرم کو فروگذاشت نہیں کیا گیا۔

---

[۱] تاریخ طبری ج ۶ ص ۴۲۳ ، تاریخ کامل ج ۴ ص ۵۲۳

بنی امیہ کی حکومت کے ختم ہونے کے وجوہات

"تاریخ میں خاندان بنی امیہ کے خلاف عراق، ایران، اور شمالی افریقہ کے مسلمانوں کے قیام کے اسباب بہت پھیلے ہوئے ہیں ہم ان وجوہات میں سے صرف ان تین وجوہات کو جو تمام وجوہات سے زیادہ امویوں کے تخت و تاج کو بربادی کے تیز اور تند طوفانوں تک لے گئے، ذکر کر رہے ہیں۔

۱۔ ائمہؑ کا مسلسل جہاد اور انکی پھیلائی روشنی:

اس میں کوئی شک نہیں کہ ائمہ اور ان کے اصحاب کی پھیلائی ہوئی روشنی اور ان کے مبارزہ خصوصاً واقعہ کربلا نے حکومت بنی امیہ کے خلاف نفرت اور شورش پھیلانے میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔ نمونہ کے طور پر ملاحظہ ہو: امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنی پوری زندگی — منجملہ ان کے ان برسوں میں جب بنی امیہ حکومت کر رہے تھے — جہاں تک بنی امیہ کی نگرانیوں اور پابندیوں نے اجازت دی آپ روشنی پھیلاتے اور ظلم و ستم کے ساتھ جنگ میں مصروف رہے۔

ہشام کی حکومت کے زمانہ میں ایک سال جب امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے پدر بزرگوار کے ساتھ حج کو تشریف لے گئے تھے۔ حجاج کے عظیم اجتماع میں آپ نے تقریر کی اور اس تقریر میں اہل بیتؑ کی امامت و رہبری کے بارے میں فرمایا:

"حمد و شکر اس خدا کا جس نے محمد کو حق کے ساتھ بھیجا اور ہم کو ان کے ذریعہ کرامت بخشی ہم لوگوں کے درمیان خدا کے منتخب بندہ ہیں۔ نجات وہ پائے گا جو ہمارا پیرو ہے اور بدنصیب و تیرہ بخت وہ ہے جو ہم سے دشمنی کرتا ہے کچھ لوگ زبان سے ہماری دوستی کا اظہار کرتے ہیں لیکن دل سے ہمارے دشمن کے دوست ہیں۔"[1]

---

[1] دلائل الامامت طبری/ ۱۰۴

اس تقریر کی وجہ سے ہشام نے حاکم مدینہ کو حکم دیا کہ ان دونوں بزرگواروں کو شام بھیج دو امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادق علیہ السلام دمشق پہونچے اور اموی خلیفہ کا برتاؤ دیکھا۔[1]

۲۔اقتصادی دباؤ :

پیداوار اور درآمد میں اضافہ کے امکانات پیدا کرنے کے بجائے حکومتِ اموی ٹیکس اور خراج وغیرہ وصول کرنے پر زیادہ زور دیتی تھی ۔ بہرحال وہ خلیفہ جس کے ہاتھ میں اقتدار آتا تھا وہ پہلے کی میزان کو اور بھی بڑھا دیتا تھا۔

انہوں نے تمام کسانوں اور کھیتی کرنے والوں کو مجبور کیا کہ — قانونی ٹیکس دینے کے علاوہ — ساسانیوں کی طرح "نوروز کا ھدیہ" کے نام سے کچھ مزید مال ان سے وصول کریں پہلا شخص جس نے اس کو قانونی شکل دی وہ معاویہ تھا اور صرف کوفہ اور اس کے اطراف کا ایک سال کا ھدیۂ نوروز ۱۳ ملین درہم سے زیادہ تھا اسی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ دوسری جگہوں، جیسے ہرات، خراسان وغیرہ، کا ھدیہ کتنا رہا ہوگا۔[2]

تمام جگہوں کی اقتصادی طور پر بری حالت تھی خاص کر عراق، جو بنی امیہ کے بڑے بڑے مالداروں کے رہنے کی جگہ اور زرخیز اور پُر برکت علاقہ تھا جو زیادہ تر خلیفہ یا حکومت کے سرکردہ افراد کے لئے مخصوص تھا ۔ زمامدارانِ حکومت اور ان کے اردگرد رہنے والوں کی لالچی طبیعت نے وسیع و عریض اسلامی ملک کی عجیب حالت بنا رکھی تھی۔[3]

1۔ دلائل الامامت طبری / ۱۰۴

2۔ تاریخ یعقوبی جلد ۲ / ۲۱۸

3۔ عراق میں ہشام کا گورنر خالد ابن عبد اللہ قسری پر یہ اتہام تھا کہ اس کی سالانہ آمدنی تیرہ ملین دینار ہے (البدایہ والنہایہ جلد ۲۳/۹) ہشام کی بیوی کے پاس ایسا لباس تھا جس کے تار سونے کے تھے اور اس پر گراں بہا نگینے جڑے ہوئے تھے اور اتنے تھے کہ اس کے بوجھ سے وہ چل نہیں سکتی تھی ۔ قیمت لگانے والے اس کی قیمت معین نہ کرسکے جب گورنر اور خلیفہ کی بیوی کی یہ حالت ہے تو پھر خود خلیفہ کی کیا حالت ہوگی (بنی الخفاء والخلفاء / ۲۸)

عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ میں کچھ دباؤ کم ہوا اور مالیات کے مشکلات حل ہوئے لیکن عمر ابن عبدالعزیز کے بعد حالات نے پلٹا کھایا اور پھر وہی صورت حال پیدا ہوگئی اور بحرانی حالت بڑھتی ہی رہی۔

۳۔ غیر عرب کو نظر انداز کرنا:

بنی امیہ کی حکومت عربیت کی بنیاد پر قائم ہوئی تھی انھوں نے تمام عہدے عربوں کو دے رکھے تھے اور اسلام کے دوسرے گروہ کو "موالی[1]" کے نام سے پکارتے تھے، نہ صرف یہ کہ ان کو حکومت کے عہدوں سے محروم کر رکھا تھا بلکہ ان کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ جو غیر عرب تھا اس کو بصرہ سے نکال دیا گیا تھا۔ یہ پناہ گزین اپنے مظاہرہ میں "واحمداہ! واحمداہ!" کا نعرہ لگاتے تھے اور وہ نہیں جانتے تھے کہ کہاں جاکر پناہ لیں[2]۔ کچھ کہتے تھے کہ: "تین چیزوں گدھا، کتا اور موالی، سے نماز ٹوٹ جاتی ہے[3]۔"

ایک دن معاویہ موالی کی بڑھتی ہوئی تعداد سے غصہ میں آیا اور اس نے ارادہ کیا کہ ان میں سے آدھے کو تہہ تیغ کردے لیکن "احنف" نے اس اقدام سے اسے روکا[4]۔

جب کوئی عرب نژاد آدمی سامان خرید کر واپس آتا تھا اور راستہ میں کسی عجمی کو دیکھ لیتا تو وہ اپنے سامان کو زمین پر رکھ دیتا تھا، اب عجمی کا فریضہ تھا کہ وہ اس کو گھر تک پہونچائے[5]۔

ان وجوہات ـــ اور دوسرے وجوہات ـــ کی بنا پر حکومت اموی کے خلاف یکے بعد دیگرے شورشیں اور ہنگامے برپا ہوئے اور ہر ایک پر یہ بات روشن ہوگئی کہ

---

[1] مولی کی جمع موالی ہے جس کے ایک معنی آزاد شدہ غلام کے ہیں شاید اسی مناسبت سے غیر عرب کو وہ لوگ موالی کہتے تھے

[2] السیادۃ العربیہ/ ۵۶، تاریخ التمدن الاسلامی جلد ۱/ ۲۷۴، الحیاۃ السیاسیۃ للامام الرضا/ ۲۶

[3] و [4]۔ العقد الفرید مطبوعہ مصر سنہ ۱۹۳۷ جلد ۲/ ۲۷۰، تاریخ التمدن الاسلامی جلد ۱/ ۲۷۴ الحیاۃ السیاسیۃ للامام الرضا/ ۲۶

[5] ضحی الاسلام جلد ۱/ ۲۵ الحیاۃ السیاسیۃ للامام الرضا/ ۲۷

سوائے حکمرانی اور تسلط حاصل کرنے کے امویوں کا اور کوئی دوسرا مقصد نہیں ہے۔

اس ہنگامہ گیر دور میں لوگ اس طرح اٹھ کھڑے ہوئے کہ ملک کا کنٹرول ان کے ہاتھوں سے نکل گیا اور مروان حمار — آخری اموی خلیفہ — کے زمانہ میں ملک کی حالت ایسی خراب ہو گئی تھی کہ اب دھماکہ ہونے ہی والا تھا۔

دوسری طرف لوگوں نے یہ جان لیا تھا کہ خاندان پیغمبرؐ کے افراد جو اسلامی معاشرہ میں محبوب ترین لوگ ہیں اور عدالت و تقویٰ کا نمونہ شمار کئے جاتے — اور صرف یہی محکم اور قابل اطمینان مرکز ہیں کہ جن کو سامنے لائے بغیر نجات کا کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔ درحقیقت اہل بیت علیہم السلام امتِ اسلامی کا زندہ مقصد تھے جو سب کے جسم میں زندگی کی روح پھونک رہے تھے۔

اسی وجہ سے تمام تحریکیں اور انقلابات "رضائے آلِ محمدؐ" کے نعرہ کے ذریعہ ایران، عراق اور شمالی افریقہ میں رشد کی منزل تک پہونچے اور آخر کار نوّے[۹] سالہ حکومت بنی امیہ کا خاتمہ کر دیا۔

امام اور تحریکوں کا رابطہ

انقلاب کے شروع میں تمام آنکھیں امام جعفر صادق علیہ السلام پر لگی ہوئی تھیں اس لئے کہ

---

[۹] جو تحریکیں بنی امیہ کے خلاف اٹھیں ان میں مکمل طور پر مذہبی رنگ و وجوہات تھے۔ مثلاً ۱۔ اہل مدینہ کی تحریک "واقعہ حرّہ" ۲۔ قاریان کوفہ و عراق کی تحریک ۸۳ھ میں "دیر جماجم" کے عنوان سے اور ان سے پہلے مختار اور توابین کا قیام ۶۷ھ میں ۳۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے نام پر ۱۲۶ھ میں یزید بن ولید کا معتزلیوں کے ساتھ قیام۔ ۴۔ عبد اللہ ابن زبیر کا قیام جو شام کے علاوہ دوسرے علاقوں پر مسلط تھے۔ ۵۔ وہ شورش جو ھشام کے خلاف افریقہ میں برپا ہوئی۔ ۶۔ وہ تحریک جو خوارج نے "طالب الحق" نامی شخص کی رہبری میں اٹھائی تھی۔ ۷۔ حارث بن سریع کا ۱۱۶ھ میں قیام جو لوگوں کو کتاب خدا اور سنتِ رسولؐ کی طرف دعوت دے رہا تھا۔ ۸۔ زید بن علی ابن الحسین کا —

ان سے زیادہ مناسب کوئی اور نہ تھا جن کو لوگ پہچانتے ہوں، لیکن امام علیہ السلام چونکہ لوگوں کی نیتوں اور ان کے ضمیر سے آگاہ تھے اس لئے آپ نے پہلے ہی دن سے موافقت کا اظہار نہیں کیا ہر چند کہ آپ نے اختلاف بھی نہیں کیا۔ امام جانتے تھے کہ ہر قیام ولو "رضائے آلِ محمد" کے نام پر ہو رہا ہے لیکن مقصد کچھ اور ہی ہے کامیابی کے بعد انقلاب کا رخ کو موڑ کر وہ لوگ اپنے نام سے انجام کو پہونچائیں گے اور اس حقیقت کو امام کے ارشادات سے معلوم کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ عبد اللہ ابنِ حسن نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے خواہش ظاہر کی وہ دعوت میں پیشقدمی کرنے والے سفاح اور منصور کے ساتھ ہو جائیں آپ نے فرمایا: ان دونوں کی نیت صاف نہیں ہے، تمہارے اور ہمارے نام سے "رضائے آلِ محمد" کے نعرہ کے سایہ میں انہوں نے ایک تحریک چلا رکھی ہے لیکن نتیجہ کے موقع پر تم کو اور تمہارے دونوں بیٹوں کو پیچھے ڈھکیل کر اپنے کو لوگوں کے حکمراں کی حیثیت سے پہنچوائیں گے[1]۔

۲۔ سدیر صیرفی کی دعوت میں تعاون کرنے کے جواب میں بھی امام علیہ السلام نے فرمایا: "ان لوگوں میں اخلاص نہیں دیکھ رہا ہوں[2]۔"

۳۔ ابو مسلم خراسانی نے، جس نے عباسیوں کو حکومت تک پہونچایا، ایک خط میں امام جعفر صادقؑ کو لکھا "میں لوگوں کو اہلِ بیت کی دوستی کی طرف دعوت دیتا ہوں کیا آپ اس بات کی طرف مائل ہیں کہ میں آپ کی بیعت کروں؟ امام علیہ السلام نے جواب دیا" نہ تم ہمارے مکتب کے آدمی ہو اور نہ زمانہ ہمارا زمانہ ہے[3]۔

(گذشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ) سنہ ۱۲۰ھ میں قیام اور دوسرا قیام۔ البتہ کچھ شورشیں حکمرانی کی غرض سے بھی برپا ہوئیں جیسے قیام آلِ مھلب (۱۰۲ ہجری) قیام مطرف بن مغیرہ (الحیاۃ السیاسیۃ للامام الرضاؑ ۲۲)

[1] زندگانی پیشوایانِ اسلام تحریر استاد جعفر سبحانی / ۴۷

[2] زندگانی پیشوایان اسلام مصنفہ استاد جعفر سبحانی / ۴۷، منقول از اصول کافی

[3] الملل والنحل شہرستانی جلد ۱ / ۱۵۴، ینابیع المودۃ / ۳۸۱ - الحیاۃ السیاسیۃ للامام الرضا / ۴۱

بنی عباس کا زمانہ

بنی عباس "عبد المطلب ابن عباس" پیغمبرؐ کے چچا کی اولاد سے تھے انہوں نے شروع میں سید الشہداءؑ کے خون کے انتقام اور خوشنودی آلِ محمدؐ اور امویوں کے ظلم وستم سے نمٹنے کے نام پر لوگوں کو اپنے اردگرد جمع کیا اور ایرانی، جو اولاد علیؑ سے محبت کرتے تھے ان سے فائدہ اٹھایا اور انہوں نے بنی امیہ سے جنگ کی تاکہ امویوں سے حکومت لے کر جو اس کا حقدار ہے اس کے حوالے کردیں گے اور انجام کار انہوں نے ابو مسلم خراسانی اور ایرانیوں کی مدد سے، جو اُن کے اردگرد جمع تھے بنی امیہ کو درمیان سے نکال باہر کردیا۔ لیکن خلافت کو امام وقت جعفر بن محمدؑ کے حوالہ کرنے کے بجائے خود ہی اس پر قبضہ کر لیا۔[۱]

آغاز میں بنی عباس نے اسلام کو ظاہر کرکے اس عنوان سے کہ "ہم آلِ پیغمبرؐ ہیں" یہ کوشش کی کہ اپنے کو رسولِ خدا کا حقیقی وارث اور خلافت کے لئے نہایت موزوں ظاہر کریں۔ اور چونکہ وہ دوسروں کی بہ نسبت یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ وہ اس منصب کے لائق نہیں ہیں۔ اس لئے محض اقتدار کے ہاتھ میں آتے ہی، سابقہ ظالموں کی طرح انہوں نے بھی اپنی سلطنت کی حفاظت کیلئے امام جعفر صادقؑ اور ان کے چاہنے والوں پر سختی اور دباؤ ڈالنا شروع کردیا اور ہر ممکن کوشش کی کہ معاشرہ کو خاندانِ نبوت سے دور ہی رکھا جائے تاکہ جس حکومت کو دودمانِ پیغمبرؐ کے نام سے اسلام کا اظہار کرکے حاصل کیا ہے کہیں وہ ہاتھ سے نکل نہ جائے۔

بنی عباس کے پہلے خلیفہ سفاح نے چار سال تک اور دوسرے خلیفہ منصور نے ۲۲ سال تک یعنی امام جعفر صادقؑ کی شہادت کے دس سال بعد تک اقتدار کو اپنے ہاتھ میں رکھا۔

امام علیہ السلام نے اس تمام مدت میں خصوصاً منصور کے دورِ حکومت میں بڑی دشواری

---

[۱] تفصیل کیلئے کتاب الحیاۃ السیاسیۃ للامام الرضا/ ۶۳ - ۲۹ ملاحظہ ہو۔

اور نگرانی میں زندگی گذاری اگرچہ آپ نے حکومت کے ذریعہ سچے اسلام کے خدوخال کو دنیا کے سامنے پیش نہ کیا۔ لیکن مناسب حالات میں حکام وقت پر اعتراض اور ان کو ٹوکنے سے بھی گریز نہیں کیا۔ جب منصور نے ایک خط کے ذریعہ چاہا کہ آپ اس کو نصیحت کریں تو آپ نے اس کے جواب میں لکھا "جو دنیا کو چاہتا ہے وہ تم کو نصیحت نہیں کر سکتا اور جو آخرت کو چاہتا ہے وہ تمہارا ہم نشین نہیں ہو سکتا[1]"۔

ایک دن منصور کے چہرہ پر ایک مکھی بیٹھ گئی ایسا بار بار ہوتا رہا یہاں تک کہ منصور تنگ آگیا اور اس نے غصہ میں امام جو وہاں تشریف فرما تھے۔ پوچھا کہ "خدا نے مکھی کو کیوں پیدا کیا ہے؟ امام نے فرمایا: "تاکہ جو جابر ہیں انہیں ذلیل اور رسوا کرے[2]"۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے ہر ممکن صورت میں اپنے روشن بخش بیانات میں ولی امر اور اسلام کی باگ ڈور سنبھالنے والوں کے شرائط کو بیان فرمایا اور حکومت بنی عباس کے اصلی چہرہ اور اس کی شکل وصورت کو واضح کر دیا۔

ایک دن آپ کے اصحاب میں سے ایک صحابی نے آپ سے پوچھا کہ آپ کے کچھ پیرو تنگدستی میں گذر بسر کر رہے ہیں ان کو یہ پیشکش ہوئی ہے کہ ان (بنی عباس) کے لئے گھر بنائیں نہریں کھودیں اور اس طرح اجرت حاصل کریں، یہ کام آپ کی نظر میں کیسا ہے؟ آپ نے فرمایا میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ ان کے لئے ایک گرہ بھی ڈالوں یا ایک خط بھی کھینچوں چاہے وہ اس کے لئے کتنے ہی پیسے کیوں نہ دیں اس لئے کہ جو لوگ ظالموں کی مدد کرتے ہیں، قیامت میں آگ کی قناتیں ان کو اپنے گھیرے میں لئے رہیں گی یہاں تک خدا بندوں کے درمیان فیصلہ کرے[3]۔

---

[1] بحار/۴۷/۱۸۴ "... من اراد الدنیا لا ینصحک و من اراد الآخرۃ لا یصحبک۔

[2] ۔ "... فقال المنصور یا اباعبد اللہ لم خلق اللہ الذباب؟ قال لیذل بہ الجبابرۃ، مناقب جلد/۴/۲۱۵ الفصول المھمہ/۲۲۶، کشف الغمہ جلد ۲/۱۵۸، بحار جلد ۴۷/۱۶۶

فیصلہ کرے[1]۔"

امام جعفر صادق علیہ السلام کا اصلاحی منصوبہ

بحرانی حالات اور آپس کی رسہ کشی اور مخالفوں سے جنگ، نیز وہ زمین جو امام محمد باقرؑ نے پہلے سے ہموار کی تھی یہ سب مل کر اس بات کا سبب بنے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام وہی سچے مظہر اُمید قرار پائیں جن کا انتظار شیعوں نے مدتوں کیا تھا۔ اور وہی "قیام کرنے والا" ٹھہریں جو اپنے اسلاف کے طولانی مجاہدات کو نتیجہ تک پہونچائے گا ۔۔ اشارے یہاں تک کہ کبھی امام محمد باقر علیہ السلام کی صراحت بھی اس نہال آرزو کی پرورش میں موثر رہی ہے۔

جابر ابن یزید نقل کرتے ہیں: کسی نے امام محمد باقرؑ سے ان کے بعد قیام کرنے والے کا نام پوچھا! تو امام نے ابو عبداللہ (امام جعفر صادق) کے شانہ پر ہاتھ رکھا اور فرمایا: "بخدا یہ ہے آلِ محمد کا قیام کرنے والا[2]۔"

"قیام" ائمہ اور شیعوں کے عرف میں وہی مفہوم رکھتا تھا جو مفہوم اس کلمہ سے آج سمجھا جاتا ہے۔ قیام کرنیوالا وہ شخص ہے جو مسلط طاقت کے خلاف اور اسلام کی حاکمیت کے لئے اجتماعی لحاظ سے سطح پر اٹھ کھڑا ہو اس مفہوم کا لازمہ جنگی قدرت نمائی نہیں ہے لیکن ہر جہت سے تعرض اور حملہ کو ضرور ظاہر کرتا ہے۔

---

[1] وسائل جلد ۱۲/ ۱۲۹ "...... صاحبُ انّی عقدت لهم عقدة او وکیت لهم وکاءً وانّ لی مابین لابتیها و لامدّة بقلم إن اعوان الظلمة یوم القیامة فی سرادق من نارٍ حتی یحکم الله بین العباد"

[2] بحار جلد ۴۷/ ۱۳، کافی جلد ۱/ ۳۰۷، ارشاد مفید/ ۲۷۱ "قال سئل ابوجعفر عن القائم بعده فضرب بیده علیٰ ابیعبدالله فقال: هذا والله قائم آل محمدؐ"..

اس بنا پر امام جعفر صادق علیہ السلام اپنی ایک تعرض آمیز اصلاحی تحریک شروع کرتے ہیں لیکن یہ ان کا قیام آخری مرحلہ (یعنی جنگی اقدام) تک اور آخرش قدرت حاصل کر لینے تک پہونچے گا یا نہیں؟ یہ وہ باتیں ہیں جن کا تعین آئندہ کے واقعات اور پیشرفت کی کیفیت پر مبنی ہے۔

ان سے پہلے دو امام ـــ امام زین العابدین اور امام محمد باقر علیہما السلام ـــ اس دشوار راستہ کے پہلے مرحلہ کو سر کر لے لئے۔ اب ان کی باری ہے کہ یہ آخری قدم اٹھائیں اور اپنے باپ دادا کی کوشش کو نتیجہ تک پہونچائیں۔ اتفاق سے سیاسی اور اجتماعی حالات بھی ـ جیسا کہ اشارہ کیا جا چکا ـــ سازگار ہیں ـــ امامؑ نے مناسب حالات سے استفادہ کرتے ہوئے بنیادی کام اور اپنی سخت ذمہ داری کو شروع کر دیا۔

ہم اس مقام پر آپ کی ۳۴ سالہ امامت کے پرثمر اور سعی و کوشش سے بھرپور زندگی کے اہم کاموں میں سے دو نمایاں کارناموں کی طرف اشارہ کر رہے ہیں:

۱۔ امامت کے مسئلہ کا بیان اور اس کی تبلیغ۔

۲۔ اسلامی تہذیب و ثقافت کا بیان اور اس کی نشر و اشاعت اور جعفری دانشگاہ کی داغ بیل ڈالنا۔

الف۔ مسئلہ امامت کا بیان اور اس کی تبلیغ

پیغمبرؐ کی رحلت کے بعد سے ہی ائمہ شیعہ کی تبلیغ میں سر فہرست اہل بیت پیغمبرؐ کی امامت کا اثبات رہا ہے۔ اس موضوع کو امام زادوں کی تحریک میں بھی مشاہدہ کیا جا سکتا ہے جیسا کہ زید ابن علی ابن الحسینؑ اس کی واضح مثال ہیں۔

امام جعفر صادقؑ کی تبلیغ بھی اس کلیہ سے باہر نہ تھی۔ آپ نے اس بات کی تبلیغ و اشاعت کے وقت اپنے آپ کو ایسے جہاد کے مرحلہ میں پایا جہاں حکام وقت کی نفی کرنا اور اپنے کو ولایت و امامت کے حقیقی حقدار کے عنوان سے لوگوں کے سامنے پہچنوانا چاہئے۔ حتی کہ آپ نے

اس سلسلہ میں اسی پر بس نہیں کیا بلکہ آپ اپنے نام کے ساتھ ائمہ اور اپنے اسلاف کا نام بھی بتاتے ہیں اور اس بیان کے ساتھ اپنی امامت کو اپنے اسلاف کی امامت پر مرتب ہونے والا لازمی نتیجہ شمار کرتے ہیں اور یہ بتانے کے لئے کہ ہم وہ نہیں ہیں جنکی کوئی اصل نہ ہو، اپنے سلسلہ کو پیغمبر سے متصل کرتے ہیں۔

اس تاریخی حقیقت کو ثابت کرنے کیلئے بہت سی روایتیں موجود ہیں۔ نمونہ کے طور پر" عمر ابن ابی المقدام" کی روایت، جو شاید اس باب میں ذکر ہونے والی روایتوں میں، بہترین روایت ہے اسے پیش کرتے ہیں۔

وہ نقل کرتے ہیں کہ: امام جعفر صادقؑ کو ہم نے دیکھا کہ ۹ ذی الحجہ (روز عرفہ) صحرائے عرفات میں لوگوں کے درمیان کھڑے ہیں اور بلند آواز سے (اس پیغام کو) آپ نے تین مرتبہ دُہرایا: "ایها الناس: ان رسول الله کان الامام، ثم کان علی بن ابی طالب ثم الحسن، ثم الحسین، ثم علی بن الحسین، ثم محمد بن علی ثم هـ...[1]" یعنی اے لوگو! (مسلمانوں کے) پیشوا پیغمبرؐ تھے ان کے بعد علی ابن ابی طالب اور ان کے بعد (ان کے بیٹے) حسن اور ان کے بعد حسین، حسین کے بعد علی ابن الحسین پھر محمد ابن علی اور ان کے بعد میں امام ہوں، لہٰذا جو سوال پوچھنا ہو پوچھو۔

امام نے چہرہ کو داہنی طرف موڑا اور تین مرتبہ اسی پیغام کو پیش کیا پھر بائیں طرف آپ نے رخ کیا اور تین بار اسی کی تکرار کرتے رہے۔ پھر پیچھے مڑے اور پھر اسی آواز کو بلند کیا اور وہی پیغام دُہراتے رہے اس طرح آپ نے بارہ مرتبہ اپنی بات بیان کی اور امامت کے پیغام کو بلند آواز سے میدانِ عرفات میں جمع ہونے والے ان تمام لوگوں کے کانوں تک پہونچایا[2]

---

[1] راوی بیان کرتا ہے کہ میں جب منیٰ میں آیا تو میں نے اہل لغت اور عربی جاننے والوں سے "هـ" کے بارے میں سوال کیا تو لوگوں نے کہا "هـ" فلاں قبیلہ کی زبان ہے اور اس کے معنی اس طرح سے ہیں "انا فاسئلونی" یعنی میں، لہٰذا مجھ سے سوال کرو۔

[2] بحار، ج ۴۷/ ۵۸ منقول از کافی

جو مسلم علاقوں سے آئے ہوئے تھے۔ تاکہ اس طرح تمام دنیائے اسلام میں یہ پیغام پھیل جائے۔

ب۔ اسلامی ثقافت کی نشر و اشاعت

یہ پیغام علمی اور فکری انتھک کوشش سے، فکری اور اسلامی ثقافت کے میدان میں ان کے مبادی کی گہرائی اور مضبوطی کی شکل اختیار کی۔ ائمہ کی زندگی میں اس کی جو شکل تھی اس سے زیادہ واضح، نمایاں اور وسیع صورت میں اس کو دیکھا جاسکتا ہے۔ یہاں تک کہ فقہ شیعہ نے "فقہ جعفری" کا نام اختیار کیا اور جنہوں نے امام کے سیاسی کام کو نظر انداز کیا ہے وہ بھی اس بات پر متفق ہیں کہ آپ کے پاس وسیع ترین علمی اور فکری وسائلِ تعلیم موجود تھے۔

آپ کی علمی تحریک اس قدر پھیلی کہ اس نے تمام اسلامی علاقوں کو اپنے حلقہ میں لے لیا، لوگ ان کے علم کا چرچا کرنے لگے اور تمام شہروں میں ان کی شہرت ہو گئی[1]۔

آپ ایک بہت بڑی اسلامی دانش گاہ جس کی داغ بیل آپ کے پدر بزرگوار نے ڈالی تھی، تشکیل دینے، اس میں چار ہزار افراد کو مختلف علوم میں تربیت کرنے[2] اور ایسی اہم شخصیتوں کو عالم اسلام کے حوالہ کرنے میں کامیاب ہو گئے جو اپنے زمانہ کے روشن چراغ اور محققینِ وقت گذرے ہیں۔

آپ کے کارنامے محض تفسیر، حدیث اور فقہ میں منحصر نہیں تھے بلکہ آپ فلسفہ، کلام ریاضیات اور علم کیمیا میں بابِ علم وا کرنے میں کامیاب رہے، ہشام بن حکم، مفضل بن عمر مومن طاق، ہشام ابن سالم فلسفہ و کلام میں آپ کے ممتاز شاگرد تھے۔ زرارہ، محمد ابن مسلم جمیل بن درّاج، حمران ابن اعین، ابو بصیر اور عبد اللہ ابن سنان فقہ، اصول اور تفسیر میں

---

[1] الصواعق المحرقہ / ۱۲۰

[2] مناقب ابن شہر آشوب جلد ۴ / ۲۴۷، ارشاد مفید / ۲۷۱، بحار جلد ۴۷ / ۲۷

ماہر تھے، جابر ابن حیان ریاضیات اور کیمیا میں، جابر جو ـــ بابائے کیمیا کہے جاتے ہیں ـــ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے علم کیمیا حاصل کیا اور اس سلسلہ میں کتابیں لکھی، لیبارٹری قائم کی اور قابلِ قدر اختراعات چھوڑے۔[۱]

جو بات یہاں بیان کی جانی چاہئے ـــ جو کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کی زندگی کے بارے میں جستجو کرنے والے بہت سے لوگوں سے پوشیدہ رہ گئی ہے ـــ وہ اس تحریک کا سیاسی اور معترضانہ مفہوم ہے۔

مقدمہ کے طور پر یہ بات جان لینی چاہیئے کہ خلافت اسلامی فقط ایک سیاسی مشنری نہیں ہے بلکہ خلافت ایک سیاسی اور مذہبی قیادت کا نام ہے اور اسلام میں خلیفہ سیاست کے علاوہ لوگوں کے دینی امور اور مذھبی پیشوائی کا بھی ذمہ دار ہے۔

یہ حقیقت اس بات کا سبب بنی کہ خلافت کی پہلی کڑی سے لے کر بعد تک کے حکمرانوں کو چونکہ دینی واقفیت کا بہت کم حصہ ملا تھا یا کلی طور پر دین سے بے بہرہ تھے اس لئے اس کمی کو اپنے سے وابستہ رہنے والی دینی شخصیتوں سے پوری کرتے رہے اور اپنی حکومت سے کرائے کے فقہاء، مفسرین اور محدثین کو ملحق کر کے یہ چاہا کہ دین و سیاست مرکب ہو جائیں اور ضرورت کے موقع پر اپنے منشاء کے مطابق آسانی سے ـــ ان لوگوں کے ذریعہ ـــ احکام دین کو مصلحت کے تقاضہ کے مطابق بدل دیں۔

اس مقدمہ کے بعد بڑی وضاحت کے ساتھ یہ بات سمجھی جاسکتی ہے کہ "فقہ جعفری" خلافت سے وابستہ فقیہوں کے مقابل محض ایک دینی عقیدہ کا معمولی اختلاف نہ تھا۔ بلکہ مندرجہ ذیل دو معترضانہ مضامین کا حامل تھا۔

۱۔ حکومت کی دینی آگہی سے ناواقفیت، اور لوگوں کے فکری امور کی ذمہ داری لینے

---

[۱] ر۔ک۔ مطمح الانظار شرح حال جابر اور تاریخ ابن خلکان ترجمہ امام صادقؑ

کے بارے میں کمزوری کا اظہار اور نتیجتاً اس بات کو ثابت کرنا کہ حکومت میں خلافت کے عہدہ کی ذمہ داری قبول کرنے کی صلاحیت نہیں ہے۔

۲۔ احکام فقہی کے بیان میں مصلحت اندیشی کی بنا پر جن مقامات پر تحریف ہوئی ہے ان موارد کی نشان دہی کرنا اور فقیہوں کی حکومت کرنے والی طاقت کی خواہشوں کی پیروی کو طشت از بام کرنا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فقہ، معارفِ اسلامی اور تفسیرِ قرآن کو حکومت سے وابستہ علماء کے طریقہ کے خلاف ایک الگ طریقہ سے بیان کر کے عملی طور پر اس مشنری کے خلاف جہاد کے لئے اٹھے اور حکومت کی مذہبی نقاب کو پلٹ دیا۔

امام علیہ السلام کو ان کی تدریسی اور فقہی کارکردگی پر منصور کی طرف سے دھمکی اور دباؤ کا سامنا کرنا نیز حجاز و عراق کے معروف فقہاء کو حکومت کے دارالسلطنت میں پلٹ آنے پر منصور کا اصرار اسی احساس اور توجہ کا نتیجہ تھا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام ضروری حالات میں اسی تنقیدی مضمون کو جو ان کے فقہ اور تفسیر کے درس میں تھا، لوگوں کے درمیان رکھتے ہیں ایک حدیث میں آپ سے منقول ہے کہ ہم ہی وہ ہیں کہ جن کی فرماں برداری کو اللہ نے واجب قرار دیا ہے جبکہ تم ان لوگوں کی پیروی کرتے ہو کہ جن کی جہالت کی بنا پر لوگ اللہ کے سامنے کوئی عذر پیش نہیں کر سکتے۔[۱]

خلاصہ یہ کہ امام نے اپنی علمی تحریک اور خلافت کی مشنری سے وابستہ ان علماء اور امواج فاسد کی رائج دین شناسی سے اپنی معترضانہ روش کے ساتھ جن کو اموی اور عباسی حکومت کے سیاسی حالات نے پیدا کر دیئے تھے، مذہبی اور قومی کشمکش کو مذکورہ بالا دو حصوں میں اور بھی شدید کر دیا اور مبارزہ کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

۱۔ نحن قوم فرض اللہ طاعتنا وانتم تأتمون بمن لا یعذر الناس بجہالتہ ۔ ۱۸۲، ۱۶، ۱۲

غالیوں، زندیقوں، مرجئہ، خوارج، متصوفہ اور مختلف گروہوں اور دستوں کے انحرافی راستوں کو، اپنے مباحثہ اور مناظرہ کے ذریعہ امت اسلامی کے لئے طشت از بام کر دیا[1] - ان گروہوں نے انحراف پھیلانے کے لئے سازگار حالات بنا لئے تھے۔

شہادت امام جعفر صادق علیہ السلام

منصور، ظالم بنی عباس کا ظالم خلیفہ باوجود اس کے کہ اس نے امام کو اپنی نگرانی اور اور نہایت محدود ماحول میں رکھا تھا، آپ پر اپنے جاسوس مقرر کر دیئے تھے، پھر بھی آپ کے اس وجود کو معاشرہ میں برداشت نہ کر سکا جس کی امامت اور رہبری کا آوازہ دور دراز کے اسلامی علاقوں میں پھیل چکا تھا۔ اس نے آپ کو زہر دینے کا ارادہ کر لیا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام ۲۵ شوال ۱۴۸ھ کو ۶۵ سال کی عمر میں منصور کے ذریعہ زہر سے شہید ہوئے آپ کے جسم اقدس کو آپ کے پدر گرامی کے پہلو میں بقیع میں سپرد خاک کر دیا[2]۔

دانش گاہِ جعفری کے تربیت یافتہ افراد

(برائے مطالعہ)[3]

امام جعفر صادق علیہ السلام کی بڑی درس گاہ میں بہت سے ایسے شاگردوں نے پرورش

---

[1] امام محمد باقر اور امام صادق علیہما السلام کی زندگی کی تاریخ کی تنظیم اور تدوین میں کتاب "پیشوای صادق" مصنفہ استاد اور امام شناس محقق، رہبر جمہوری اسلامی حضرت آیت اللہ سید علی خامنہ ای سے دوسری کتابوں کی بہ نسبت زیادہ استفادہ کیا گیا ہے۔

[2] کافی جلد ۱/ ۴۷۲، بحار جلد ۴۷/ ۱، اعلام الوری/ ۲۶۶، مناقب جلد ۴/ ۲۸۰ - ارشاد مفید/ ۲۷۱

[3] امام جعفر صادق علیہ السلام کی زندگی کے بارے میں ایک حصہ یہاں، چونکہ اس حصہ کا حجم دوسرے حصوں سے زیادہ ہو گیا لہٰذا اسے آخر میں رکھا گیا ہے۔

پائی جنہوں نے مختلف مضامین میں علوم و معارفِ اسلام کو حاصل کر کے دوسروں تک منتقل کیا۔
ہم ان کے بلند مقام اور بزرگی کو ظاہر کرنے کے لئے ان شاگردوں میں سے جنہوں نے اس درس گاہ میں تربیت پائی تھی چند نامور شاگردوں کا اختصار سے تعارف کرائیں گے۔[۱]

حمران بن اَعیَنؒ

اعین کا خاندان عام طور پر ائمہ علیہم السلام کا پیرو تھا، حمران اور ان کے بھائی "زرارہ" دونوں شیعوں کی نمایاں شخصیتوں میں سے شمار ہوتے تھے اور اپنے زمانہ کے دانش مند و با فضیلت افراد تھے۔ امام محمد باقر اور امام جعفر صادق کے بزرگ صحابہ میں شمار کئے جاتے تھے۔

حمران کی معنوی بزرگی اور ممتاز مقام کے حامل ہونے کے علاوہ علوم قرآن اور دیگر علوم علم نحو، لغت، ادبیات عرب" میں بھی صاحب نظر تھے ان کے نظریات سے ان کے بعد آنیوالے دانش مند استناد کرتے رہے۔[۲]

امام جعفر صادق علیہ السلام نے ان کے بارے میں فرمایا "حمران بن اعین" ایک ایسے باایمان شخص ہیں جو ہرگز اپنے دین سے پلٹنے والے نہیں ہیں، نیز آپ نے فرمایا "حمران اہل بہشت سے ہیں۔[۳]

ہشام بن سالم نقل کرتے ہیں کہ ایک دن ایک جماعت کے ساتھ میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا۔ اہل شام میں سے ایک شخص وہاں وارد ہوا .... امام نے اس سے پوچھا کیا چاہتے ہو؟ اس نے کہا ... میں آپ سے مناظرہ کے لئے آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا کس چیز کے بارے میں مناظرہ کرنا چاہتے ہو؟ اس نے کہا: کہ قرآن کے بارے میں، امام نے اس کو "حمران" سے رجوع کرنے

۱۔ یہ بتا دینا ضروری ہے کہ "امام محمد باقر علیہ السلام" کی زندگی والے حصہ میں بھی امام جعفر صادق اور امام محمد باقر علیہما السلام کے شاگردوں میں سے چند افراد کا اجمالی تذکرہ ہوا ہے۔

۲۔ قاموس الرجال جلد ۳/ ۴۱۳

۳۔ رجال کشی / ۱۷۶، ۱۸۰

کے لئے کہا، اس نے کہا کہ میں آپ سے مناظرہ کرنے آیا ہوں نہ کہ حمران سے! آپ نے فرمایا: اگر تم نے حمران کو شکست دیدی تو گویا تم نے مجھ پر کامیابی حاصل کرلی۔

وہ شامی حمران کے ساتھ بحث کرنے لگا اس نے جو بھی پوچھا بڑا مستند جواب ملا یہاں تک کہ وہ تھک گیا، امامؑ نے اس سے پوچھا تم نے حمران کو کیسا پایا؟ اس نے کہا وہ ایک ماہر استاد ہیں میں نے جو پوچھا انہوں نے اس کا جواب دیا۔[۱]

مفضّل ابن عمر

مفضل امام جعفر صادق علیہ السلام کے بزرگ اصحاب میں سے ایک صحابی تھے اور ایک مشہور فقیہ شمار کئے جاتے ہیں جو امام کے بعض امور کے ذمہ دار تھے۔[۲]

شیعوں کا ایک وفد مدینہ میں آیا اور اس نے امامؑ سے خواہش ظاہر کی کہ کسی ایسے شخص کا ان سے تعارف کرادیں کہ جس سے دینی امور میں ضرورت کے وقت رجوع کیا جاسکے امام نے فرمایا جس کسی کا کوئی سوال ہو وہ آئے اور مجھ سے دریافت کرلے ان لوگوں نے اصرار کیا کہ آپ ضرور کسی کا تعارف کرائیں۔ امام نے فرمایا مفضل کو میں نے تمہارے لئے معین کیا وہ جو کہیں قبول کرلو اس لئے کہ وہ حق کے سوا کچھ نہیں کہتے۔[۳]

امام جعفر صادق علیہ السلام نے چند نشستوں میں توحید کے سلسلہ میں جناب مفضل کو خاص درس دیئے، جن کا مجموعہ کتابی شکل میں "توحیدِ مفضل" کے نام سے مشہور ہے یہ دروس مفضل پر امام کی مخصوص عنایت اور امام کے نزدیک ان کے علوّ مرتبت و مقام پر شاہد ہیں۔

---

[۱] رجال کشی / ۲۷۶

[۲] جامع الرواۃ جلد ۲ / ۲۵۸

[۳] رجال کشی / ۳۲۷، قاموس الرجال جلد ۲ / ۴۱۶ اِسْمَعُوا مِنْهُ وَاقْبَلُوا عنه فانّه لایقولُ عَلَیٰ اللہ و عَلَیَّ الّا الحق۔"

جابر بن یزید جعفی

جابر کوفہ کے رہنے والے تھے لیکن امام سے استفادہ کرنے کی غرض سے مدینہ پہونچے اور آپکے مکتب پُر فیض سے استفادہ کرنے کے بعد علمی اور معنوی بلندی پر فائز ہوئے اور آپ کے نمایاں اصحاب میں شامل ہو گئے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال ہوا کہ آپ کے نزدیک جابر کا کیا مقام ہے؟ امامؑ نے فرمایا: جابر میرے نزدیک اسی طرح ہیں جس طرح سلمان پیغمبر کے نزدیک تھے[1]۔

آپ عقائدِ تشیع کے کھلم کھلا دفاع کی وجہ سے ہمیشہ مخالفین کی تنقید کا شکار رہے اور چونکہ آپ نے کچھ حقائق کے بیان کے لئے ماحول کو ناساز گار دیکھا تو ان بہت سی حدیثوں کو بیان کرنے سے گریز کیا جو آپ نے امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہما السلام سے سن رکھی تھیں۔ آپ فرماتے تھے کہ "پچاس ہزار حدیثیں میرے سینہ میں ہیں جن میں سے ابھی تک میں نے ایک حدیث بھی بیان نہیں کی"[2]۔

---

[1] قاموس الرجال جلد ۲/۳۲۵

[2] صحیح مسلم جلد ۱/۱۰۲ لیکن رجال کشی ص۱۹۴ جابر کے قول کے مطابق ان احادیث کی تعداد ستر ہزار نقل ہوئی ہے۔

سوالات

(۱) امام جعفر صادق علیہ السلام کس تاریخ کو پیدا ہوئے اور آپ نے کیسے ماحول میں پرورش پائی ؟

(۲) امام کے اخلاق و کردار کے دو نمونے پیش کیجئے ۔

(۳) امام جعفر صادق علیہ السلام کی علمی عظمت و منزلت کے بارے میں دو اہم شخصیتوں کے نظریات پیش کیجئے ۔

(۴) امام جعفر صادق علیہ السلام بنی امیہ اور بنی عباس کے کون کون سے بادشاہوں کے ہم عصر تھے ؟

(۵) اموی حکومت کے زوال کا سبب بیان کیجئے ۔

(۶) امام علیہ السلام نے شورش کرنیوالوں کی موافقت کیوں نہیں کی ؟

(۷) اہل بیت اور علویوں کے ساتھ بنی عباس کا سلوک کیسا تھا اور امام جعفر صادق علیہ السلام نے ان کے مقابلہ میں کونسا رویہ اختیار کیا ؟

(۸) امام جعفر صادقؑ نے اپنے اصلاحی منصوبوں میں کن مسائل کو ترجیح دی ؟

(۹) خلافت کی مشنری کے مقابل امام کے سیاسی تنقید آمیز علمی تحریک کے پہلو کو واضح کیجئے ۔

(۱۰) امام جعفر صادق علیہ السلام کس تاریخ کو کس شخص کے ذریعہ اور کس طرح شہید ہوئے ؟

سبق ۱۰

امام موسیٰ بن جعفر علیہ السلام کی سوانح عمری

ولادت

ساتویں امام حضرت موسیٰ ابن جعفر علیہ السلام ۷ صفر ۱۲۸ھ کو مقام ابواء[۱] میں پیدا ہوئے[۲]۔ آپ کے والد بزرگوار حضرت امام جعفر ابن محمدؑ تھے اور مادر گرامی حمیدہ بربریہ تھیں ان کا تعلق ایک بافضیلت غیر عرب بزرگ خاندان سے تھا۔ آپ کی والدہ خاندانی اصل اور فضائل انسانی سے مالامال تھیں، امام جعفر صادق علیہ السلام نے ان کے بارے میں فرمایا: "حمیدہ خالص سونے کی طرح پلیدگی سے پاک ہیں .... ہمارے اوپر اور ہمارے بعد والے امام پر یہ خدا کا لطف ہے کہ ان کے قدموں کو اس نے ہمارے گھر تک پہونچایا"[۳]

امام جعفر صادقؑ کے گھر اور ان کے علوم سے استفادہ کرنے کے بعد وہ اس منزل پر پہونچ گئیں کہ امامؑ نے حکم دیا کہ مسلمان عورتیں دینی مسائل حاصل کرنے کے لئے ان کے پاس آئیں[۴]۔

۱۔ ابواء مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے پیغمبرؐ اسلام کی والدہ گرامی جناب آمنہ بنت وھب کی قبر اسی جگہ ہے۔

۲۔ بحار الانوار جلد ۴۸/۱ ۔ مناقب جلد ۴/۳۲۳ ۳۔ بحار جلد ۴۸/۶ ، کافی جلد ۱/۳۹۸

۴۔ انوار البھیۃ/۱۶۳

امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے بیٹے کی ولادت کی خبر معلوم ہونے کے بعد فرمایا:
"میرے بعد امامؑ اور خداوند کی بہترین مخلوق نے ولادت پائی....."[۱]

اس نومولود کے لئے جس نام کا انتخاب کیا گیا وہ "موسیٰ" تھا اس زمانہ تک خاندان نبوت میں یہ نام نہیں رکھا گیا تھا۔ یہ نام موسیٰ بن عمران کی کوششوں اور بت شکنی کی یاد دلانے والا نام تھا۔

آپ کے مشہور القاب ہیں کاظم، عبد صالح، باب الحوائج اور آپ کی سب سے مشہور کنیت ابوالحسن اور ابوابراھیم ہے۔[۲]

باپ کی خدمت میں

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے بچپن ہی سے باپ کی نگرانی، اور خاص تربیت کے تحت اور مہربان ماں کی نوازشوں کے سایہ میں مراحل کمال و رشد طے کئے۔ اپنی زندگی کے بیس سال آپ نے اپنے پدر عالیقدر کی بافیض خدمت اور حیات کی تعمیر کرنے والے دلستان فکر میں گذارے اور اس تمام مدت میں تمام جگہوں پر اپنے والد بزرگوار کے بلند اور بیش قیمت کاموں سے الھام حاصل کرتے اور ان کے علوم و دانش سے بہرہ ور ہوتے رہے۔ بہت کم مدت میں اس دانش کدہ میں جسکی بنیاد آپ کے والد کے ہاتھوں رکھی گئی تھی، آپ نے ایسا بڑا مقام پالیا کہ اس عظیم جعفری دانش گاہ کی توسیع اور تکمیل میں اپنے والد کی مدد کرنے لگے۔

اخلاقی فضائل

جناب موسیٰ ابن جعفر علیہ السلام نے نہ صرف یہ کہ علمی اعتبار سے اپنے زمانہ کے تمام

---

[۱] بحار جلد ۴۸/۳

[۲] بحار جلد ۴۸/۱۱

تمام دانش مندوں اور علمی شخصیتوں کو تحت الشعاع قرار دے دیا بلکہ اخلاقی فضائل اور نمایاں اور امتیازی صفات کی بنا پر ہر شخص کی زبان پر آپکا نام تھا۔ تمام وہ افراد جو آپ کی پر افتخار زندگی سے واقفیت رکھتے ہیں آپ کی اخلاقی عظمت اور ممتاز فضیلت کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہیں۔

ابن حجر عسقلانی ـــ اہل سنت کے ایک بہت بڑے دانش مند اور محدث ـــ لکھتے ہیں کہ موسیٰ کاظمؑ اپنے باپ کے علوم کے وارث اور صاحب فضل و کمال تھے آپ نے جب بہت زیادہ بردباری اور درگذر (جو سلوک آپ نادان لوگوں کے ساتھ کرتے تھے) کا اظہار کیا تو کاظم کا لقب ملا۔ آپکے زمانہ میں معارف علمی اور علم و بخشش میں کوئی بھی شخص آپ کے پایہ کو نہیں پہونچ سکا۔[۱]

امامت حضرت موسیٰ ابن جعفرؑ

امام جعفر صادقؑ کے اصحاب میں سے کچھ لوگ آپ کے بڑے بیٹے اسماعیل کو خاندان کا چشم و چراغ شمار کئے جانے کی بنا پر آئندہ کیلئے اپنا پیشوا اور امام سمجھتے تھے لیکن جوانی ہی میں اسمٰعیل کی موت نے انتظار کرنے والوں کو ناامید کر دیا چھٹے امام نے بھی انکی موت کی خبر کا اعلان کیا یہاں تک کہ بزرگان قوم کو ان کا جنازہ بھی دکھایا تاکہ (انکی امامت والے) عقیدہ کی جڑوں کو خشک کر دیں۔[۲]

امام جعفر صادق علیہ السلام نے اسماعیل کی موت کے بعد عباسی حکومت کے گھٹن کے باوجود مناسب موقع پر مختلف انداز سے اپنے بعد ہونے والے امام، موسیٰ ابن جعفر کی طرف اپنے اصحاب کی رہنمائی فرمائی ان کے دو نمونے پیش کئے جا رہے ہیں۔

۱۔ علی ابن جعفر نقل کرتے ہیں کہ میرے والد امام جعفر صادق نے اپنے اصحاب کی ایک جماعت سے کہا "میرے بیٹے موسیٰ کے بارے میں میری وصیت قبول کرو اس لئے کہ وہ میرے

۱۔ الصواعق المحرقہ / ۲۰۳

۲۔ بحار جلد ۴۸ / ۲۱

تمام بیٹوں اور ان لوگوں سے جو میرے بعد میری یادگار رہ جائیں گے، برتر ہیں اور میرے بعد میرے جانشین اور خدا کے تمام بندوں پر اس کی حجت ہیں۔[1]

۲ منصور بن حازم نقل کرتے ہیں کہ "میں نے امام جعفر صادقؑ سے عرض کیا کہ: اگر آپ کو کوئی حادثہ پیش آجائے تو ہمارا امام کون ہوگا؟ امام نے اپنے بیٹے موسیٰ کے داہنے شانہ پر ہاتھ رکھ کر فرمایا: اگر مجھ کو کوئی حادثہ پیش آجائے تو میرا یہ بیٹا تمہارا امام ہوگا۔[2]

امامت کا زمانہ

موسیٰ بن جعفر نے اپنے والد کی رحلت کے بعد ۱۴۸ھ میں ۲۰ سال کی عمر میں اسلامی معاشرہ کی قیادت کی ذمہ داری سنبھالی۔ آپ اپنے امامت کے زمانہ میں جو ۲۵ سال کی طویل مدت پر محیط ہے۔ اپنے عہد کے خلفاء، منصور دوانقی، مہدی، ہادی اور ہارون الرشید کے معاصر رہے۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے جہاد کی شکل اور روش، اس روش کے سلسلہ کی اگلی کڑی تھی جو امام جعفر صادق علیہ السلام نے معاشرہ کے حالات سے روبرو ہونے اور مخالفین کی محاذ آرائی پر اختیار کی تھی۔

اس زمانہ کے اسلامی معاشرہ پر حکومت کرنے والے حالات کے تجزیہ کی بنیاد پر امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے جہاد کے اصلی محور کو مورد تحقیق قرار دیں گے۔

الف۔ امام صادقؑ کی علمی تحریک کی تحقیق

اپنے والد بزرگوار کی رحلت کے بعد امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے اس عظیم دانشکدہ کی

---

[1] اعلام الوریٰ / ۲۹۱، ارشاد مفید / ۲۹۰، بحار جلد ۴۸ / ۲۰

[2] بحار جلد ۴۸ / ۱۸

علمی اور فکری رہبری کو اپنے ذمہ لیا جس کی بنیاد مدینہ میں پڑ چکی تھی اور آپ نے بہت سے محدثین مفسرین، فقہاء، متکلمین اور تمام اسلامی دانشمندوں کی اپنے تربیتی مکتب فکر میں پرورش کی اور وسیع فقہ اسلامی کو اپنے جدید خیالات و نظریات سے غنی اور مالا مال کر دیا۔

منصور کی جابرانہ حکومت اور سیاسی حالات کے تقاضا کے تحت امامؑ نے پہلے مرحلہ میں اپنے جہاد کو ایسی شکل دیکھ رہبری کی عظیم ذمہ داری کو معارف کی نشر و اشاعت اور باطل عقائد کی روک تھلم کر کے نبھایا۔ مندرجہ ذیل واقعہ اس جبر کے اس گوشہ کو بیان کرتا ہے۔

امام جعفر صادق کو جب منصور دوالقی نے زہر دے دیا تو اس کے بعد اس نے امکانی مخالفین کو راستہ سے ہٹانے کا یہ مناسب موقع سمجھا۔ اس وجہ سے اس نے مدینہ کے حاکم محمد بن سلیمان کو لکھا کہ اگر جعفر بن محمد نے کسی کو اپنا جانشین مقرر کیا ہو تو اس کو حاضر کرو اور اسکی گردن اڑا دو!

حاکم مدینہ نے جواباً لکھا "جعفر ابن محمد نے وصیت نامہ میں پانچ آدمیوں کو اپنا وصی اور جانشین قرار دیا ہے ان کے نام ہیں: ۱۔ منصور دوالقی ۲۔ محمد ابن سلیمان (حاکم مدینہ) ۳۔ عبداللہ بن جعفر (امام جعفر صادق کے بڑے بیٹے) ۴۔ موسیٰ ابن جعفر ۵۔ حمیدہ امام کی بیوی" اور خط کے آخر میں حاکم مدینہ نے خلیفہ سے پوچھا کہ ان میں سے کس کی گردن اڑا دوں؟

منصور کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ ایسے حالات سے دوچار ہونا پڑے گا اس کو بہت غصہ آیا اور کہا: ان میں سے تو کسی کو بھی قتل کیا نہیں جا سکتا[1]

امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایسا سیاسی وصیت نامہ لکھ کر امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو قتل سے بچا لیا۔ اس کے علاوہ دوسری کسی بھی صورت میں امام موسیٰ کاظم کا قتل یقینی تھا۔

امام موسیٰ کاظمؑ کی علمی اور ثقافتی کوششوں میں دو اہم نتیجے نکالے جا سکتے ہیں۔

---

[1] بحار جلد ۴۷/ ۳ - مناقب ابن شہر آشوب جلد ۴/ ۳۲۰

۱۔ ایسی علمی اور فکری آمادگی کا ہونا کہ جس سے فلسفوں اور مختلف فکری اور اجتماعی مکاتب سے مقابلہ ہو سکے ان مکاتبِ فکر میں سب سے زیادہ خطرناک الحادی اور شعوبیہ[1] مکتبِ فکر تھا جو اسلام کی بنیاد کو چیلنج کر رہا تھا۔

ایک مذہبی پیشوا ہونے کے ناتے ان عقیدتی خطرات اور آفتوں کے مقابلہ میں امامؑ کا کردار یہ تھا کہ مضبوط دلائل کے ساتھ اصولی راستوں کی رہنمائی کر کے ان افکار کے سامنے دیوار بن کر کھڑے ہو جائیں اور ان کے لچر اور بے مایہ ہونے کو ثابت کر کے اسلامی ماحول کو کفر اور زندقہ اور شعوبیوں وغیرہ سے پاک کر دیں۔

اس جہاد کے مشکلات میں جو اضافہ کا سبب بنا وہ مسلمانوں کا نظریاتی اختلاف تھا اور اس وقت کی حکومتوں نے بھی لوگوں کے افکار کا رخ موڑنے کے لئے ان اختلافات کو پیدا کیا۔

الفاظ قرآن کے قدیم ہونے والے نظریہ کی پیدائش، مکتبِ معتزلہ اور اشاعرہ کا ظہور اور چار فقہوں کا قانونی شکل اختیار کرنا اس کے بڑے واضح نمونے ہیں۔

امام کا یہ اقدام خلافت عباسی کے لئے بڑا گراں تھا۔ امام کے مکتب فکر میں تربیت پانے والے افراد جو اس سلسلہ میں بڑی مہارت اور فعالیت کے حامل تھے سختی میں مبتلا کر دیئے گئے اور عقیدہ کے بارے میں ان کو زبان کھولنے سے روکا گیا۔ یہاں تک کہ ہشام ابن حکم کی جان کی حفاظت کے لئے۔ جو مختلف جماعتوں اور مکتبِ فکر کے لوگوں سے بحث و مناظرہ میں ید طولیٰ رکھتے تھے، خود امامؑ نے کسی شخص کو ان کے پاس بھیج کر وقتی طور پر ان کو بحث و مناظرہ سے روک دیا۔ ہشام نے بھی مھدی عباسی کی موت تک کوئی بات نہیں کہی۔[2]

---

[1] شعوبیہ غیر عرب لوگوں کے ایک گروہ کا نام ہے جو عمر کے زمانۂ خلافت میں نیشنلسٹ مخالف فکر کے ساتھ ظاہر ہوا اور اموی و عباسی دورِ حکومت میں اس کو زیادہ رونق ملی۔ یہ لوگ مسلمان معاشرہ میں اختلاف اور شگاف ڈالنے کا اہم سبب بنے "ک، حیاۃ الامام موسی ابن جعفر ج ۲/۱۱۰-۱۱۷ اور دائرہ نامہ اجتماعی و سیاسی مصنفہ حسین رزمجو/۲۰/۱۱"

[2] رجال کشی/۲۶۶، معجم رجال الحدیث جلد ۱۹/۲۷۹-۲۷۸

۲۔ علم فقہ، حدیث، کلام، تفسیر اور دیگر علمی شعبوں میں بزرگ اور بافضیلت شاگردوں کا پرورش پانا: سید ابن طاؤس نقل کرتے ہیں کہ امامؑ کے نزدیکی اصحاب مجلس درس میں حاضر ہوتے اور جو کچھ بھی حضرتؑ سے سنتے اس کو اس لوح میں جو آستینوں میں رکھتے تھے لکھتے جاتے تھے۔[۱]

یہ سب کچھ ان حالات میں ہو رہا تھا جب کہ عباسی حکومت نے امامؑ کی عملی فعالیت پر پابندی لگا دی تھی۔ آپ کے شاگردوں پر سختی کی جا رہی تھی۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں وہ کھلم کھلا امامؑ کا نام بھی نہیں لے سکتے تھے بلکہ ابو ابراہیم، عبد صالح، عالم، صابر اور امین ایسے ناموں سے یاد کرتے تھے۔

ان تمام باتوں کے باوجود امامؑ علمی، اسلامی اور ثقافتی تحریک کی ارتقا میں بہت بڑا قدم اٹھانے اور سیکڑوں دانشمند اور علمی شخصیتوں کی تربیت میں کامیاب ہو گئے۔[۲] محمد ابن ابی عمیر علی بن یقطین، ہشام ابن حکم، ہشام ابن سالم، یونس بن عبد الرحمٰن اور صفوان ابن یحییٰ کا نام بطور نمونہ لیا جا سکتا ہے۔

امامؑ کے شاگردوں کی روحانی عظمت اور انکی علمی اور مجاہدانہ شخصیت نے مخالفین، خصوصاً حکومت وقت کی آنکھوں کو خیرہ کر دیا ان کو یہ خطرہ لاحق ہو گیا کہ یہ کہیں اپنی اس حیثیت و محبوبیت کی بنا پر جو لوگوں کے درمیان ہے انقلاب برپا نہ کر دیں۔ اس لئے وہ ہمیشہ ایسے افراد کو معین کرتے رہتے تھے جو ان کی کارکردگی کی نگرانی کرتے رہیں۔ نمونہ کے طور پر پیش ہے۔

ابن ابی عمیر امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے ممتاز صحابی تھے وہ اس بات میں کامیاب ہوئے کہ مختلف مباحث میں اپنی پچاس جلد کتابیں یادگار چھوڑیں۔

---

[۱] انوار البہیۃ / ۱۷۰ - ۱۶۹

[۲] مرحوم شیخ طوسی نے اپنی (کتاب) رجال میں موسیٰ ابن جعفر علیہ السلام کے شاگردوں کی تعداد دو سو بہتر (۲۷۲) لکھی ہے لیکن حیاۃ الامام موسیٰ ابن جعفر کے مؤلف محترم نے امامؑ کے تین سو اکیس (۳۲۱) شاگردوں کے تفصیلی حالات درج کئے ہیں حیاۃ الامام موسیٰ جلد ۲/ ۳۷۴ - ۲۲۴

ہارون جس کی امام موسیٰ کاظمؑ کے نزدیک محمد کے موقف کی اجمالی اطلاع تھی اس نے محمد کی فعالیت اور کارکردگی پر نظر رکھنے کے لئے جاسوسوں کو معین کر دیا - انہوں نے اطلاع دی کہ عراق کے تمام شیعوں کے نام محمد کے پاس ہیں ۔ اس خبر کے ملتے ہی ابن ابی عمیر ہارون کے حکم سے گرفتار کر کے قید میں ڈال دیئے گئے اور شیعوں کے نام اور راز کو بتانے کے لئے ان پر سختی کی جانے لگی لیکن وہ راز اگلنے پر تیار نہیں ہوئے۔[1]

ب۔ امامت کا تحفظ اور عمومی انقلاب کیلئے میدان کی توسیع

امامت کے تحفظ کے لئے موسیٰ ابن جعفر کا مجاہدانہ منصوبہ کچھ اس طرح تھا:

۱۔ اپنے طرفداروں کی مدد اور ان کی نگرانی کرنا اور حکومت عباسی کے مقابل منفی موقف اختیار کرنے کے لئے ان کو ہم آہنگ بنانا۔

۲۔ امام اپنے طرفداروں کو حکم دیتے تھے کہ حکومت عباسی سے ہر سطح کا ہر معاملہ اور رابطہ منقطع کرلیں۔

صفوان بن مہران سے امامؑ کی گفتگو امامؑ کے اس صریحی نظریہ اور موقف کو بیان کرتی ہے ۔ جناب موسیٰ بن جعفر علیہ السلام نے صفوان سے فرمایا: تمہاری ہر بات اچھی ہے سوائے ایک بات کے اور وہ یہ کہ تم اپنے اونٹ ہارون کو کرایہ پر دیتے ہو۔ صفوان نے عرض کیا میں ان کو سفرِ حج کے لئے کرایہ پر دیتا ہوں اور خود ان کے ساتھ نہیں جاتا ، آپ نے فرمایا — کیا کرایہ پر دینے کے بعد — تمہاری یہ خواہش نہیں رہتی ہے کہ کم از کم مکہ سے لوٹ آنے تک ہارون زندہ رہے ، تاکہ تمہارا کرایہ ادا کر دے ؟ صفوان نے کہا کیوں نہیں ۔ امامؑ نے فرمایا: جو ستمگروں کی بقا کو دوست رکھتا ہو وہ انہیں میں سے شمار کیا جاتا ہے - اور جو

---

[1] رجال کشی / ۵۹۱

ان کے ساتھ ہو اس کی جگہ جہنم ہے۔[1]

امام موسیٰ کاظم اپنے دوستوں کو ہر اس منصب اور عہدہ کو قبول کرنے سے منع فرماتے تھے جو ظالم حکومت کی تقویت کا باعث ہو۔ آپ نے زیاد ابن سلمہ سے فرمایا: "اے زیاد! اگر میں کسی بلندی سے گر کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاؤں تو یہ میرے لئے اس سے بہتر ہے کہ میں حکومتِ جور میں سے کسی منصب کو قبول کروں یا اس کی کسی ایک بساط پر بھی قدم رکھوں۔"[2]

موسیٰ بن جعفرؑ نے ایسی روش اختیار کر کے یہ چاہا کہ خلافت عباسی کی مشنری کی مشروعیت پر خط نسخ کھینچنے کے ساتھ ساتھ ان کو گوشہ گیر بنا دیں اور عوامی مرکز بننے سے ان کو محروم کر دیں۔

ایک استثنا

امام نے عباسی ستمگر حکومت کے تعاون کو حرام کر دینے کے باوجود اپنے لائق اور معتمد اصحاب کے اہم عہدوں پر باقی رہنے کی مخالفت نہیں کی اس لئے کہ ایک طرف تو یہ کام حکومت کی مشنری میں نفوذ کا باعث بنا دوسری طرف اس باعث کا باعث بنا کہ لوگ خصوصاً امامؑ کے چاہنے والے ان کی حمایت کے زیرِ سایہ آجائیں۔

علی بن یقطین کا حکومت کی مشنری میں قوت حاصل کر لینا اسی منصوبہ کا ایک جزء تھا۔

علی ابن یقطین جو امام ہفتم کے ممتاز شاگردوں میں سے تھے ایک پاکیزہ نفس اور امام کے لئے

---

[1] من احبّ بقائهم فهو منهم من كان منهم كان وَرَدَ النار رجال کشی/۴۴۱

معجم رجال الحدیث جلد ۹/۱۲۲

[2] یا زیاد لان اسقط من شاهق فاتقطّع قطعةً قطعةً احبُّ اِلیَّ من ان اتولّی منهم عملاً او اطأ بساط رجلٍ منهم۔ مکاسب شیخ مرتضیٰ انصاری باب ولایت جائر/۴۸ و تنقیح المقال ماممقانی ج۱

/۴۵۳۔

مورد اطمینان شخصیت کے مالک تھے، عباسیوں سے انہوں نے رابطہ قائم کیا اور ہارون کی طرف سے وزارت کے لئے چنے گئے اور علی بن یقطین نے امام کی موافقت سے اس منصب کو قبول کیا[1] بعد میں آپ نے کئی بار یہ چاہا کہ استعفیٰ دیدیں لیکن امام نے ان کو روک دیا[2]۔

ایک دن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ: ایک کام کا وعدہ کرو تو میں تمہارے لئے تین چیزوں کی ضمانت لیتا ہوں ۱۔ تم قتل نہیں کئے جاؤ گے ۲۔ فقر میں مبتلا نہیں ہو گے۔ ۳۔ قید نہیں کئے جاؤ گے۔

علی ابن یقطین نے کہا کہ جس کام کا مجھے پابند ہونا ہے وہ کیا ہے؟ امام نے فرمایا: "وہ کام یہ ہے کہ جب ہمارے دوستوں میں سے کوئی تمہارے پاس آئے تو اس کی ضرورت پوری کرو اور اس کا اکرام کرو۔ علی ابن یقطین نے قبول کیا[3]۔

آپ جب تک اس عہدہ پر باقی رہے شیعوں کے لئے ایک مضبوط قلعہ اور ایک قابل اطمینان پناہ گاہ شمار کئے جاتے رہے۔ اور ان دشوار حالات میں زندگی کی حفاظت کے لئے ضروری اعتبار قائم کرنے اور امام کے دوستوں کو اقتصادی طور پر آزاد بنانے میں آپ نے بڑا موثر کردار ادا کیا۔

۲۔ خلافت کی مشنری کے مقابل امام کا صریحی اور آشکار موقف جو اس بات پر مبنی تھا کہ خلافت انکا حق ہے اور وہ اس مقام کو بچانے میں تمام لوگوں پر برتری رکھتے تھے۔

امام کے اس موقف کو واضح کرنے والا ایک نمونہ

ہارون رشید حج سے واپسی پر رسول اکرم کی قبر مطہر کے پاس حاضر ہوا۔ اور اس نے قریش اور دوسرے قبائل کے بہت سے لوگوں کے سامنے آں حضرت پر اس طرح سلام کیا...

۱۔ رجال کشی / ۴۳۳ ۲۔ بحار ۴۷/۱۳۶

۳۔ رجال کشی / ۴۳۳ ، بحار جلد ۴۸/۱۳۶

السلام علیک یابن عم سلام ہو آپ پراے چچا کے بیٹے (چچیرے بھائی) اور اس نے نبیؐ سے اپنی نسبت پر فخر کا اظہار کیا ــــ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے ــــ جو وہاں موجود تھے ۔جب اس کی بات سنی تو ضریح مقدس کے پاس کھڑے ہو کر آپ نے کہا : السلام علیک یاابتہ" سلام ہو آپ پراے پدر ۔ہارون اس بات پر سخت ناراض ہوا ۔ اتنا ناراض کہ اس کے چہرہ کا رنگ بدل گیا ۔لیکن ردِ عمل کے طور پر کچھ نہ کر سکا[1]

یہاں تک کہ ایک دن اس نے امامؑ سے کہا کہ آپ لوگ کیسے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ فرزند پیغمبرؐ ہیں جبکہ آپکے پاس تو علیؑ ہیں ؟ امام نے فرمایا اگر پیغمبرؐ زندہ ہوتے اور تمہاری بیٹی کا رشتہ مانگتے تو تم قبول کر لیتے ؟ اس نے کہا ، سبحان اللہ کیوں نہیں ؟ ایسی صورت میں ، میں عرب عجم اور قریش پر فخر کرتا ۔

حضرت نے فرمایا : کہ اگر رسول خدا زندہ ہوتے تو ہماری بیٹی کا رشتہ نہ مانگتے اور میں بھی یہ رشتہ قبول نہ کرتا ، ہارون نے پوچھا کیوں ؟ آپ نے فرمایا ، اس لئے کہ وہ ہمارے باپ ہیں (ہر چند ماں کی طرف سے) لیکن تمہارے باپ نہیں ہیں[2]

۳ ۔ امت کے انقلابی وجدان کو بیدار کرنا اور انقلابی تحریکوں کی پشت پناہی : منصور کے زمانہ میں اور اس کے بعد بہت سے سادات متقی اور حق طلب علوی جن کو اماموں سے قریبی نسبت تھی ، ظلم وستم کے ختم ہونے ، عدالت اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی نشر واشاعت کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے نتیجۃً شہید ہو گئے ۔

بہت سے انقلابی پوشیدہ طور پر امامؑ سے ملحق تھے اور آپ سے رہنمائی حاصل کرتے رہتے

---

[1] ارشاد مفید / ۲۹۸ ، تاریخ بغداد جلد ۱۳ / ۳۱ ، مناقب جلد ۴ / ۳۲۰ ، اعلام الوریٰ / ۱۹۷ ، الصواعق المحرقہ / ۲۰۴ تذکرۃ الخواص / ۳۱۴ ، بحار جلد ۴۸ / ۱۰۳ ، احتجاج طبرسی جلد ۲ / ۱۶۷

[2] عیون اخبار الرضا جلد ۱ / ۶۸ ، احتجاج طبرسی جلد ۲ / ۱۶۳ ، بحار جلد ۴۸ / ۱۲۹ ـ ۱۲۵

تھے، نمونہ کے طور پر حسین ابن علی جو مدینہ کے علویوں[1] میں سے تھے ــــ اپنے ہی قول کے مطابق ــ امام موسیٰ کاظم سے مشورہ[2] کے بعد ہادی عباس کے خلاف قیام کیا اور تقریباً تین سو افراد کے ایک گروہ کے ساتھ مدینہ سے مکہ کی طرف چل پڑے، سرزمین "فخ" پر خلیفہ کے سپاہیوں کا سامنا ہوا۔ شدید جنگ کے بعد علوی شکست کھا گئے اور واقعہ کربلا کی طرح عباسیوں نے تمام شہداء کے سر کاٹے اور مدینہ لے آئے اور ایک ہی نشست میں جس میں فرزندانِ امیر المؤمنین کی ایک جماعت منجملہ ان کے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام تشریف فرما تھے ان سروں کو دکھانے کے لئے لے آئے، سوائے موسیٰ ابن جعفر علیہ السلام کے کسی نے کچھ نہیں کہا۔ آپ نے جب حسین ابن علی ــــ قیامِ فخ کے رہبر ــــ کا سر دیکھا تو فرمایا: انّا للہ و انا الیہ راجعون۔ خدا کی قسم وہ اس حالت میں درجۂ شہادت پر فائز ہوئے کہ مسلمان اور صحیح کام کرنے والے تھے، بہت روزے رکھتے تھے، بڑے شب زندہ دار تھے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے تھے۔ ان کے خاندان میں ان جیسا کوئی نہیں تھا[3]۔

ہادی عباسی کو جب معلوم ہوا کہ علویین امام ہفتم کے ایما پر عمل کرتے ہیں تو حادثہ "فخ" کے بعد بہت ناراض ہوا۔ اور آپ کے قتل کا اس نے ارادہ کر لیا۔ اس نے کہا: خدا کی قسم حسین نے

---

[1] یہ حسین ابن علی ابن حسن ابن حسین ابن علی ابن ابیطالب ہیں چونکہ سرزمینِ "فخ" میں جو مکہ سے ایک فرسخ کے فاصلہ پر واقع ہے۔ عباسی سپاہیوں کے ہاتھوں قتل کر دیئے گئے اس لئے "صاحبِ فخ" یا "شہیدِ فخ" کے نام سے مشہور ہوئے۔

[2] مقاتل الطالبین / ۴۵۷ نشر دار المعرفۃ بیروت تحت عنوان ذکر من خرج مع الحسین۔ حسین ابن علی اور یحییٰ ابن عبد اللہ کی باتوں کا متن ملاحظہ ہو "ما خرجنا حتی شاورنا اہل بیتنا و شاورنا موسیٰ بن جعفر فامرنا بالخروج"

[3] مضیٰ واللہ مسلماً صالحاً صوّاماً قوّاماً آمراً بالمعروف ناھیاً عن المنکر ما کان من اھل بیتہ مثلہ مقاتل الطالبین ـ

موسی ابن جعفرؑ کے حکم سے میرے خلاف قیام کیا ہے۔ اس لئے کہ اس خاندان کا امام سوائے موسیٰ ابن جعفر کے اور کوئی نہیں ہے۔ اگر میں ان کو زندہ چھوڑ دوں تو خدا مجھے قتل کرے۔[1]

امام کی جو چغلیاں خلفاء کے پاس ہوئی تھیں نیز وہ اعترافات جو خلفاء کو تھے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حکومت کی مشنری کی کمین میں بڑے شد و مد سے تھے اور اس کی سرنگونی کی فکر کر رہے تھے۔

لوگوں نے لکھا ہے کہ مہدی عباسی نے امامؑ سے کہا کہ "کیا آپ ہم کو اپنے خروج سے محفوظ رکھیں گے۔۔۔؟"[2]

نیز ہارون نے اپنے اس اقدام کی توجیہ میں جو اس نے امامؑ کو گرفتار کرنے کے لئے کیا تھا۔ کہا "میں ڈرتا ہوں کہ یہ فتنہ برپا کریں گے اور خون بہیگا"[3]

ج۔ خلفاء کے عیش و نشاط کے خلاف جنگ

خلفاء بنی امیہ و بنی عباس اور ان سے وابستہ افراد کی زندگی کی نمایاں خصوصیت عیش و نشاط اور تجمل پرستی تھی وہ لوگ جو ٹیکس اور پیسے عوام سے وصول کرتے تھے ان کو اسلامی وسیع و عریض ملک کی آبادکاری اور ترقی میں استعمال کرنے اور لوگوں کے رفاہ اور آرام کے کاموں میں خرچ کرنے کے بجائے بزمِ سلطنت کی تشکیل بساطِ عیش و نشاط بچھانے اور خوشنما محل بنانے میں خرچ کرتے تھے۔

---

[1] بحار جلد ۴۸/۱۵۱ "و اللہ ما خرج حسین الا عن امرہ ولا عن امرہ و لا اتبع الا محبتہ لانہ صاحب الوصیۃ فی اھل ھذا البیت قتلنی اللہ ان ابقیت علیہ"

[2] وفیات الاعیان جلد ۲/۲۵۶

[3] بحار الانوار جلد ۴۸/۲۱۳، ۲۳۲، ارشاد مفید /۳۰۰، مقاتل الطالبین /۳۳۴

ہارون کی زندگی میں دوسرے خلفاء کی بہ نسبت یہ خصوصیت زیادہ نظر آتی ہے۔ ہارون نے بغداد میں بڑا خوشنما محل بنوایا۔ اپنی عظمت اور ظاہری شان و شوکت کو واضح کرنے کیلئے موسیٰ ابن جعفر کو وہاں لے گیا۔ طاقت کے نشے میں مست تکبر آمیز لہجہ میں اس نے پوچھا، یہ قصر کیسا ہے؟

آپؑ نے فرمایا: فاسقوں کا گھر ہے وہی لوگ جن کے بارے میں خدا نے فرمایا: "جو لوگ روئے زمین پر ناحق تکبر کرتے ہیں۔ ہم جلد ہی اپنی آیات پر ایمان سے ان کو منصرف کردیں گے (اس طرح کہ) جب وہ کسی آیت یا نشانی کو دیکھیں گے تو ان پر ایمان نہیں لائیں گے اور اگر ہدایت کے راستہ کو دیکھیں گے تو اپنے راستہ کے عنوان سے اس کا انتخاب نہیں کریں گے (یہ سب اس لئے ہے کہ) انہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی ہے اور اس سے غافل ہوگئے ہیں [1]۔

ہارون جو اس جواب سے سخت ناراض تھا اس نے غضبناک ہوکر پوچھا کہ پھر یہ گھر کس کا ہے ؟

یہ گھر ایک زمانہ کے بعد ہمارے شیعوں کا ہوگا لیکن (اس وقت) فتنہ کی جڑ اور دوسروں کے لئے آزمائش ہے۔

(اگر یہ شیعوں کا ہے) تو صاحب خانہ اس کو کیوں نہیں لے لیتا؟

آبادی کی حالت میں اس کے مالک سے لے لیا گیا ہے اور جب تک آباد نہیں ہوگا واپس نہیں لیا جائے گا [2]۔

۱۔ ساصرف عن آیاتی الذین یتکبرون فی الارض بغیر الحق وان یروا کل آیۃ لا یؤمنوا بھا وان یروا سبیل الرشد لا یتخذوہ سبیلا وان یروا سبیل الغی یتخذوہ سبیلا ذلک بانھم کذبوا بآیاتنا و کانوا عنھا غافلون۔

۲۔ "اُخِذَت منہ عامرۃ ولا یأخذھا الا معمورۃ" بحار جلد ۴۸/۱۳۸ تفسیر عیاشی جلد ۲/۳۰، تفسیر برہان جلد ۲/۳۷ شاید اس آخری جملہ سے امام کی مراد یہ ہو کہ جب تک گھر کو آباد کرنے کا امکان نہ ہو اس وقت تک اس کو واپس نہیں لیں گے اور اس وقت اس کا وقت نہیں ہے۔

شہادت

ہارون کے جبر کے مقابل امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے رویہ نے اس کو اس بات پر اکسایا کہ وہ امام کو نظر بند کرے اور لوگوں سے ان کے رابطہ کو منقطع کر دے اس وجہ سے اس نے امام کو گرفتار کیا اور زندان بھیج دیا۔ لیکن مدینہ سے باہر لے جانے کے لئے ہارون مجبور ہوا کہ دو کجاوے بنائے جائیں اور ہر کجاوہ کو مدینہ کے الگ الگ دروازوں سے باہر نکالا جائے اور ہر ایک کے ساتھ کچھ مسلح سوار فوجی چلیں[1]۔ صرف امام کے عقیدتمندوں کے خوف سے یہ انتظام نہیں کیا گیا تھا بلکہ ہارون کو یہ فکر تھی کہ ان کے پاس کچھ افراد اور کچھ گروہ تیار ہیں جو ایسے موقع پر حملہ کر کے امامؑ کو اس کے مزدوروں کے چنگل سے چھڑالے جائیں گے۔ اس وجہ سے اس نے ایسی احتیاطی تدبیر کی تھی۔

حضرت موسیٰ ابن جعفر پہلے بصرہ کے زندان میں لے جائے گئے اور ایک سال کے بعد ہارون کے حکم سے بغداد منتقل کر دیئے گئے اور کسی کو ملاقات کی اجازت دیئے بغیر کئی سال تک قید میں رکھے گئے[2]۔

آخر کار ۲۵ رجب ۱۸۳ھ کو "سندی بن شاہک" کے قید خانے میں ہارون کے حکم سے زہر دیا گیا، تین دن کے بعد شہید ہو گئے اور بغداد میں قریش کے مقبرہ میں سپرد لحد کئے گئے[3]۔

---

[1] الفصول المھمۃ /۲۳۹، مناقب جلد ۴/۳۲۷، ارشاد مفید/۳۰۰، اعلام الوری/۲۹۹، مقاتل الطالبین/۳۳۴

[2] ہارون کے زندان میں امام کتنے دنوں تک رہے اس میں اختلاف ہے چار سال، دس سال، بھی مذکور ہے: تذکرۃ الخواص/۳۱۴ سیرۃ الائمۃ الاثنی عشر جلد ۲/۳۵۱، بحار جلد ۴۸/۲۰۶ - ۲۲۸۔ مہدی عباسی کی قید میں جتنے دنوں رہے یہ مدت اس کے علاوہ ہے۔

[3] الفصول المھمہ/۲۴۱، انوار البھیہ /۱۸۱، تاریخ ابو الفداء جلد ۲/۱۶ یہ بتا دینا ضروری ہے کہ امام موسیٰ کاظم اور امام جواد علیہما السلام کے مرقد اطہر آج کل کاظمین کے نام سے مشہور ہیں۔

شہادت کے بعد ہارون کے آدمیوں نے بہت اصرار کیا کہ لوگ اس بات کو قبول کرلیں اور گواہی دیں کہ موسیٰ ابن جعفر کو زہر نہیں دیا گیا اور وہ اپنی موت سے دنیا سے رخصت ہوئے ہیں۔ تاکہ اس بہانہ سے اپنے دامن کو ایسے سنگین جرم کے داغ سے بچالیں اور لوگوں کی ممکنہ شورش بھی روک دے۔

اور یہ ایک دوسرا بولتا ہوا گواہ ہے جو عباسی حکومت کرنے والے نظام سے امام کے ٹکراؤ کی طرف ہماری رہنمائی کرتا ہے۔

آپ کی عملی اور اخلاقی سیرت کے نمونے

الف۔ عبادت

خدا کی خصوصی معرفت آپ کو مزید عبادت اور پروردگار سے عاشقانہ راز و نیاز کی طرف کھینچتی تھی اس وجہ سے اجتماعی کاموں سے فراغت کے بعد آپ عبادت میں اپنا وقت گذارتے تھے

جب ہارون کے حکم سے آپ کو زندان میں ڈال دیا گیا تو آپ نے خدا کی بارگاہ میں عرض کیا پروردگارا! مدتوں سے میں یہ چاہتا تھا کہ تو اپنی عبادت کے لئے مجھے فرصت دیدے اب میری خواہش پوری ہوگئی لہذا میں تیرا شکرادا کرتا ہوں[1]

جب آپ قید خانہ میں تھے اس وقت جب کبھی ہارون کوٹھے کے اوپر سے زندان کی طرف دیکھتا تھا تو یہ دیکھتا تھا کہ لباس کی طرح کی کوئی چیز زندان کے ایک گوشہ میں پڑی ہے۔ ایک بار اس نے پوچھ لیا کہ یہ کس کا لباس ہے؟ ربیع نے کہا: یہ لباس نہیں ہے، یہ موسیٰ ابن جعفر ہیں جو زیادہ تر سجدہ کی حالت میں رہتے ہیں۔ ہارون نے کہا سچ ہے وہ بنی ہاشم کے بڑے عبادت گذار

---

[1] اَللّٰھُمَّ اِنِّی طَالَمَا کُنْتُ اَسْئَلُکَ اَنْ تُفَرِّغَنِی لِعِبَادَتِکَ وَقَدِ اسْتَجَبْتَ مِنِّی فَلَکَ الْحَمْدُ عَلٰی ذٰلِکَ" مناقب جلد ۴/ ۳۱۸، بحار جلد ۸، ارشاد مفید/ ۳۰۰، الفصول المہمہ / ۲۴۰۔ تھوڑے سے فرق کے ساتھ ۔۔ امام کا یہ جملہ زندان جانے سے پہلے آپ کے اجتماعی کام میں مشغولیت کی شدت کو بیان کرتا ہے۔

افراد میں سے ہیں۔ ربیع نے پوچھا، تو پھر ان پر اتنی سختی کیوں کرتا ہے؟ ہارون نے کہا: افسوس! اس کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں ہے۔[۱]

امام علیہ السلام اس دعا کو بہت پڑھتے تھے " اللّٰھم انی اسئلک الراحۃ عند الموت و العفو عند الحساب"[۲] خدایا میں تجھ سے موت کے وقت آرام اور حساب کے وقت بخشش کا طلبگار ہوں۔

آپ کی عبادت کو بیان کرنے کے لئے وہ جملہ کافی ہے جو ہم آپ کی زیارت میں پڑھتے ہیں کہ " درود ہو موسیٰ ابن جعفر پر جو پوری رات مسلسل عبادت اور استغفار میں گذارتے تھے، سجدہ ریز رہتے، بہت زیادہ مناجات اور نالہ وزاری فرماتے تھے"[۳]

ب۔ درگذر اور بردباری

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا درگذر اور ان کی بردباری بے نظیر اور دوسروں کیلئے نمونۂ عمل تھی، آپ کے لئے "کاظم" کا لقب اسی خصلت کو بیان کرنے والا اور کظم غیظ و درگذر کی شہرت کی نشان دھی کرنیوالا ہے۔

مدینہ میں ایک شخص تھا وہ ہمیشہ امام کو ــــ دشنام اور توہین ــــ کے ذریعہ تکلیف پہونچاتا رہتا تھا۔ امامؑ کے کچھ صحابیوں نے یہ پیشکش کی کہ اس کو درمیان سے ہٹا دیا جائے۔

۱؎ بحار جلد ۴۸/۱۰۸، حیاۃ الامام موسیٰ بن جعفر جلد ۱/ ۱۴۲ ــ ۱۴۰ ۔ عیون اخبار الرضا جلد ۱/ ۷۸-۷۷

۲؎ ارشاد مفید/ ۲۹۶، مناقب جلد ۴/ ۳۱۸، اعلام الوریٰ / ۲۹۶

۳؎ الصلوٰۃ علی موسی بن جعفر الذی یحیی اللّیل بالسّھر الی السّحر بمواصلۃ الاستغفار حلیف السجدۃ ــ والدموع الغزیرۃ والمناجاتِ الکثیرۃ الضّراعات والضراعات المتصلۃ ۔ انوار البھیہ مرحوم شیخ عباس قمی/ ۱۸۸

امام نے ان لوگوں کو اس کام سے منع کیا پھر اس کے بعد اس کے گھر کا پتہ پوچھ کر ۔ جو مدینہ سے باہر ایک کھیت میں تھا ۔ تشریف لے گئے اور اسی حالت میں کہ آپ چوپائے پر سوار تھے اس کے کھیت میں داخل ہوئے ، وہ شخص چلاّنے لگا کہ ہمارے کھیت کو پامال نہ کریں! حضرت نے کوئی پروا نہیں کی اور سواری کی ہی کی حالت میں اس کے پاس پہونچے اور سواری سے اترنے کے بعد اس سے ہنس کر پوچھا: اس زراعت کے لئے کتنے پیسے تم نے خرچ کئے ہیں؟ اس نے کہا: سو دینار ۔ آپ نے فرمایا کتنا فائدہ کی اُمید ہے اس نے جواب دیا ." دو سو دینار "۔ آپ نے اس کو تین سو دینار مرحمت فرمائے اور کہا: " زراعت بھی تیری ہے، جس کی اُمید لگائے تھے خدا تجھکو اتنا ہی دے گا ۔ وہ شخص اٹھا اور اس نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے سر کو بوسہ دیا اور اس نے اپنے گناہوں سے درگذر کرنے کی خواہش ظاہر کی ۔ امام مسکرائے اور پلٹ گئے ...

اس کے بعد ایک دن وہ شخص مسجد میں بیٹھا ہوا تھا کہ حضرت موسیٰ ابن جعفرؑ وہاں وارد ہوئے جب امامؑ پر اس شخص کی نظر پڑی تو اس نے کہا: خدا بہتر جانتا ہے کہ اپنی رسالت کو کس خاندان میں قرار دے[1] اس کے دوستوں نے اس سے تعجب سے پوچھا: کیا بات ہے؟ تم تو اس سے پہلے ان کو بہت بُرا بھلا کہتے تھے اس نے دوبارہ امام کے لئے دعا کی اور دوستوں سے الجھ پڑا ۔

امامؑ نے اپنے اصحاب سے ـــــ جو پہلے ان کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتے تھے ـــــ کہا کیا بہتر ہے، تمہاری نیت یا ہمارا سلوک جو اس کو راہِ راست پر لانے کا باعث بنا[2]؟

ج ۔ کام اور کوشش

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے پاس زراعت اور کھیتی تھی آپ خود اس کے کام میں لگے رہتے

---

[1] اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ

[2] ارشاد مفید / ۲۹۷ ، تاریخ بغداد جلد ۱۳ / ۲۸ ، مناقب جلد ۴ / ۳۱۹ ، دلائل الامامہ / ۱۵۱ - ۱۵۰ . بحار ج ۴۸ / ۱۰۲ - ۱۰۳ ، اعلام الوریٰ / ۲۹۶ مقاتل الطالبین / ۳۳۲

تھے، حسن ابن علی ۔ آپ کے صحابی اور شاگرد ۔۔۔ اپنے باپ کا قول نقل کرتے ہیں ہیں نے امام موسیٰ ابن جعفر سے ان کے کھیت میں اس حالت میں ملاقات کی کہ وہ محنت ومشقت کی وجہ سے قدموں تک پسینے سے بھیگے ہوئے تھے ۔ میں نے ان سے کہا : میں آپ پر قربان جاؤں آپ کے آدمی (کام کرنے والے) کہاں ہیں، آپ خود کیوں مشغول ہیں ؟

آپ نے فرمایا : مجھ سے اور میرے والد سے بھی زیادہ بزرگ افراد اپنے کھیت میں کام کرتے تھے میں نے عرض کیا وہ کون لوگ ہیں ؟ آپؑ نے فرمایا : میرے جد رسولِ خدا اور امیر المؤمنینؑ اور ہمارے آباء علیہم السلام ، اس کے بعد آپؑ نے فرمایا : کھیتی باڑی پیغمبروں مرسلین اور صالحین کا کام ہے[۱]"

د ۔ سخاوت وکرم

جودوکرم ، ساتویں امام کی صفتوں میں سے ایک بڑی نمایاں صفت تھی ۔ آپ اپنے مالی امکانات کو ۔۔۔ جو کھیتی باڑی کے ذریعہ آپ نے حاصل کئے تھے ۔ اس طرح ضرورت مندوں کے حوالہ کر دیتے تھے کہ مدینہ میں ضرب المثل کے طور پر لوگ آپس میں کہا کرتے تھے "اس شخص پر تعجب ہے جس کے پاس موسیٰ ابن جعفر کی بخشش وعطا کی تھیلی پہونچ چکی ہو لیکن وہ پھر بھی تنگ دستی کا اظہار کرے[۲] ۔"

آپ کی سخاوت وکرم کے بارے میں ابن صباغ مالکی تحریر فرماتے ہیں : موسیٰ کاظم علیہ السلام اپنے زمانہ کے لوگوں میں عابد ترین ، دانا ترین سب سے زیادہ اور پاک نفس شخص تھے ۔ آپ پیسے

---

۱ وھو من عمل النبیین والمرسلین والصالحین من لایحضرہ الفقیہ جلد ۳/۹۸ مطبوعہ بیروت میں /۲۰۱ ۔ بحار جلد ۴۸/۵

۲ عمدۃ الطالب/۱۹۶ "عجباً لمن جائتہ صرۃ موسیٰ فشکی القلّۃ

اور کھانے پینے کا سامان مدینہ کے ستم رسیدہ افراد تک پہونچاتے اور کسی کو خبر بھی نہیں ہوتی تھی کہ یہ چیزیں کہاں سے آئی ہیں۔ مگر آپ کی رحلت کے بعد پتہ چلا۔[۱]

ایک شخص جس کا نام "محمد ابن عبد اللہ بکری" تھا اپنے مطالبات کو وصول کرنے کے لئے مدینہ آیا لیکن اس کو کچھ نہیں ملا۔ واپسی پر امام سے ملاقات ہوئی اس نے اپنا ماجرا آپ کو سنایا۔ امام نے حکم دیا، اس کو تقریباً تین سو دینار سے بھری تھیلی دی گئی تاکہ وہ خالی ہاتھ اپنے وطن واپس نہ جائے۔[۲]

۵۔ تواضع اور فروتنی

امام موسیٰ ابن جعفر علیہ السلام ایک کالے چہرہ والے کریہہ المنظر شخص کے پاس سے گذرے آپؑ نے اس کو سلام کیا اور اس کے پاس بیٹھ گئے اس سے باتیں کیں اور پھر اس کی حاجت پوری کرنے کے لئے اپنی آمادگی کا اظہار فرمایا آپ سے کہا گیا کہ اے فرزندِ رسول! کیا آپ ایسے شخص کے پاس بیٹھتے ہیں اور اس کی حاجتیں پوچھتے ہیں؟!

آپ نے فرمایا: وہ خدا کے بندوں میں سے ایک بندہ ہے اور خدا کی کتاب میں وہ ایک بھائی ہے، اور خدا کے شہروں میں وہ ہمسایہ ہے، حضرت آدم جو بہترین پدر ہیں، اس کے باپ ہیں اور آئینِ اسلام جو تمام دینوں میں برترین دین ہے اس نے ہم کو اور اس کو باہم ربط دیا ہے۔[۳]

۱۔ فصول المہمہ/۲۳۷

۲۔ المجالس السنیۃ جلد ۲/۵۲۷

۳۔ تحف العقول/۳۵ "عبدٌ من عباد اللہ واخ فی کتاب اللہ وجارٌ فی بلاد اللہ یجمعنا وایاہ خیر الاباء آدم وافضل الادیان الاسلام"

سوالات

(۱) امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کس تاریخ کو پیدا ہوئے اور آپ نے اپنے والد بزرگوار کے ساتھ کتنے دن زندگی گذاری آپ کے والد و والدہ کا نام اور آپ کی سب سے مشہور کنیت اور لقب بیان کیجئے۔

(۲) امام جعفر صادق علیہ السلام کے ارشادات میں سے ایک قول جو آپ کے فرزند موسیٰ ابن جعفر علیہ السلام کی امامت کے بارے میں ہے بیان فرمایئے۔

(۳) امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے اپنے باپ کی علمی تحریک کو کن حالات میں جاری رکھا۔ اس زمانہ میں اسلامی معاشرہ پر حکومت کرنے والے حاکم کے رویہ کا ایک نمونہ بیان فرمایئے۔

(۴) امام موسیٰ کاظمؑ کی علمی اور ثقافتی کوششوں کا کیا نتیجہ رہا؟

(۵) امامت کے محاذ کی نگہبانی کے لئے امام موسیٰ کاظم کے جہاد کا محور کیا چیزیں تھیں۔

(۶) امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کس تاریخ کو کس طرح اور کہاں شہید ہوئے؟

سبق ۱۱

امام علی ابن موسیٰ الرضا علیہ السلام کی سوانح عمری

ولادت

آسمان ولایت کے آٹھویں ستارہ، حضرت علی ابن موسی الرضا علیہ السلام ۱۱ ذی القعدہ ۱۴۸ھ کو اپنے جد بزرگوار امام جعفر صادق علیہ السلام کی رحلت کے سولہ دن کے بعد پیدا ہوئے۔[۱] آپ کا نام علی رکھا گیا مشہور لقب رضا اور کنیت ابوالحسن ہے پدر بزرگوار کا اسم گرامی امام موسیٰ کاظمؑ اور مادر گرامی کا نام نجمہ تھے،[۲] جو خردمندی ایمان اور تقویٰ میں ممتاز ترین عورتوں میں سے تھیں۔[۳]

امامت پر نص

امام علی ابن موسیٰ الرضا ۱۸۳ھ میں — جناب موسیٰ ابن جعفر علیہ السلام کی شہادت کے بعد ۳۵ برس کی عمر میں منصب امامت سنبھالا۔

۱۔ کافی جلد ۱/ ۴۰۶، اعلام الوریٰ/ ۳۱۳، ارشاد مفید/ ۳۰۴، بحار جلد ۴۹/ ۲ و ۳، فصول المہمہ/ ۲۴۴

۲۔ اس خاتون کا دوسرا نام تکتمؑ تھا۔

۳۔ اعلام الوریٰ/ ۳۱۳

آپ کی امامت کا تعین تمام ائمہ معصومین علیہم السلام کی امامت کی طرح رسول خدا کی تعیین و تصریح اور آپ کے پدرِ گرامی امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے تعارف سے ہوا۔

اپنی شہادت سے پہلے موسیٰ ابن جعفر نے زمین پر آٹھویں حجت خدا اور اپنے بعد کے امام کا تعارف مسلمانوں کے درمیان کرایا تاکہ لوگ کجروی اور گمراہی میں نہ پڑ جائیں۔

"مخزومی" نقل کرتے ہیں کہ موسیٰ ابن جعفر نے مجھ کو اور چند دوسرے افراد کو بلایا اور فرمایا: تم کو معلوم ہے کہ میں نے تم لوگوں کو کیوں بلایا ہے؟ ہم نے کہا نہیں! آپ نے فرمایا میں چاہتا ہوں کہ تم لوگ گواہ رہو کہ میرا یہ بیٹا ــــ امام رضا کی طرف اشارہ کر کے ــــ وصی اور میرا جانشین ہے..... [1]"

یزید بن سلیط نقل کرتے ہیں کہ عمرہ بجالانے کے لئے میں مکہ جا رہا تھا، راستہ میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ میں نے ان سے عرض کی کہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہو جائیں آپ بھی اپنے پدرِ بزرگوار کی طرح مجھکو بتایئے (اور اپنے بعد آنے والے امام کا تعارف کرایئے) امام نے امامت کے بارے میں تھوڑی وضاحت کرنے اور اس بات کو بیان کرنے کے بعد کہ امام خدا اور پیغمبر کی طرف سے معین ہوتا ہے ــــ فرمایا "میرے بعد میرے فرزند علی (ابن موسیٰ)، امام ہوں گے جو علی اور علی ابن الحسین کے ہم نام ہیں [2]"

اخلاق و سیرت

ائمہ معصومین علیہم السلام پسندیدہ اخلاق اور بہترین سیرت میں دوسروں کے لئے نمونۂ عمل تھے

---

[1] اعلام الوریٰ/ ۳۱۶، کافی جلد ۱/ ۲۴۹، ارشاد مفید/ ۳۰۶، الفصول المہمہ/ ۲۴۴

[2] .... والامر الی ابنی علی سمی علی و علی" اعلام الوریٰ/ ۳۱۸- ۳۱۷، کافی جلد ۱/ ۲۵۲ ــ ۲۵۱ - ارشاد مفید/ ۳۰۷ - ۳۰۶

اور عملی طور پر لوگوں کو زندگی، پاکیزگی اور فضیلت کا درس دیتے تھے، وہ لوگ باوجود اس کے کہ امامت کے بلند مقام پر فائز اور خدا کے برگزیدہ بندہ تھے لیکن پھر بھی انہوں نے اپنے کو لوگوں سے جدا نہیں کیا۔

ابراہیم ابن عباس کہتے تھے کہ: میں نے کبھی یہ نہیں دیکھا کہ امام رضاؑ اپنی باتوں سے کسی کو تکلیف پہونچاتے ہوں اور کسی کے کلام کو قطع کرتے ہوں اور کسی حاجتمند کو ـــــ امکان کے باوجود ـ بھگا دیتے ہوں، دوسروں کی موجودگی میں پیر پھیلاتے یا ٹیک لگاتے ہوں یا اپنے غلاموں میں سے کسی کو کوئی ناروا بات کہتے ہوں، یا لعاب دہن کو دوسروں کے سامنے پھینکتے ہوں اور قہقہہ مار کر ہنستے ہوں، ان کی ہنسی بس تبسم کی حد تک تھی، جب دسترخوان بچھایا جاتا تو تمام گھر والوں کو حتی کہ دربان اور خدمت گزار کو بھی اس پر بٹھاتے اور ان لوگوں کے ساتھ کھانا کھاتے، راتوں کو کم سوتے اور رات کے زیادہ حصہ میں صبح تک بیدار رہتے اور عبادت کیا کرتے تھے، بہت روزے رکھتے۔[1]

"محمد بن ابی عباد" نقل کرتے ہیں کہ: گرمی میں آپ کا فرش چٹائی اور جاڑے میں کمبل ہوتا تھا، گھر میں کھردرا کپڑا زیب تن فرماتے لیکن جب کبھی لوگوں کے درمیان جاتے تو (معمولاً جو لباس پہنا جاتا ہے وہی پہنتے تھے) اپنے کو سنوارتے۔[2]

ایک شب اپنے مہمانوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے کہ ناگاہ چراغ میں کوئی خرابی پیدا ہو گئی، مہمان نے ہاتھ بڑھایا تاکہ چراغ کو روشن کر دے حضرت نے منع فرمایا اور خود اس کام کو انجام دیا اور فرمایا "ہم وہ ہیں کہ جو مہمانوں سے کام نہیں لیتے"۔[3]

۱۔ اعلام الوریٰ / ۳۲۷، بحار جلد ۴۹ / ۹۱ - ۹۰، مناقب جلد ۴ / ۳۶۰، عیون اخبار الرضا ج ۲ / ۱۸۳ - ۱۸۲

۲۔ اعلام الوریٰ / ۳۲۸، بحار جلد ۴۹ / ۸۹، عیون اخبار الرضا ج ۲ / ۱۷۶، مناقب ج ۴ / ۳۶۰

۳۔ انا قوم لا نستخدم اضیافنا " کافی جلد ۶ / ۲۸۳، بحار جلد ۴۹ / ۱۰۲

حمام میں ایک شخص نے جو آپ کو نہیں پہچانتا تھا، کہا کہ: ذرا کیسہ سے میرا جسم مل دیں۔ امام نے قبول کیا اس نے جب امام کو پہچان لیا تو شرمندگی کے ساتھ عذر خواہی کرنے لگا۔ امامؑ نے کیسہ سے اس کا جسم ملتے ہوئے اس کا دل رکھ لیا کہ نہیں کوئی بات نہیں۔[۱]

اہل بلخ میں سے ایک شخص نقل کرتا ہے کہ میں خراسان کے سفر میں امام رضاؑ کے ساتھ تھا۔ ایک دن دسترخوان بچھایا گیا امام رضا نے تمام خدمت گاروں کو حتیٰ کہ کالی جلد والوں کو بھی دسترخوان پر بٹھایا تاکہ وہ بھی آپ کے ساتھ کھانا کھائیں، میں نے عرض کی: میں آپ پر فدا ہو جاؤں بہتر ہے کہ یہ لوگ دوسرے دسترخوان پر بیٹھ جائیں۔ آپ نے فرمایا: ٹھہرو، بیشک خدا ایک ہے، سب کے ماں باپ ایک ہیں اور جزاء عمل کے مطابق ہے۔[۲]

امام رضا کے خادم۔ یاسر۔ نقل کرتے ہیں کہ امامؑ نے ہم سے فرمایا کہ "جب تم کھانا کھا رہے ہو اور میں تمہارے پاس آکر کھڑا ہو جاؤں تو تم (میرے احترام کے لئے) کھڑے نہ ہونا یہاں تک کھانا کھا کر فارغ ہو جاؤ۔ اسی وجہ سے اکثر ایسا اتفاق ہوا کہ امامؑ نے ہم کو آواز دی اور ان کے جواب میں کہہ دیا گیا کہ "کھانا کھانے میں مشغول ہیں، امام ایسے موقع پر کہہ دیتے تھے کہ "اچھا رہنے دو یہاں تک کہ کھانا کھا کر فارغ ہو جائیں۔[۳]

یعقوب نوبختی نقل فرماتے ہیں کہ ایک سائل نے امام رضا علیہ السلام سے کہا کہ مروّت کے بقدر مجھے عطا کیجئے! امامؑ نے فرمایا کہ ہماری وسعت میں یہ بات نہیں ہے۔ سائل نے عرض کیا، میری مروت کے بقدر عطا کیجئے۔ امامؑ نے غلام کو حکم دیا کہ اس کو دو سو دینار دے دیئے جائیں۔[۴]

۱۔ مناقب جلد ۴/ ۳۶۲، بحار جلد ۴۹/ ۹۹

۲۔ مه ان الربّ واحدٌ والاب واحدٌ والجزاء بالاعمال، بحار جلد ۴۹/ ۱۰۱، کافی جلد ۸/ ۲۳۰

۳۔ کافی جلد ۶/ ۲۹۸، بحار جلد ۴۹/ ۱۰۲ ۴۔ مناقب جلد ۴/ ۳۶۰

امام کا علمی مقام

آٹھویں امام علم و فضل کے اعتبار سے اس منزل پر فائز تھے کہ ہر آدمی آپ کو پہچانتا، آپ کی علمی عظمت کا اعتراف کرتا اور آپ کے سامنے سر تعظیم خم کر دیتا تھا۔

آپ کا زمانہ وہی زمانہ ہے جس زمانہ میں مختلف عقائد و افکار سے سابقہ تھا۔ علوم منتقل ہو رہے تھے۔ معارفِ یونان و اسکندریہ کے متون کا ترجمہ ہو کر دنیائے اسلام اور عرب میں آ رہا تھا، مختلف قسم کے مکاتبِ فکر کے نظریات اور ان کے گوناگون عقائد معاشرہ میں آ رہے تھے اور اس کے نتیجہ میں تضاد اور مختلف خیالات و عقائد ابھر رہے تھے، ایسے وقت میں لوگوں کے لئے اعتماد کے قابل صرف امام رضا علیہ السلام کا وجودِ پُرفیض تھا۔

آپ کا پُرکشش اور پُرفیض محضرِ مبارک شاگردوں اور محققین سے موجیں مار رہا تھا، مختلف فکری جماعتوں کے رہبروں جیسے ثنویہ، دہریہ، یہود، نصاریٰ، زردشتی، زنادیق کے مناظروں کی مرکزِ خلافت بنی عباس میں گرماگرم نشستیں تاریخ میں موجود ہیں جن میں سے ہر مناظرہ آپ کے علمی اور ارشاد و ہدایت کے بلند مقام کو پایۂ ثبوت تک پہونچاتا ہے[۱]۔

ان مناظروں میں ایک طرف تو امام علیہ السلام انحرافات کا سدباب کرتے اور دوسری طرف لوگوں کو اسلامی علوم و معارف سکھاتے تھے اور چونکہ خلفاء بنی عباس کے توسط سے ان کتابوں کے ترجمہ کا مقصد سیاسی تھا جیسے علمِ امام سے مقابلہ یا لوگوں کے ایمان کو اہلبیتؑ سے برگشتہ کر دینا اس لئے امامؑ نے بھی مخصوص انداز سے ان کے منصوبہ کو خاک میں ملا دیا۔

---

[۱] ان مناظروں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لئے کتاب بحار جلد ۴۹ / ۱۸۹ کے بعد کے صفحات اور عیون اخبار الرضا جلد ۱ / ۱۶۵ – ۹۵ ملاحظہ ہوں۔

امام کی شخصیت

امام رضا علیہ السلام کی عظمت و ممتاز شخصیت کے متعلق تمام مورخین اور محدثین اتفاقِ نظر رکھتے ہیں یہاں تک کہ مامون جو آپ کا سخت دشمن تھا اس نے بھی بارہا اس کا اعتراف کیا ہے۔

اس نے اپنے معین کردہ شخص رجاء بن ابی ضحاک سے جب امامؑ کے مدینہ سے مرو سفر کرنے کی خفیہ خبر سنی تو کہا: "یہ (امام کی طرف اشارہ) روئے زمین پر بہترین فرد اور انسانوں میں سب سے بڑے عالم اور عابد ہیں۔[۱]"

نیز امامؑ کی ولی عہدی کے سلسلہ میں مامون نے بیس ہزار افراد کو جمع کر کے خطاب کیا: "....میں نے فرزندانِ عباس اور فرزندانِ علی کے درمیان تلاش کیا لیکن ان میں سے کسی کو اس امر کے لئے علی ابن موسیٰ رضاؑ سے زیادہ لائق، متدیّن، پارسا اور بافضیلت نہیں پایا۔[۲]

امامت کا زمانہ

علی ابن موسیٰ علیہ السلام نے اپنے پدرِ بزرگوار کے قید خانہ میں شہادت کے بعد، ۳۵ سال کی عمر میں رہبری اور امامت کا عہدہ سنبھالا۔ آپ کی امامت کی مدت بیس سال تھی، ہارون الرشید کے زمانہ کے دس سال، امین کی حکومت کے زمانہ کے پانچ سال اور مامون کی خلافت کے عہد کے پانچ سال۔

۱۔ "ھذا خیر اھل الارض واعلمھم واعبدھم ..." عیون اخبار الرضا جلد ۲/ ۱۸۲، بحار ج ۴۹/ ۵

۲۔ دائرۃ المعارف فرید وجدی جلد ۴/ ۲۵۰ "مادہ رضا" مروج الذھب ۳/ ۴۴۱، کامل ابن اثیر ج ۶/ ۳۲۶، طبری جلد ۸/ ۵۵۴

آپ کی امامت کے زمانہ میں آپ کے مجاہدے اور آپ کے موقف ورویہ عباسی خلافت کی مشنری کے مدمقابل تھا، واضح کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس زمانہ کے حالات اور خصوصیات کو دیکھتے ہوئے آپ کے زمانۂ امامت کو دو حصوں میں تقسیم کیا جائے۔

۱۔ آغازِ امامت سے خراسان بھیجے جانے تک (سنہ ۱۸۳ھ تا سنہ ۲۰۱ھ)

۲۔ خراسان بھیجے جانے کے بعد (سنہ ۲۰۱ھ سے سنہ ۲۰۳ھ تک)

الف۔ آغازِ امامت سے خراسان بھیجے جانے تک

علی ابن موسیٰ الرضا علیہ السلام اپنے زمانہ کے حکامِ جور کی طاقت سے بے پروا ہو کر ہدایت ورہبری اور امامت کے فرائض انجام دیتے رہے اس راستہ میں آپ نے کسی بھی کوشش سے دریغ نہیں کیا۔ حکومت کے مقابل امام کا رویہ ــــ اس استبدادی زمانہ میں ــــ ایسا واضح اور یقینی تھا کہ آپ کے کچھ اصحاب آپ کی جان کے بارے میں ڈرنے لگے تھے۔

صفوان ابن یحییٰ نقل کرتے ہیں کہ امام رضاؑ نے اپنے والد کی رحلت کے بعد ایسی باتیں کہیں کہ ہم ان کی جان کے بارے میں ڈر گئے، اور ہم نے ان سے عرض کیا، آپ نے بہت بڑی بات کو آشکار کر دیا ہے۔ ہم آپ کے لئے اسی طاغوت (ہارون) سے ڈر رہے ہیں آپ نے فرمایا: جو کوشش چاہے کرلے وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔[۱]

"محمد ابن سنان" فرماتے ہیں کہ ہارون کے زمانے میں، میں نے امام رضاؑ سے عرض کیا؛ آپ نے امر امامت کے لئے اپنے کو مشہور کر لیا اور باپ کی جگہ بیٹھے ہیں دراں حالیکہ ہارون کی تلوار سے خون ٹپک رہا ہے۔

۱۔ ارشاد مفید/ ۳۱۸، بحار جلد ۴۹/ ۱۱۳، ۱۱۵، مناقب جلد ۴/ ۳۴۰، اعلام الوریٰ/ ۳۲۵، الفصول المہمہ/ ۲۴۵

آپ نے فرمایا کہ: "۔۔۔۔ اگر ہارون میرے سر کے بال میں سے ایک بال بھی کم کر دے تو تم گواہ رہنا کہ میں امام نہیں ہوں"[1]

آٹھویں امام کی اس زمانہ میں ہر چند کہ بڑی وسیع کارکردگی تھی لیکن مصلحتِ اسلام کا تقاضا یہ تھا کہ خلافت سے براہ راست ٹکرانے کے بجائے اپنے فریضۂ الٰہی کو دوسری طرح انجام دیں تاکہ وہ دشمن امام رضا کے موقف سے ٹکرانے کے لئے تیار نہ ہو جائیں جو چھٹے امام کی عمر کے آخری زمانے میں اس بنیادی نقشہ کی گہرائی اور اہمیت سے واقف ہو چکے تھے جو نقشہ امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہما السلام نے دانشکدہ جعفری کے قالب میں پیش کیا تھا۔

آپ نے علویوں کے بہت سے قیام — جیسے اسلامی ثقافت کی نشر و اشاعت کے لئے زید ابنِ علی کے قیام — کی پشت پناہی اور حمایت کے علاوہ، اسلامی ثقافت کے مختلف پہلوؤں کی مخصوص انداز میں اپنے زمانہ کے تقاضے کے مطابق حمایت کرتے رہے۔

امامؑ کی امامت کا یہ آٹھ سالہ دور (ابتداءِ امامت سے خراسان بھیجے جانے تک) جو امین و مامون کی خلافت کا زمانہ تھا ایک رخ سے امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہما السلام کے زمانہ سے مشابہ تھا۔

اس لئے کہ ایک طرف امین و مامون کے درمیان خلافت کے مسئلہ پر خوں چکاں اختلافات اور کشمکش چھڑی ہوئی تھی[2] اور نتیجہ میں ۱۹۸ھ میں امین قتل کر دیا گیا اور مامون تختِ خلافت

---

[1] "۔۔۔۔ ان اخذ هارون من رأسی شعرة فاشهدوا انی لست بامام" کافی جلد ۸/۲۵۸ - ۲۵۷، مناقب جلد ۴/۳۲۹، آخرکار وہی ہوا جو کہ امام نے فرمایا تھا ہارون کو امام پر ہاتھ ڈالنے کی فرصت پانے کے بجائے اپنے سپاہیوں کے ساتھ مشرقی ایران میں پیدا ہونے والی شورش دبانے کے لئے خراسان کی طرف سے گذر راستہ میں بیمار ہوا اور انجام کار ۱۹۳ھ میں طوس میں انتقال کر گیا تاریخ ابی الفداء جلد اجزء دوم/۱۸"

[2] اس اختلاف کا سبب یہ تھا کہ ہارون نے امین کو اپنے بعد خلافت کے لئے مقرر کیا تھا لیکن اس کی شرط یہ تھی کہ وہ مامون کو اپنا ولیعہد بنائے اور خراسان کے صوبہ کی حکومت اس کے حوالہ کر دے لیکن امین نے ہارون کی موت کے بعد مامون کو ولی عہدی سے معزول کر دیا اور اپنے بیٹے

(اگلے صفحہ پر)

پر بیٹھا۔

دوسری طرف انحرافی اور اجنبی کی ثقافت نئے قالب اور جدید شکل میں پھیل رہی تھی علم علم کلام، فقہ اور اخلاق والے مکاتب فکر ہر لحظ پراگندہ ہو رہے تھے اور انتشار پھیلا رہے تھے۔ علما اہل وادیان، خدمت، تعاون، ترجمہ، طبابت اور قدرتی ذخیروں سے فائدہ اٹھانے کے قریب ہو رہے تھے تفرقہ اندازی اور ایسے مسائل کو نشر کرنے میں لگے ہوئے تھے جو اسلام سے بے اعتقادی کا سبب بنتے تھے۔ مامون نے اس زمانہ میں علم و حکمت سے دوستی کے نام پر اپنے سیاسی مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے ان کے لئے میدان خالی کر رکھا تھا، اور اس بات کی کوشش کر رہا تھا کہ حق دار پارٹی کے ثقافتی نفوذ کو ــــ جو کہ امام محمد باقر علیہ السلام کے زمانہ سے مائل بہ وسعت تھا ــــ محدود کر دے اور معاشرہ کے ذہن کو انقلابی اور اہل بیت کی حق طلب ثقافت سے ہٹا دے۔

یہی وہ جگہ ہے جہاں اسلامی معاشرہ کے لئے اس آٹھ سالہ دور میں امام کی شخصیت ابھر کر سامنے آئی اور شیعوں کو بھی موقع ملا کہ مسلسل آپ سے رابطہ رکھیں اور آپ کی رہنمائی سے بہرہ برداری کرتے رہیں خاص اس وقت سے جب آپ نے بصرہ اور کوفہ کا سفر کیا اور عوامی مرکز سے براہ راست ارتباط پیدا کیا تو ان دو شہروں کے عوام نے پہلے سے آمادگی کی بنا پر اپنے رہبر کا شاندار استقبال کیا۔ امام نے اپنے دوستوں اور شیعوں سے ملاقات کے علاوہ مختلف قوموں کے دانشمندوں اور مختلف جماعتوں کے لیڈروں سے بحث و مناظرہ کی نشستیں تشکیل دیں اور معارف اسلامی کی مختلف انداز سے نشر و اشاعت کی[۱]۔

امام اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے موقف کے استحکام اور اسلامی معاشرہ کے مختلف

ـــہ (بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ) موسیٰ کو اس عہدہ کے لئے نامزد کر دیا۔ یہی بات ان دونوں کے درمیان کشمکش اور خون چکاں جنگ کا باعث بنی، کامل جلد ۶/۲۲۷

[۱] امام کے بصرہ اور کوفہ کے سفر اور آپ کی خدمت میں پہنچ کر شیعوں کے استفادہ اور اسی طرح آپ کے مناظرہ کے بارے میں بحار جلد ۴۹/۸۱-۷۹ ملاحظہ ہو۔

طبقوں کے درمیان اپنے نفوذ کو وسعت دینے میں کامیاب ہوئے۔

مامون سے ایک گفتگو میں آپ لوگوں کے درمیان اپنے نفوذ کی میزان کی طرف اشارہ فرماتے ہیں کہ، "اس امر — ولی عہدی — نے ہمارے لئے کسی نعمت کا اضافہ نہیں کیا ہے۔ میں جب مدینہ میں تھا تو میری تحریر مشرق و مغرب میں چلتی تھی....."[1]

اکثر ایسا ہوتا تھا کہ حکومت کے مسائل کو حل کرنے اور مختلف گروہوں کے غصہ کو ٹھنڈا کرنے کے لئے مامون امام رضا سے رابطہ قائم کرتا تھا اور ان سے یہ خواہش کرتا تھا کہ لوگوں سے باتیں کریں اور ان کو خاموش رہنے اور چپ ہو جانے کی دعوت دیں۔[2]

علویوں کا قیام

علویوں نے بھی دربارِ خلافت کے جھگڑوں اور ان کے آپس میں الجھ جانے سے فائدہ اٹھایا اور امام کی شخصیت اور ان کے موقف پر تکیہ کرتے ہوئے خلافت کی مشنری کے خلاف قیام اور شورش برپا کی منجملہ ان کے:

"ابو السرایا" کا قیام تھا، انہوں نے "محمد ابن ابراہیم طباطبا"[3] کی بیعت کے نعرہ کے ساتھ ۱۹۹ھ میں کوفہ میں خروج کیا اور لوگوں کو خاندانِ پیغمبرؐ کی نصرت اور شہیدانِ آلِ محمد کے خون کا انتقام

---

1. ... ولقد كنت بالمدينة وكتابي ينفذ في المشرق والمغرب ...." بحار جلد ۴۹/ ۱۵۵ - ۱۴۴، کافی ج ۸/ ۱۵۱

2. عیون اخبار الرضا جلد ۲/ ۱۶۲-۱۶۱، الحیاۃ السیاسیۃ للامام الرضا/ ۱۴۶، مناقب ج ۴/ ۳۴۷، اعلام الوریٰ/ ۳۳۹

3. یہ امام حسن مجتبیٰ کی نسل سے تھے، ابو الفرج نے جابر جعفی سے روایت کی ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے ان کے خروج کی خبر دی اور فرمایا ۱۹۹ھ میں ہم اہل بیت میں سے ایک شخص منبر کوفہ پر خطبہ پڑھے گا خدا اس کے وجود کی بنا پر ملائکہ پر مباہات کرے گا۔ تتمۃ المنتہیٰ/ ۲۶۴، مقاتل الطالبین/ ۳۴۸

لینے کی دعوت دی ابوالسرایا کا لشکر ان تمام سپاہیوں کو ختم کر دیتا تھا جن کو حکومت ان لوگوں سے مقابلہ کے لئے بھیجتی تھی اور یہ لشکر جس شہر میں بھی جاتا اس کو اپنے قبضہ میں لے لیتا تھا۔[1]

وہ دو ماہ سے کم عرصہ میں مامون کے دو لاکھ لشکر والوں کو قتل کرتے میں کامیاب رہے۔

اس طرح کوفہ، جس نے حسین ابن علی کے ساتھ خیانت کا ثبوت دیا اور زید ابن علی کو تنہا چھوڑ دیا تھا، اس بار ابن طباطبا کی ہمراہی میں علوی تحریک اور اس کے اعلیٰ مقاصد کے دفاع کیلئے اٹھ کھڑا ہوا۔

کوفہ میں ابوالسرایا کے قیام کے علاوہ مختلف علاقوں جیسے بصرہ، یمن، واسط، مدائن حتیٰ بین النہرین اور شام میں علویوں اور غیر علویوں نے قیام کیا اور حکومت عباسی کے مدمقابل ڈٹ گئے۔[2]

یہ تمام چیزیں اس بات کی بولتی ہوئی دلیل ہیں کہ مختلف طبقات کے لوگ غیر اسلامی حکومت اور عباسیوں کے ظلم کے خلاف تھے اور اہل بیت کے حق طلب اور عدالت گستر مکتب کے گرویدہ ہوتے جا رہے تھے۔

اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں اسلامی مملکت کے اندر مامون کے تمام تصفیہ کے باوجود یہاں تک کہ اس کے اپنے بھائی امین کے قتل کر دینے کے بعد بھی تمام اسلامی علاقوں پر جیسا چاہتا تھا ویسا تسلط نہ حاصل کر سکا۔

اگرچہ اس زمانہ میں ـــ ظاہری قدرت اور زر و زور کے اعتبار سے ـــ نگاہیں حکومت کے پایۂ تخت "مرو" پر جمی ہوئی تھیں، لیکن دینی وراثت، آوازۂ حق اور حق کے اصلی رہبر کے چہرہ کو دیکھنے کے لئے نگاہیں مدینہ کی طرف متوجہ تھیں یعنی اس شہر کی جانب جہاں فرزند پیغمبرؐ اور پیشوائے حق حضرت علی ابن موسیٰ رضاؑ رہتے تھے۔

---

[1] ضحیٰ الاسلام ج ۳/۲۹۴، تاریخ طبری جلد ۸/۵۳۰، الحیاۃ السیاسیۃ للامام الرضا/۱۸۳

[2] الحیاۃ السیاسیۃ للامام الرضا/۱۸۳ منقول از مقاتل الطالبین، البدایہ والنہایہ

اس عرصہ میں دوسرے تمام لوگوں سے زیادہ اچھی طرح مامون کو معلوم تھا کہ کون سا حادثہ اس کے انتظار میں ہے ان تحریکوں کا سرچشمہ کہاں ہے کس کی پشت پناہی اور موقف پر اعتماد کرتے ہوئے یہ تحریکیں چل رہی ہیں اس وجہ سے اس نے اس بنیادی اور بڑی بات کی اصولی چارہ جوئی کرنے کی ترکیب سوچی۔

ب۔ سفرِ خراسان کی پیشکش کے آغاز سے شہادت تک

امامؑ کی زندگی کا یہ حصہ جو تقریباً ۱۸ مہینوں پر پھیلا ہوا ہے۔ کم مدت ہونے کے باوجود اس واقعہ کو اپنے دامن میں لئے ہے جس نے خلافتِ عباسی کے مدِمقابل امامت کے موقف کو دوسری سطح میں قرار دیا۔

مشکلات اور دشواریاں جو علویوں کی طرف سے پیدا ہوگئی تھیں جن کا سرچشمہ ان کے رأس و رئیس امام رضا علیہ السلام کی گراں قدر شخصیت تھی، وہ دشواریاں جنہوں نے حکومت کو زوال کے معرضِ خطر میں ڈال رکھا تھا۔ ان کے چنگل سے نجات حاصل کرنے کے لئے مامون نے وہ نیا طریقہ اپنایا جس کو آج تک اس نے نہیں اپنایا تھا۔ اور وہ طریقہ یہ تھا کہ ولیعہدی کی پیشکش کر کے اہم ترین مخالف شخصیت کو اپنے مرکزِ قدرت میں آنے کی دعوت دے اور ان کو اپنا بالادست بنا دے۔

لہٰذا دل نہ چاہنے کے باوجود اپنے وزیر "فضل ابنِ سہل" سے مشورہ کے بعد امامؑ کو مدینہ سے مامون نے مرو بلایا اور ولیعہدی قبول کرنے کے لئے مجبور کیا۔

مامون کے اس خلاف توقع اور نئے اقدام میں ابتداء میں اس کی حکومت کے لئے بڑی مشکلیں پوشیدہ تھیں جن میں سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ عباسیوں اور علویوں کی رائے اس اقدام کا استقبال نہیں کر رہی تھی۔ اس لئے کہ وہ لوگ یہ دیکھ رہے تھے کہ اس نے مسندِ خلافت تک پہونچنے کے لئے اپنے بھائی کو قتل کر دیا اور خود بھی اہلِ بیت کے سخت ترین دشمنوں میں شمار کیا

اس لئے مامون نے کسی بھی ممکنہ صورت سے اپنے صدق و اخلاص کو ثابت کرنے کے لئے مندرجہ ذیل اقدامات کئے:

۱۔ سیاہ لباس کو جو عباسیوں کا شعار تھا، جسم سے اتار پھینکا اور سبز لباس جو علویوں کا شعار تھا اپنا لیا۔

۲۔ اس نے حکم دیا کہ امام رضاؑ کے نام کے سکّے ڈھالے جائیں اور ہر شہر میں منجملہ ان کے مدینہ میں ان کے نام کا خطبہ پڑھا جائے۔

۳۔ اپنی بیٹی "ام حبیبہ" کو — باوجودیکہ وہ امامؑ سے چالیس سال چھوٹی تھی — امام کی زوجیت میں دے دیا۔

۴۔ امام رضاؑ اور علویوں کا بظاہر احترام و اکرام کرنے لگا۔

مامون مطمئن تھا کہ ان اقدامات میں سے کوئی بھی اقدام یہاں تک کہ امامؑ کے لئے بیعت حاصل کرنا بھی اس کے نقصان کا سبب نہیں ہے۔ اس سیاست کو اپنانے کا مقصد یہ تھا کہ اس وقت فوراً علویوں کی شورش کو روک دیا جائے اور ایک طویل مدتی منصوبہ کے تحت امام کو میدان سے الگ ہٹا دیا جائے۔

ولی عہدی کا واقعہ

امام رضاکی ولی عہدی کے واقعہ کو دو جہتوں سے تولنا چاہیئے، ایک تو اس زمانہ کی خلافت کی مشنری کی سیاست کے اعتبار سے اور دوسرے امام کے نظریہ کے مطابق۔

الف۔ خلافت کی سیاست کے اعتبار سے

ولی عہدی کے مسئلہ میں مامون کے چند مقاصد پوشیدہ تھے ان میں سے اہم ترین مقاصد کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے۔

۱۔ امام رضاؑ کی شخصیت سے جو خطرہ تھا اس سے اپنے آپ کو بچا لینا۔

۲۔ امام رضاؑ کو اپنے قابو میں رکھنا اور شاید مامون نے اپنی بیٹی سے آپ کی شادی اسی وجہ سے کی تھی کہ ان کو باہر قابو کرنے کے علاوہ ان کی داخلی زندگی میں بھی ایک نگہبان معین کر دے جو ہمارے لئے بھی قابلِ اطمینان ہو اور ان کا بھی اعتماد حاصل کر لے۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ امام کو مرو بلاتے ہی اس نے جاسوسوں کو معین کر دیا منجملہ ان کے ہشام ابن ابراہیم راشدی جو امام کے نزدیک ترین افراد میں تھا اور امام کے امور اسی کے ہاتھ سے انجام پاتے تھے وہ فضل ابنِ سہل اور مامون سے رابطہ پیدا کر کے اپنی مخصوص حیثیت کو ان کے سامنے بیان کرتا ہے اور مامون اس کو (عمومی رابطہ کا ذمہ دار) امام کا حاجب بنا دیتا ہے اس کے بعد امام سے وہی ملاقات کر سکتا تھا جس کو ہشام چاہتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ امام کے دوستداروں کی ملاقات کم ہو گئی اور جو کچھ امام کے گھر میں ہوتا اس کی خبر ہشام مامون کو دیتا[1]۔ اور وہ اس طرح امام کے شیعوں اور رشتہ داروں کو مکمل طور پر پہچانتا تھا۔

۳۔ معاشرتی زندگی اور عوام کے مراکز سے امام کا رابطہ منقطع کر دینا۔ تاکہ اس طرح آپ کے دوستدار آپ تک نہ پہونچ سکنے کی وجہ سے پراگندگی کا شکار ہو جائیں۔

۴۔ امام کی معنوی حیثیت اور نفوذ سے علویوں کی شورشوں کو ختم کرنے اور عباسیوں کے خلاف لوگوں کے غیظ و غضب اور کینہ کو ختم کرنے میں فائدہ حاصل کرنا۔ اس نے یہ سمجھا تھا کہ آپ کی شخصیت کا جتنا معنوی نفوذ ہے اور جتنی عوامی پشت پناہی آپ کو حاصل ہے آپ سے اپنا سلسلہ جوڑ کر اتنی ہی جگہ اس کی حکومت بھی لوگوں کے درمیان پیدا کر لے گی۔

۵۔ اپنی حکومت کو شرعی حیثیت دینا: اس لئے کہ علویوں کے علاوہ۔ جو حکومتِ بنی عباس کی حکومت کی اساس کو غیر شرعی سمجھتے تھے ــــ جو لوگ مامون کے ذریعہ قانونی

---

[1] الحیاۃ السیاسیۃ للامام الرضاؑ ۲۱۴ - ۲۱۳، بحار جلد ۴۹/۱۳۹، مسند امام رضا ۱/۸۷-۷۷۔ عیون اخبار الرضا ج۲/۱۵۲

خلیفہ یعنی امین کے قتل کی وجہ سے ــــ خلافت بنی عباس کو مانتے ہوئے ـ بھی وہ مامون کی خلافت کو شک و تردید کی نظر سے دیکھتے تھے ـ اس لئے بہت سے لوگوں نے مامون کی بیعت نہیں کی تھی۔[1]

۶ـ اہل بیت علیہم السلام کی الٰہی رہبری کو داغدار کرنا اور امام رضا علیہ السلام کی اجتماعی اور معنوی حیثیت کو چکناچور کر دینا ـ اس لئے کہ مامون یہ سوچتا تھا کہ امام کا ولی عہدی کو قبول کر لینے سے آپ کی معنوی رہبری کو چوٹ پہونچیگی اور امام کی طرف سے لوگوں کا اطمینان ختم ہو جائے گا۔

خاص طور سے سن کے اس فرق کی وجہ سے جو امامؑ اور مامون کے درمیان تھا ـ امام علیہ السلام مامون سے ۲۲ سال بڑے تھے (اب ایسی صورت میں) ولی عہدی قبول کر لینے کو لوگ امام کی دوستی اور دنیا پرستی پر محمول کرتے ـ اس لئے کہ اس مسئلہ کو اہل بیت علیہم السلام کے اس نظریہ اور نعرہ کے خلاف پاتے جو وہ بلند کیا کرتے تھے ـ

آٹھویں امام نے مامون کے ساتھ اپنی ایک گفتگو میں اس نقشہ کی طرف اشارہ کیا ہے:

آپ فرماتے ہیں: تم یہ چاہتے ہو کہ لوگ کہنے لگیں کہ علی ابن موسیٰ الرضا دنیا سے روگرداں نہیں ہیں، یہ دنیا ہے جو ان تک نہیں آئی ہے، کیا تم لوگ نہیں دیکھتے کہ انہوں نے کس طرح خلافت کی طمع میں ولی عہدی قبول کر لی۔[2]،،

دوسری طرف مامون کو یہ معلوم تھا کہ امام کا حکومت کی مشنری میں داخل ہونا ــــ ان تمام خرابیوں اور عظیم انحرافات کے بعد ــــ اصلاح کا باعث نہیں بنے گا وہ چاہتا تھا کہ امامؑ کو ایسی جگہ پر لایا جائے تاکہ لوگوں کو سمجھایا جا سکے کہ امام امرِ خلافت کے لائق نہیں ہیں۔

---

[1] الحیاۃ السیاسیۃ للامام الرضا/ ۱۸۹ - ۱۸۸

[2] مناقب جلد ۴/ ۳۶۳ - عیون اخبار الرضا جلد ۲/ ۱۳۹، بحار جلد ۴۹/ ۱۲۹

مامون نے "حمید ابن مہران" اور دوسرے عباسیوں کے جواب میں جو امام رضا کو ولی عہدی سپرد کرتے پر سرزنش کر رہے تھے، اپنے بعض مقاصد کو شمار کرتے ہوئے اعتراف کیا ہے کہ: .... یہ ہم سے پوشیدہ اور دور تھے اپنی طرف لوگوں کو دعوت دیتے تھے ہم نے چاہا کہ ان کو اپنا ولی عہد قرار دیں تاکہ ان کی دعوت ہمارے لئے ہو جائے اور یہ ہماری سلطنت و خلافت کا اعتراف کرلیں اور ان کے شیدائی یہ سمجھ لیں کہ جس چیز کا وہ دعوی کرتے ہیں ان میں وہ چیز نہیں ہے اور یہ خلافت ہمارا مخصوص حق ہے نہ کہ ان کا۔ ہم کو یہ خوف تھا کہ اگر ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے تو یہ ہنگامہ برپا کردیں گے۔ ایسا ہنگامہ جس کو ہم لوگ نہیں روک سکتے اور یہ ایسی صورت پیدا کردیتے کہ جس کے مقابلہ کی تاب ہم میں نہیں رہتی[۱]۔"

ب۔ امام کے نکتۂ نظر سے

امامؑ کو پہلے مامون کی پیش کش کا سامنا ہوا لیکن امامؑ نے بڑی شدت سے اس کو قبول کرنے سے انکار کیا اور جواب میں فرمایا: "اگر خلافت تمہارا حق ہے تو تم کو یہ حق نہیں ہے کہ خدا کے پہنائے ہوئے اس لباس کو اپنے جسم سے اتار کر دوسرے کے جسم پر پہنا دو اور اگر تمہارا حق نہیں ہے تو اس چیز کو کس طرح تم دے رہے ہو جو تمہاری ملکیت نہیں ہے[۲]۔"

مامون نے ولی عہدی کی پیش کش کی اور امام کو ہر طرف سے اسے قبول کرنے پر مجبور کیا اس نے کہا: "عمر ابن خطاب نے اپنے بعد خلافت کے منصب کے لئے ایک شوریٰ (کمیٹی) بنائی اور انکو حکم دیا کہ جو مخالفت کرے اس کی گردن اڑا دینا۔ اب جو میں نے ارادہ کیا ہے اس کو قبول کر لینے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ہے ورنہ میں آپ کی گردن اڑا دوں گا۔

۱۔ انوار البہیۃ / ۲۰۷، مناقب ج ۴ / ۳۶۷، اعلام الوریٰ / ۳۴۳

۲۔ مناقب ج ۴ / ۳۶۳، بحار ج ۴۹ / ۱۲۹، عیون اخبار الرضا جلد ۲ / ۱۲۹ - ۱۳۸

امامؑ نے اس کی پیشکش کو چند بار ٹھکرانے کے بعد بجبر و اکراہ، مشروط طریقہ پر ولی عہدی کو قبول کرلیا[1] مامون نے ۵ رمضان ۲۰۱ھ کو امام کی ولی عہدی اور بیعت کا جشن منایا۔

مسئلۂ ولی عہدی کے بارے میں امامؑ کے موقف کے واضح ہوجانے کیلئے ہم مختصر طور پر تین موضوعات کی تحقیق کریں گے۔

۱۔ امامؑ کی ناراضگی کے دلائل

۲۔ ولی عہدی قبول کرنے کے دلائل

۳۔ امامؑ کا منفی رویہ

امامؑ کی ناراضگی کے دلائل

۱۔ ریان ابن صلت نقل کرتے ہیں کہ میں نے امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا: اے فرزندِ رسول! کچھ لوگ کہتے ہیں کہ آپ نے مامون کی ولی عہدی کو قبول کرلیا ہے باوجودیکہ آپ دنیا کی بہ نسبت زھد اور بے رغبتی کا اظہار فرماتے ہیں؟ امام نے فرمایا: "یہ کام میری خوشی کا باعث نہ تھا لیکن میں ولی عہدی قبول کرنے اور قتل کئے جانے کے درمیان متردد تھا، مجبوراً میں نے ولی عہدی کو قبول کیا...[2]"

۲۔ محمد ابن عرفہ نقل کرتے ہیں کہ میں نے امامؑ سے عرض کیا اے فرزندِ رسول خدا! آپ نے ولی عہدی کو کیوں قبول کیا؟ آپ نے فرمایا: "اسی دلیل سے جس دلیل سے میرے

---

[1] اس سلسلہ میں ملاحظہ ہو مناقب جلد ۴/ ۳۶۳ — ۳۶۲، بحار جلد ۴۹/ ۱۳۰ - ۱۲۹، ارشاد مفید/ ۳۱۰، عیون اخبار الرضا جلد ۲/ ۱۳۹ — ۱۳۸، اعلام الوریٰ/ ۳۲۳ — ۳۲۴ - عنقریب ان شرائط کی طرف اشارہ کیا جائے گا امام جن شرطوں کے قائل تھے۔

[2] عیون اخبار الرضا جلد ۲/ ۱۳۶، بحار جلد ۴۹/ ۱۳۰

جد علیؑ کو شوریٰ میں شرکت کرنے پر آمادہ کیا گیا تھا[1]۔"

۳ ــــ امام کے خادم یاسر نقل کرتے ہیں کہ: امامؑ کے ولی عہدی کو قبول کر لینے کے بعد میں نے ان کو دیکھا کہ آپ ہاتھوں کو آسمان کی طرف بلند کر کے فرماتے تھے: "خدایا تو تو جانتا ہے کہ میں نے بجبر و اکراہ اسے قبول کیا ہے۔ لہٰذا مجھ سے مواخذہ نہ کرنا جس طرح تو نے اپنے بندہ یوسف کا ــــ جب انہوں نے مصر کی حکومت کو قبول کیا ــــ مواخذہ نہیں کیا[2]۔"

ولی عہدی قبول کرنے کے دلائل

ولی عہدی کا ان شرطوں کے ساتھ قبول کرنا جو امامؑ نے رکھی تھیں، اس زمانہ کی سیاسی اور اجتماعی مصلحت کا تقاضا تھا ورنہ اگر کوئی بھی مصلحت اس کے قبول کرنے میں نہ ہوتی تو امام قبول ہی نہ کرتے چاہے نتیجہ میں ان کا خون ہی کیوں نہ بہا دیا جاتا۔ اس موضوع کو واضح کرنے کے لئے چند نکات پیش کیے جاتے ہیں۔

۱ ــــ انکار کی صورت میں امامؑ کو جو قیمت ادا کرنی پڑتی وہ صرف ان کی جان نہ تھی بلکہ علویوں اور دوست سب کے سب واقعی خطرہ میں پڑ جاتے اور اس سے کوئی مطلوبہ نتیجہ بھی ہاتھ نہ آتا۔

۲ ــــ شیعوں کی امامت کی جگہ اس وقت تک زندانوں اور شہادت گاہوں کے اندر ہی تھی اور شیعہ جو خلافت اسلامی کے اہل تھے ــــ امیر المؤمنینؑ کے زمانہ کے علاوہ ــــ کبھی بھی قانونی حیثیت (ظاہری حیثیت) ان کو نہیں ملی تھی کہ وہ تخت خلافت

---

1. عیون الرضا جلد ۲/ ۱۳۹، مناقب جلد ۴/ ۳۶۴، بحار جلد ۴۹/ ۱۴۰۔ شاید امام کا نظریہ یہ رہا ہو کہ لوگ اہل بیت کو سیاست کے میدان میں دیکھ لیں اور ان کو بھول نہ جائیں۔ شاید اصل کی تشبیہ خفیہ مصالح پر مشتمل رہی ہو۔

2. مناقب جلد ۴/ ۳۶۴ - بحار جلد ۴۹/ ۱۳۰

کے دامن میں ترقی کریں اور راستہ طے کریں ۔

سلف کے مسلسل جہاد اور ان کے خون پاک کی قیمت تھی کہ یہ حیثیت امام علی ابن موسیٰ الرضا کی بلند و بالا شخصیت میں اجاگر ہوئی تھی لہٰذا اس سے فائدہ اٹھانا چاہئے تھا تاکہ لوگ یہ نہ سوچ بیٹھیں کہ اہل بیت ۔۔ جیساکہ لوگوں نے مشہور کر رکھا ہے ۔۔ صرف عالم اور فقیہ ہیں جن کا سیاست اور عملی میدان میں کوئی حصہ نہیں ہے اور شاید ابن عرفہ کو امام کا جواب بھی اس بات کی طرف اشارہ ہو ۔

۳ ۔۔ امامؑ اپنے ولی عہدی کے زمانہ میں مامون کے اصلی چہرہ کو لوگوں کے درمیان پہچنوانے اور اس کی نیت و مقصد کا پول کھول کر لوگوں کے ذہن و دماغ سے ہر طرح کے شک و شبہ کو ختم کرنے میں کامیاب ہو گئے ۔

۴ ۔۔ جو نشستیں مامون نے منعقد کیں ان میں امام، علوم اہل بیت کی برتری اور دوسروں کے انحراف کو آشکار کرنے میں کامیاب ہو گئے ۔

امام کا منفی رویہ

امامؑ نے مامون کی بہانہ بازی والی سیاست کو پہچان کر شروع ہی سے، یہاں تک کہ ولی عہدی قبول کرنے سے پہلے ہی مامون کی مشنری کے مقابل منفی موقف اختیار کیا نمونہ کے طور پر ان میں سے کچھ مواقف پیش کئے جا رہے ہیں ۔

۱ ۔۔ مامون کی خواہش یہ تھی کہ آپ اپنے خاندان میں سے جس کو چاہیں اپنے ہمراہ لائیں لیکن اس کے برخلاف امامؑ یہ بتانے کے لئے کہ یہ ایک زبردستی کا سفر ہے اور مجھ کو وطن سے دور کیا جا رہا ہے ۔ اپنے خاندان میں سے کسی کو حتیٰ اپنے اکلوتے بیٹے امامؑ جواد کو بھی اپنے ساتھ نہیں لائے اور گھر سے نکلتے وقت انہوں نے اپنے خاندان والوں سے اپنے سامنے گریہ کرنے کی خواہش کی۔[۱]

---

[۱] بحار جلد ۴۹ / ۱۱۷، مناقب جلد ۴ / ۳۴۰ عیون اخبار الرضا جلد ۲ / ۲۱۹

۲ــــ امام مدینہ سے "مرو" کے راستہ میں جب نیشاپور پہونچے تو وہاں علماء اور مختلف گروہ کے لوگوں نے استقبال کیا امام نے ان کی خواہش پر اس حدیث کو بیان فرمایا جو "سلسلۃ الذہب" کے نام سے مشہور ہے "...... اللہ عزوجل یقول: لا الٰہ الا اللہ حصنی فمن قالہا دخل حصنی ومن دخل حصنی امن من عذابی[1]۔" "خداوندِ عالم فرماتا ہے کہ کلمۂ توحید میرا قلعہ ہے جو اس کلمہ کو پڑھے وہ میرے قلعہ میں داخل ہو گیا اور جو میرے قلعہ میں داخل ہو گیا وہ میرے عذاب سے محفوظ ہو گیا۔

جب حدیث ختم ہو گئی تو امامؑ نے اپنی سواری آگے بڑھا دی لیکن چند قدم چلنے کے بعد پھر ٹھہرے اور سر کو کجاوہ سے باہر نکال کر فرمایا: "بشروطہا وانا من شروطہا" کلمۂ توحید کے کچھ شرائط ہیں اور منجملہ ان شرائط کے میں ہوں۔

اس مقام پر امامؑ نے ولایت کے مسئلہ کو توحید کے بنیادی مسئلہ کے ساتھ بیان فرمایا اور جملہ "انا من شروطہا" کے ذریعہ آپ نے بنیادی اور کلی موضوع کی نشاندہی فرمائی، اسی وجہ سے آپ نے روایت بیان کرنے سے پہلے اس روایت کے سلسلہ کو بھی بیان فرمایا اور لوگوں کے کثیر مجمع کو یہ سمجھایا کہ امت کی رہبری اور ولایت کا تعلق ومبدأ اعلیٰ اور خدا سے ہے۔ اس طرح آپ نے اپنی امامت کو خدا کی طرف منسوب کر کے حکومت مامون کی مشروعیت پر خطِ بطلان کھینچ دیا۔

۳ــــ امامؑ نے ولی عہدی کو قبول کرنے کے لئے کچھ شرطیں رکھیں اور فرمایا (ولیعہدی) مجھے قبول ہے لیکن اس کی شرط یہ ہے کہ میں امر ونہی کرنے والا اور مفتی وقاضی نہیں رہوں گا کسی کو معزول ومنصوب نہیں کروں گا اور کسی چیز کو تبدیل نہیں کروں گا[2]۔

---

[1] بحار جلد ۴۹/۱۲۳۔ مسند امام رضا جلد ۱/۵۹ "مقدمہ د ۳۴"، عیون اخبار الرضا جلد ۲/۱۳۲-۱۳۴، الفصول المہمہ/۲۵۴

[2] مناقب جلد ۴/۳۶۳، ارشاد مفید/۲۱۰، اعلام الوری/۳۳۴ "اجیبک الی ما ترید من ولایۃ العہد علی اننی لا آمر ولا انہی ولا افتی ولا اقضی ولا اولی ولا اعزل ولا اغیر شیئا مما ھو قائم"

امام نے یہ منفی موقف اختیار کر کے مامون کے بعض مقاصد پر خط بطلان کھینچ دیا اس لئے کہ اس روش کو اختیار کرنا مندرجہ ذیل باتوں کی دلیل ہے :

الف - لوگوں کے ذہنوں میں بہت زیادہ شبہ اور ابہام کا پیدا کرنا اور نتیجہ میں مامون کو متہم کر دینا۔

ب - مامون کی حکومت کی شرعی حیثیت کو سلب کر لینا ۔

ج - اپنی پارسائی اور زھد کا اثبات

۴ — نماز عید اور امام کا موقف

مامون نے امامؑ سے چاہا کہ نماز عید پڑھا دیں آپ نے جواب دیا کہ میرے اور تمہارے درمیان جو شرطیں ہیں ان کی بنا پر تم مجھ کو معذور سمجھو۔ مامون نے کہا " اس سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ لوگ مطمئن ہو جائیں اور آپ کی فضیلت کو پہچان لیں ۔

امامؑ نے جب مامون کا اصرار دیکھا تو فرمایا کہ اگر مجبوراً مجھے اس کام کے لئے جانا ہی پڑا تو میں نماز ادا کرنے کے لئے رسولؐ خدا اور حضرت امیر المؤمنین کی طرح نکلوں گا۔

مامون نے قبول کیا اور حکم دیا کہ حکام، درباری اور عام افراد عید کی صبح کو امام رضاؑ کے گھر کے پاس حاضر ہوں۔

عید کی صبح ہوئی ، امامؑ نے غسل فرمایا اور سفید عمامہ مخصوص انداز سے اپنے سر پر رکھا اپنے آپ کو خوشبو سے معطر کیا ، ہاتھ میں عصا لیا اور ننگے پیر اس حالت میں کہ اپنے لباس کے دامن کو آدھی پنڈلی تک اوپر اٹھا رکھا تھا نکلے اور اپنے گھر کے افراد کو بھی آپؑ نے حکم دیا کہ اسی انداز سے باہر نکلیں اس کے بعد سر کو آسمان کی طرف بلند کر کے آپ نے تکبیر کہی، آپ کے ساتھ چلنے والوں نے بھی آپ کی آواز سن کر تکبیر کہی۔

لشکر کے کمانڈر، مملکت کے سر برآوردہ افراد اور عوام گھر سے باہر نہایت سج دھج کے ساتھ منتظر کھڑے تھے جب امامؑ کو ایسی حالت میں دیکھا تو سواریوں سے اتر پڑے اور

پیروں سے جوتے نکال ڈالے۔ امامؑ تکبیروں کو بار بار دہراتے رہے اور جم غفیر ان کے ساتھ تکبیر کہتا رہا۔ ماحول میں ایسی عظمت برس رہی تھی اور ایسا شور ہو رہا تھا جیسے آسمان زمین، در و دیوار شہر مرو ان کے ساتھ تکبیر کہہ رہے ہو لوگوں میں ایسی کیفیت تھی کہ بے اختیار نالہ و گریہ کی آواز بلند ہونے لگی۔ امام راستہ میں چلتے رہے لیکن ہر دس قدم کے بعد کھڑے ہو جاتے اور چار بار تکبیر کہتے[1]

فضل ابن سہل نے اس کی رپورٹ مامون کو دی اور اتنا اضافہ کیا کہ "اگر رضاؑ اسی طرح بڑھتے رہے تو فتنہ و آشوب برپا ہو جائے گا اور ہمارے پاس جان بچانے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے آپ ان تک یہ پیغام بھیج دیں کہ لوٹ جائیں۔"

مامون نے امامؑ سے کہلوا بھیجا کہ "ہم نے آپ کو زحمت دی آپ لوٹ جائیں جو پہلے نماز پڑھاتا تھا وہی نماز پڑھائے گا۔"

امامؑ وہیں سے پلٹ گئے[2] اور وہ لوگ جو آشفتہ اور پراگندہ تھے انہوں نے مامون کے نفاق اور عوام فریبی کو سمجھ لیا اور یہ جان لیا کہ مامون امام کے لئے جو کچھ کر رہا ہے وہ فقط دکھاوا ہے اس کا ھدف صرف اپنے سیاسی مقاصد تک پہونچنا ہے۔

شہادتِ امامؑ

مامون امامؑ کی روز افزوں عزت و وقعت کو دیکھ کر ہمیشہ خوف زدہ رہتا تھا۔ جب

---

[1] تکبیر کی صورت اس طرح تھی: اللہ اکبر، اللہ اکبر علی ما ھدانا، اللہ اکبر علی ما رزقنا من بھیمۃ الانعام والحمد للہ علی ما ابلانا"

[2] ارشاد مفید / ۲۱۳ - ۳۱۲ - الحیاۃ السیاسیۃ الامام الرضا / ۳۵۵ - ۲۵۳، عیون اخبار الرضا جلد ۲ / ۱۴۹ - ۱۴۸ - بحار جلد ۴۹ / ۱۳۵ - ۱۳۴ - اعلام الوریٰ / ۳۲۶ - ۳۲۷، الفصول المہمۃ / ۲۶۱ - ۲۶۰

یں نے یہ سمجھ لیا کہ امام کو اپنے سیاسی اغراض و مقاصد کے لئے کسی طرح بھی استعمال نہیں کر سکتا تو اس نے امامؑ کے قتل کا ارادہ کر لیا، اس لئے کہ وہ جانتا تھا کہ جتنا زمانہ گذرتا جائے گا اتنی ہی زیادہ امامؑ کی عظمت اور حقانیت نمایاں ہوتی جائے گی اور اس کا فریب و نفاق واضح ہوتا جائے گا۔

دوسری طرف امام کو ولیعہدی کے لئے معین کرنے سے بنی عباس خلیفہ کے بارے میں برانگیختہ ہوگئے۔ اتنا برہم ہوئے کہ مخالفت ظاہر کرنے کے لئے انہوں نے "ابراھیم ابن مھدی عباسی" کی بیعت کر لی۔[1]

لہٰذا مخصوص منصوبہ کے تحت ماہ صفر کے آخر میں ۲۰۳ھ میں جب آپ کی عمر پچپن سال کی تھی آپ کو زہر دے دیا۔[2]

اور اپنے جرم پر پردہ ڈالنے کے لئے شہادت کی خبر کے پھیلنے کے بعد گریباں چاک، سر پیٹتے آنکھوں سے آنسو بہاتے ہوئے امام کے گھر کی طرف دوڑا۔

لوگ امامؑ کی شہادت کی خبر سنتے ہی آپ کے گھر کے اردگرد جمع ہوگئے گریہ و نالہ کی آواز بلند تھی، مامون کو آپ کے قاتل کی حیثیت سے لوگ یاد کر رہے تھے اور بلند آواز سے فریاد کر رہے تھے کہ "فرزندِ رسولِ خدا قتل کر دیئے گئے"[3] اور اپنے کو حضرت کے جسد مطہر کی تشییع کے لئے آمادہ کر رہے تھے۔

مامون نے محسوس کیا کہ اگر آپ کے جسدِ مطہر کی آشکارا تشییع کی گئی تو ممکن ہے کہ کوئی حادثہ پیش آجائے لہٰذا اس نے حکم دیا کہ اعلان کر دیا جائے کہ آج تشییع نہیں ہوگی۔

۱۔ عیون اخبار الرضا جلد ۲ / ۱۶۳، کامل ابن اثیر جلد ۶ / ۳۲۷ — ۳۴۱

۲۔ بحار جلد ۴۹ / ۲ ارشاد مفید / ۳۰۴، مسند الامام الرضا جلد ۱ / ۱۰ کافی ۱۴۰ / ۴۰۶، فصول المہمہ / ۲۶۴

۳۔ قُتِلَ ابنُ رسولِ اللہ۔

جب لوگ متفرق ہو گئے تو راتوں رات امامؑ کو غسل دیا گیا اور ہارون کی قبر کے پاس جو باغ "حمید ابن قحطبہ" میں واقع ہے سپرد خاک کر دیا گیا۔[1]

---

[1] عیون الاخبار جلد ۲/ ۲۴۴، مسند الامام الرضا جلد ۱/ ۱۳۱ - ۱۳۰

سوالات

① آٹھویں امام کس تاریخ کو پیدا ہوئے اور کس تاریخ اور سن میں آپ نے امامت کا منصب سنبھالا، آپ کی امامت کی مدت کتنی تھی اور اس مدت میں کتنے خلفائے بنی عباس کا زمانہ رہا ؟

② ہارون کی حکومت کے مدمقابل امامؑ کا موقف کیا تھا اور آپ کے بعض اصحاب آپ کی جان کے سلسلہ میں کیوں خوف رکھتے تھے ؟

③ امین اور مامون کے درمیان کشمکش اور جھگڑے نے امامؑ رضا کو کیا حیثیت اور موقع فراہم کیا۔

④ امامؑ کی زندگی کے ۱۸ مہینے میں کیا اہم اتفاقات رونما ہوئے اور یہ مسئلہ کس کی طرف سے اور کیوں اٹھا ؟

⑤ ولی عہدی کی پیش کش کے مقابل امامؑ کا کیا موقف تھا ؟ آپ کے دو اقوال ذکر فرمایئے۔

⑥ آخر کار امامؑ نے ولی عہدی کیوں قبول کی ؟

⑦ نیشاپور اور نماز عید کے واقعہ کی مختصر توضیح کیجئے ؟

⑧ امامؑ کس عمر اور تاریخ میں کس طرح شہید ہوئے، شہادت کے بعد مامون کا کیا ردعمل رہا۔ ؟

سبق ۱۲

امام محمّد تقی علیہ السلام کی سوانح عمری

ولادت

امام رضا علیہ السلام کی عمر ۴۵ سال سے زیادہ ہو چکی تھی لیکن ابھی تک آپ کے کوئی اولاد نہیں تھی۔

یہ بات شیعوں کے لئے جو کہ — پیغمبرؐ اور ائمہؑ کی روایتوں کی بنا پر — اس بات کے معتقد تھے کہ نویں امام کو آٹھویں امام کا بیٹا ہونا چاہیئے، اسی وجہ سے کبھی امام کی خدمت میں پہونچ کر شیعہ اپنی تشویش کا اظہار کرتے اور امامؑ جواب میں ان کا دل رکھتے ہوئے فرماتے تھے کہ "خدا ہم کو بیٹا دے گا"[1]

آخر کار انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں اور دسویں ماہ رجب سنہ ۱۹۵ھ کو آسمانِ ولایت کا نواں ستارہ طلوع ہوا[2]۔ آپ کا نام "محمّد" کنیت "ابوجعفر" اور سب سے مشہور لقب "جواد" اور "تقی" ہے۔ آپ کی والدہ گرامی کا نام "سبیکہ" تھا امام رضاؑ نے ان کا نام "خیزران"

---

[1] انوار البہیہ / ۲۲۷، بحار ج ۵/۱۵ منقول از عیون المعجزات

[2] بحار جلد ۵۰/ ۷، ۱۱، ۱۳، ۱۴ - ایک قول کی بنا پر اسی سنہ میں رمضان کے مہینہ میں آپ کی ولادت ہوئی تھی۔

رکھا۔ آپ رسول خدا کی زوجہ جناب ماریہ قبطیہ کے خاندان سے تھیں۔

ان خاتون کی عظمت و بزرگی کے لئے اتنا کافی ہے کہ امام موسیٰ ابن جعفر نے آپ کے خانۂ امام رضا علیہ السلام میں آنے سے برسوں پہلے آپ کے بعض خصوصیات کو بیان فرمایا اور اپنے ایک صحابی — ابن سلیط سے کہا کہ اگر ان سے ملاقات ممکن ہو تو ان تک میرا سلام پہونچانا۔[1]

ابو یحییٰ صنعانی نقل کرتے ہیں کہ میں امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا کہ لوگ امام جواد کو — جو اس وقت کم سن تھے — لے آئے حضرت نے فرمایا " یہ بچہ وہ مبارک بچہ ہے کہ ہمارے شیعوں کے لئے اس سے زیادہ مبارک بچہ پیدا نہیں ہوا ہے۔[2]

شاید امام کے قول کی دلیل وہی ہو جس کی طرف اس سے پہلے اشارہ ہو چکا ہے اس لئے کہ امام جواد کی پیدائش نے شیعوں کی یہ تشویش ختم کردی کہ امام رضا کا کوئی جانشین نہیں ہے چنانچہ آپ کی ولادت ایمان واعتقاد کی استواری کا سبب بنی۔[3]

تعیین امامت

ہر چند کہ نویں امام کی امامت محتاجِ بحث نہیں ہے اس لئے کہ رسولِ اکرم اور سابق ائمہ کے تصریحی بیان کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ آپ آٹھویں امام کے ایک ہی بیٹے تھے اور آپ کے علاوہ دودمانِ علوی میں کوئی بھی اس الٰہی منصب کے لائق نہ تھا لیکن نمونہ کے طور پر

---

[1] بحار جلد ۵۰/ ۱۱ ، انوار البہیہ / ۲۲۵

[2] کافی ج ۱/ ۲۵۲ " فی باب النص علی ابی الحسن الرضا " انوار البہیہ / ۲۲۶ - ۲۲۵

[3] اور یہ بھی احتمال ہے کہ مذکورہ بالا قول سے امام کا مقصد یہ ہو کہ بچپن میں حضرت امام جواد کی امامت سے شیعوں کیلئے یہ بات روشن ہو گئی کہ پیغمبر ہی کی طرح یہاں بھی عمر کا سوال نہیں ہے اور ان کا علم خدا کی طرف سے ہوتا ہے۔

آپ کی امامت کے سلسلہ میں امام رضا کے چند صریحی بیانات پیش کئے جارہے ہیں۔

۱۔ "محمد ابن ابی عباد" نقل کرتے ہیں کہ میں نے امام رضا سے سنا آپ فرمارہے تھے کہ میرے بعد ابوجعفر میرے خاندان کے درمیان میرے وصی اور جانشین ہوں گے۔[۱]

۲۔ "عبد اللہ ابن جعفر" نقل کرتے ہیں کہ میں صفوان ابن یحییٰ کے ساتھ امام رضاؑ کی خدمت میں پہونچا، امام جواد بھی جو ابھی تین سال کے تھے وہاں موجود تھے میں نے امام سے پوچھا کہ اگر کوئی حادثہ پیش آجائے تو آپ کا جانشین کون ہوگا؟ امامؑ نے ابوجعفر کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا: "میرا بیٹا"، میں نے عرض کیا کہ "اس سن و سال میں؟!" آپ نے فرمایا "ہاں اسی سن و سال میں، خداوندِ عالم نے حضرت عیسیٰ ابن مریم کو اپنی حجت قرار دیا دراں حالیکہ آپ دو سالہ بچے تھے۔"[۲]

۳۔ "خیرانی" اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں خراسان میں امام رضا کے پاس تھا کسی نے آپ سے دریافت کیا، اگر آپ کے ساتھ کوئی حادثہ پیش آجائے تو کس سے رجوع کیا جائے؟

آپ نے فرمایا: "میرے بیٹے ابوجعفر سے!"

گویا سوال کرنے والے نے حضرت امام جواد کی عمر کو کافی نہیں سمجھا۔ اسی لئے امام نے اضافہ فرمایا کہ خداوندِ عالم نے حضرت عیسیٰ ابن مریم کو نبوت و رسالت کے لئے معین فرمایا دراں حالیکہ ان کی عمر، ابوجعفر کی اس وقت کی عمر سے بھی کم تھی۔[۳]

۱۔ عیون اخبار الرضا ج ۲/ ۲۴۲

۲۔ بحار ج ۵۰/ ۳۵

۳۔ ارشاد مفید/ ۳۱۹، کافی ج ۱/ ۲۵۹ ـ ۲۵۸، ۳۱۵

والد کے ساتھ

امام جواد علیہ السلام نے اپنی عمر کے تقریباً چھ سال[1] اپنے والد بزرگوار امام رضاؑ کے ساتھ گذارے، جس سال حضرت رضا کو خراسان بھیجا گیا آپ اپنے والد کے ساتھ مکہ تشریف لے گئے۔ حالتِ طواف میں آپ نے نہایت غور اور دقتِ نظر سے اپنے پدر بزرگوار کے اعمال اور ایک ایک بات کا جائزہ لیا اور یہ محسوس کیا کہ آں حضرت اس شخص کی طرح خانۂ خدا کو وداع کر رہے ہیں جسے اب پھر دوسری بار لوٹ کر نہیں آنا ہے۔ اس وجہ سے آپ — جبکہ آپ کے چہرہ پر غم و اندوہ کے آثار تھے — حجر اسماعیل کے اندر بیٹھے تھے اور امام رضا کے خادم سے جس نے آپ کو وہاں سے اٹھانا چاہا فرمایا: میں یہیں رہوں گا اور اپنی جگہ سے حرکت نہیں کروں گا جب تک خدا کا حکم نہ ہو۔

خادم نے یہ ماجرا امام رضا علیہ السلام سے بیان کیا امامؑ بہ نفس نفیس اپنے بیٹے کے پاس پہونچے اور آپ نے فرمایا میرے لال اٹھو تو ہم چلیں، آپ نے عرض کیا" بابا جان! ہم کیسے چلیں جبکہ ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ آپ کعبہ کو اس طرح وداع کر رہے ہیں جیسے دوسری بار پلٹ کر نہیں آنا ہے....[2]"

ایک معصوم بچے کی چھ سالہ عمر میں اس کمالِ درک اور ذاتی بلوغ کا اظہار ہو رہا ہے۔

آپ کی امامت

نبوّت کی طرح امامت بھی ایک الٰہی عطیہ ہے جسے خداوند عالم اپنے منتخب

---

[1] امام رضا کی عمر کے آخری دو سال سنہ ۲۰۱ سے سنہ ۲۰۳ تک مراد نہیں ہیں جب آپ کو خراسان لے جایا گیا۔

[2] .... کیف اقوم وقد ودّعت البیت وداعاً لارجوع لعدہ، کشف الغمہ ج۳/ ۱۵۳ — ۱۵۲ سیرۃ الائمہ الاثنا عشر ج۲/ ۴۴۳، انوار البہیّۃ/ ۲۰۲

اور لائق بندوں کو عطا کرتا ہے اور اس بخشش میں سن و سال کا کوئی دخل نہیں ہے۔ نویں امام آٹھ یا نو سال کی عمر میں امت کی امامت اور رہبری کے منصب پر فائز ہوئے۔

"معلیٰ ابن محمد" نقل کرتے ہیں کہ امام رضاؑ کی رحلت کے بعد میں امام جواد علیہ السلام سے ملا اور ان کے قد و قامت کو بغور دیکھا تاکہ شیعوں کے سامنے ان کی توصیف کر سکوں اسی اثنا میں آپ بیٹھ گئے اور فرمایا: "اے معلیٰ! خدا نے امامت میں بھی نبوت کی طرح احتجاج کیا ہے اور فرمایا ہے" و اٰتیناہ الحکم صبیاً[1] "ہم نے یحییٰ کو بچپن میں نبوت دی۔[2]

مکارمِ اخلاق و فضائل

ائمہ معصومین علیہم السلام کی خصوصیتوں میں سے ایک حقیقتوں کی شناخت اور اس کا ادراک عام لوگوں کی قوت ادراک سے زیادہ تھا۔ اس ذاتی نبوغ اور عقلی فروغ کے ظہور کے لئے بچپن بھی مانع نہیں تھا، اسی وجہ سے ان حضرات کی زندگی اور ان کی عادتیں پیدائش ہی سے دوسروں کے لئے اسوہ اور نمونہ قرار پاتی ہیں۔ ان حضرات کی علمی برتری اور مراتبِ کمال کا علماء اور بزرگوں کو اعتراف، اس حقیقت کی مؤید ہے۔

امام محمد تقی علیہ السلام کے اخلاقی فضائل کا گوشہ بیان کرنے سے پہلے اہل سنت کے علماء کا ان کے بارے میں نظریہ بیان کروں گا۔

سبط ابن جوزی فرماتے ہیں: "محمد جوادؑ ..... علم، تقویٰ، پرہیزگاری اور سخاوت میں اپنے والد بزرگوار کے راستہ پر تھے۔[3]

---

[1] سورہ مریم/۱۱

[2] ارشاد مفید/۳۲۵، مناقب جلد ۴/۳۸۹

[3] "وکان علی منہاج ابیہ فی العلم والتقی والزہد والجود" تذکرۃ الخواص ۳۲۱

"ابن تیمیہ" کا بیان ہے کہ محمد ابن علی جن کا لقب جواد تھا بنی ہاشم کے بزرگوں اور ممتاز شخصیتوں میں سے تھے وہ سخاوت اور بزرگی میں مکمل شہرت رکھتے تھے۔ اسی وجہ سے جواد نام پڑا۔[1]

الف۔ جود و بخشش

امام جواد، بخشش و عطا اور کرامت کا مکمل مصداق تھے لوگ ان کے عطیوں اور عنایتوں سے بہرہ ور ہوتے تھے۔ اس حقیقت کی نشان دہی "جواد" کے لقب سے ہوتی ہے

"علی ابن ابراہیم" اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ میں امام جواد کی خدمت میں تھا کہ "صالح ابن محمد" — قم کے اوقاف کے متولی[2] — وہاں آئے اور عرض کیا: میرے آقا! میرے اور وقف کی آمدنی میں سے دس ہزار درہم حلال کر دیجئے، اس لئے کہ ہم نے اس کو اپنے خاندان کے نفقہ میں خرچ کر دیا ہے۔

امام نے خندہ پیشانی سے فرمایا: میں نے حلال کیا۔[3]

ب۔ دوسروں کے لئے راستہ کھولنا

بست سجستانی[4] قبیلہ بنی حنیفہ کا ایک شخص نقل کرتا ہے کہ میں معتصم کی خلافت کے ابتدائی زمانہ میں مکہ کے سفر میں امام کے ساتھ تھا — حکومت کی کچھ ذمہ دار شخصیتیں بھی دسترخوان پر حاضر تھیں — میں نے امام سے عرض کیا کہ آپ پر فدا ہو جاؤں، میرے علاقہ کا حاکم آپ کے خاندان کے دوستداروں میں سے ہے اور خراج کے سلسلہ میں، میں اس کے محکمہ کا قرضدار

۱۔ محمد بن علی الجواد کان من اعیان بنی ہاشم وھو معروف بالسخاء والسود ولھذا سمی الجواد" منہاج السنۃ ج ۲/۱۲۷

۲۔ جو وقف حضرت کے نام سے تھا آپ اس وقف کے متولی تھے۔

۳۔ بحار جلد ۵۰/۱۰۵ منقول از کافی و غیبت شیخ

۴۔ بست افغانستان کا ایک قدیم شہر ہے جو بلوچستان اور ھند کے راستہ میں واقع ہے اس کا مرکز سجستان تھا جس کا اطلاق وسیع علاقہ پر ہوتا تھا۔ ہرات سے ۸۰ فرسخ ہے۔" ر۔ک: معجم البلدان والمنجد باب اعلام، کلمۂ بست و سجستان۔

ہوں لیکن مجھ میں ادا کرنے کی طاقت نہیں ہے۔ اگر آپ مصلحت سمجھیں تو اس کو ایک خط لکھ دیں تاکہ وہ اس سلسلہ میں ہمارے حق میں محبت کا ثبوت دے۔

امامؑ نے فرمایا: کہ میں اس کو نہیں پہچانتا۔

میں نے عرض کیا کہ: "جیسا کہ میں نے کہا کہ وہ آپ کا دوستدار اور عقیدت مند ہے اس لئے یقینی طور پر آپ کا خط میرے لئے مفید ہوگا۔ امامؑ نے کاغذ قلم اٹھایا اور لکھا"....

... حامل رقعہ نے تمہارے عقیدہ کی تعریف کی، جان لو کہ اپنے عمل میں جو احسان اور نیک کام کروگے وہ تمہارے لئے فائدہ مند ہوگا۔ اس بنا پر اپنے برادرانِ دینی کے ساتھ حسن سلوک اور نیکی کرو اور یہ جان لو کہ خداوندِ عالم ذرہ برابر چیز کے بارے میں بھی تم سے سوال کریگا۔[۱]

میں نے خط لیا اور چل پڑا جب خط کی اور میرے پہونچنے کی خبر سجستان کے انچارج کے پاس پہونچی تو وہ شہر سے دو فرسخ دور تک استقبال کے لئے آیا اس نے خط لیا اس کو چوما اور اپنی آنکھوں سے لگایا اور پوچھا تمہاری کیا حاجت ہے؟ میں نے اس سے اپنی پریشانی بیان کی اس نے حکم دیا کہ میرا نام قرض والے رجسٹر سے نکال دیا جائے۔ اور جب تک وہ انچارج کام پر رہے میرا ٹیکس معاف کیا جائے۔ اس کے علاوہ اس نے میری اچھی خاصی مدد کی اور جب تک وہ زندہ رہا اس خط کی برکت سے اس نے میرے حق میں نیکی اور حسن سلوک میں کوئی کمی نہیں کی۔[۲]

۳۔ "محمد ابن سہل قمی" نقل کرتے ہیں کہ میں مدینہ گیا اور امام جوادؑ کے پاس پہونچا

۱۔ اَمّا بَعدُ فَاِنَّ مُوصِلَ کِتابی ھٰذا ذَکَرَ عَنکَ مَذھَباً جَمیلاً وَاِنَّ مالَکَ مِن عَمَلِکَ ما اَحسَنتَ فیہِ فَاَحسِن اِلیٰ اِخوانِکَ وَاعلَم اَنَّ اللہَ عَزَّوَجَلَّ سائِلُکَ عَن مَثاقیلِ الذَّرِّ وَالخَردَلِ۔

۲۔ بحار جلد ۵۰/ ۸۷ - ۸۶ - الانوار البہیۃ / ۲۲۸ - ۲۲۷

اور میں نے چاہا کہ ان سے ایک لباس مانگ لوں لیکن میں مانگ نہ سکا، میں نے اپنے دل میں کہا کہ اپنی خواہش لکھ کر دوں پھر میں نے لکھ دیا...... لیکن میرے دل میں یہ بات گذری کہ خط کو نہ بھیجوں، میں نے خط پھاڑ ڈالا اور مکہ کی طرف چل پڑا۔ اسی حال میں ایک شخص کو میں نے دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں ایک رومال ہے اور وہ قافلہ میں مجھ کو ڈھونڈھ رہا ہے۔ وہ مجھ تک پہونچا اور اس نے کہا: میرے آقا نے تیرے لئے یہ لباس بھیجا ہے۔[1]

امام جوادؑ کی شخصیت

امام جوادؑ نے امامت کے انوار مقدس کے پرتو اور خدا کی عبادت و بندگی میں ایسی اجتماعی شخصیت اور حیثیت حاصل کی کہ جس کا اعتراف دوست و دشمن دونوں ہی کرتے ہیں۔

آپ کے سخت ترین دشمن مامون نے آپ سے اپنی بیٹی کی شادی کے سلسلہ میں عباسیوں کے اعتراض کے جواب میں کہا: میں نے ان کا انتخاب اس لئے کیا ہے کہ میں نے کمسنی کے باوجود علم و فضل میں ان کو سب سے ممتاز پایا۔[2]

آپ کی شخصیت اپنے پدر بزرگوار کے نزدیک ایسی تھی کہ "محمد ابن ابی عباد" ـــ کاتب امام رضاؑ ـــ بیان کرتے ہیں کہ امام رضاؑ اپنے بیٹے محمد کو ہمیشہ کنیت کے ساتھ یاد کرتے تھے[3] (اور جب امام جوادؑ کا خط پہنچتا تھا) تو فرماتے تھے کہ "ابو جعفر نے مجھے لکھا ہے"۔[4]

---

[1] بحار جلد ۵۰/۴۴ منقول از خرائج راوندی

[2] اِختَرتُه لتبریزه علیٰ کافة اهل الفضل فی العلم والفضل مع صِغَرِ سنّه
بحار جلد ۵۰/۷۵

[3] عرب احتراماً کسی کو اس کی کنیت سے پکارتے ہیں۔

[4] عیون اخبار الرضا جلد ۲/۲۴۲

"محمد ابن حسن ابن عمار" نقل کرتے ہیں :

"دو سال تک میں مدینہ میں علی ابن جعفر کی خدمت میں جاتا رہا انہوں نے جو روایت اپنے بھائی موسی ابن جعفر سے سنی تھی مجھ سے بیان کیا کرتے تھے اور میں لکھتا رہتا تھا۔

ایک دن میں مسجد نبوی میں ان کے پاس بیٹھا تھا کہ امام جوادؑ تشریف لائے۔ امام جواد بغیر جوتے اور ردا کے اپنی جگہ سے اٹھے، آپ کے ہاتھوں کو بوسہ دیا آپ کی تعظیم کی، امامؑ نے ان سے فرمایا اے چچا آپ بیٹھئے خدا آپ پر رحمت نازل کرے۔

انہوں نے کہا : اے میرے سردار! میں کیسے بیٹھ سکتا ہوں دراں حالیکہ آپ کھڑے ہیں، جب علی ابن جعفر اپنی جگہ پلٹ آئے تو ان کے دوستوں اور ساتھیوں نے ان کی سرزنش کی اور کہا کہ آپ ان کے باپ کے چچا ہیں اور اس طرح ان کا احترام کرتے ہیں!

علی ابن جعفر نے فرمایا : چپ رہو خدا نے اس سفید داڑھی کو — اپنی داڑھی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے — امامت کے لائق نہیں سمجھا اور اس جوان کو اس کے لائق پایا اور امام قرار دیا (کیا تم چاہتے ہو کہ) ان کی فضیلت کا انکار کردوں ؟! تم جو کہتے ہو میں اس سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں، میں اس کا بندہ ہوں [1]

خلافت کے مقابل امامؑ کا موقف

آپ کے سات سالہ زمانہ خلافت میں آپ کے ہم عصر مامون اور معتصم نامی دو خلفا تھے ان کی حکومت کے زمانہ میں آپ کا موقف امام علی ابن موسی الرضا کے موقف کو جاری رکھنا تھا، اور اس کی وجہ یہ تھی کہ خلافت کی مشنری کے موقف میں اتحاد پایا جاتا تھا جیسا کہ اس سے پہلے کے درس میں ہم نے بتایا کہ امام رضا علیہ السلام کی ولیعہدی سے امامت کا موقف

---

[1] نعوذ باللہ مما تقولون، بل انا لہ عبد، کافی ج ۱/ ۲۵۸ - انوار البہیۃ / ۲۲۸ — ۲۲۷

بنی عباس کی طاقت کے مرکز تک پہونچ گیا تھا - اور چونکہ حکومت نے اپنے موقف کو تبدیل نہیں کیا اس بنا پر بیٹھ رہنا درست نہ تھا -

خلافت کی مشنری نے بھی اس مسئلہ کو بخوبی درک کر لیا تھا اور امام رضاؑ کو نماز عید سے روک دینا بھی اسی حقیقت کی بنا پر تھا - مامون اس سے ڈرتا تھا کہ ایک نماز پڑھا کر خلافت پر تصرف کرنے کے لئے امامؑ کہیں زمین نہ ہموار کر لیں -

شادی کی سازش

مامون نے بہت کوشش کی کہ امام رضا کا زہر دیا جانیوالا واقعہ بہت خفیہ اور پوشیدہ طور پر انجام پا جائے لیکن تمام پردہ پوشیوں اور ریاکاریوں کے باوجود آخرکار علویوں پر یہ بات آشکار ہو گئی کہ امامؑ کا قاتل اس کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا لہٰذا مامون بہت ناراض ہوا اور انتقام پر اتر آیا -

انقلابیوں کی چارہ جوئی کرنے اور ان کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے مامون نے آٹھویں امام کے فرزند کے لئے مہربانی اور دوستی کا اظہار کیا اور زیادہ فائدہ حاصل کرنے کے لئے اس نے یہ ارادہ کیا کہ اپنی بیٹی "ام الفضل" کی شادی امام جواد سے کر دے - اور اس نے کوشش کی کہ امام رضاؑ پر ولی عہدی تھوپ کر اس نے جو فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کی تھی اس رشتہ کو قائم کر کے وہی فائدہ حاصل کر لے -

بنی عباس کو مامون کے اس ارادہ سے خوف محسوس ہوا اور اس حالت کو قبل از وقت روکنے کے لئے جو امام رضاؑ کے زمانہ میں پیدا ہو گئی تھی، جمع ہو کر ایک وفد کی صورت میں مامون کے پاس پہونچے اور کہنے لگے... گذشتہ زمانہ میں ہمارے اور علویوں کے درمیان جو کچھ ہو گیا آپ اس سے اچھی طرح واقف ہیں اور آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ گذشتہ خلفاء نے ان کو شہر بدر کیا اور ان کی توہین کی ہے - ہم اس سے پہلے امام رضاؑ کی ولی عہدی

سے فکر مند تھے لیکن خدا نے وہ مشکل ختم کردی۔

اب ہم آپ کو خدا کی قسم دیتے ہیں کہ آپ ہم کو دوبارہ غمگین نہ کریں اور اس شادی سے صرف نظر کریں اور اپنی بیٹی کو بنی عباس کے کسی ایسے فرد سے بیاہ دیں جو اس رشتہ کے لائق ہو۔

مامون نے ان کے جواب میں علویوں کی بزرگی، خلفاء سابقین کی خطا اور ولی عہدی کے مسئلہ کی تائید کرتے ہوئے امام جوادؑ کی تعریف اور بزرگی بیان کی اور کہا کہ میں اس جوان کو تم سے زیادہ جانتا ہوں یہ ایسے خاندان سے ہیں جن کا علم خداداد ہے، ان کے آبا ہمیشہ علم دین وادب میں لوگوں سے بے نیاز تھے۔[1]

یہ دوستی کا مظاہرہ اور مکارانہ ریاکاریوں کے ذریعہ اس شادی سے سیاسی مقصد حاصل کرنے کے علاوہ مامون کا اور کوئی مقصد نہ تھا، جو مقاصد وہ حاصل کرنا چاہتا تھا ان میں سے چند کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے:

۱۔ اس کا ارادہ تھا کہ اس رشتہ سے اپنے دامن پر لگے ہوئے قتل امام رضاؑ کے داغ کو صاف کردے اور اپنے خلاف علویوں کے اعتراضات اور قیام کو روک دے اور اہل بیتؑ کے دوستدار و طرفدار کے عنوان سے اپنا تعارف کرائے۔

۲۔ اپنی بیٹی کو امامؑ کے گھر بھیج کر ہمیشہ کے لئے حضرت کے کاموں کی نگرانی کرایا۔

۳۔ مامون کا خیال خام یہ تھا کہ اس ازدواج کے ذریعہ امامؑ کو عیش ونوش کے دربار سے وابستہ کردیگا اور ان کو لھو ولعب اور عیش وعشرت والی زندگی گذارنے پر

---

[1] انی اعرف بھذا الفتیٰ منکم وانّ اھل ھذ البیت علمھم من اللہ ومواد ہ والھامہ، لم تزل آبائہ اغنیاء فی علم الدین والادب عن الرعایا الناقصہ عن حد الکمال بحار ۵۰/ ۷۵-۷۴، ارشاد/ ۳۲۰ - ۳۱۹، کشف الغمہ جلد ۳/ ۱۴۴-۱۴۳۔ مناقب جلد ۴/ ۳۸۱ - ۳۸۰ - اعلام الوریٰ/ ۳۵۱ اسی جلسہ میں مامون نے ایک مناظرہ کا انعقاد کیا تھا اس واقعہ کو "علمی اور ثقافتی کوششیں" کے عنوان کے ذیل میں بیان کیا گیا ہے۔

آمادہ کردے گا۔ تاکہ اس راستہ سے امام کی عظمت اور تقدس کو ٹھیس پہونچائے اور آپ کو عصمت و امامت کے بلند مقام سے گرا کر لوگوں کی نظروں میں حقیر کر دے۔

"محمد ابن ریان" نقل کرتے ہیں کہ مامون نے بہت کوشش کی کہ امام کو لھو لعب کے لئے آمادہ کرے لیکن کامیاب نہیں ہوا۔ اس کی بیٹی کی شادی کے جشن میں ۱۰۰ ایسی خوبصورت کنیزیں جو جواہرات سے بھرے ہوئے جام اپنے ہاتھوں میں لئے تھیں، مامون نے ان سے کہا کہ امامؑ کے آنے کے بعد ان کے استقبال کو بڑھیں، وہ کنیزیں استقبال کو بڑھیں لیکن امامؑ جوا دبغیر کوئی توجہ دیئے ہوئے وہاں وارد ہوئے اور آپؑ نے عملی طور پر یہ بتا دیا کہ ہم ان کاموں سے بیزار ہیں[۱]

مامون ان مقاصد اور دوسرے مقاصد تک پہونچنے کے لئے ــ امام رضاؑ کی شہادت کے ایک سال بعد ــ ۲۰۴ھ میں امام جوادؑ کو مدینہ سے بغداد لے آیا اور اس نے اپنی بیٹی کی ان سے شادی کر دی اور اس بات پر اصرار کیا کہ امام بغداد ہی میں اس کے مزین محلوں میں زندگی گذاریں۔

لیکن امام نے مدینہ واپس جانے پر اصرار کیا، تاکہ مامون کے بنائے ہوئے نقشہ کو نقش بر آب کر دیں اس وجہ سے آپ اپنی بیوی کے ساتھ مدینہ پلٹ گئے اور ۲۲۰ھ تک مدینہ میں مقیم رہے۔

علمی اور ثقافتی کوششیں

امام جواد علیہ السلام نے با دل نخواستہ مختلف صورتوں میں خلافت کی مشنری کے زیر نگرانی زندگی گذاری مگر اس درمیان امکانی حد تک سماجی اور ثقافتی محاذوں پر کوششیں

---

[۱] بحار جلد ۵۰/ ۶۳ ـ ۶۱ ـ مناقب جلد ۴/ ۳۹۶، کافی جلد ۱/ ۴۹۴ ـ ۴۹۳

کرتے رہے۔

ان محاذوں میں سے "بحث و مناظرہ" کا ایک محاذ ہے۔ امامؑ نے اس موقف میں اپنے پدر بزرگوار کی روش کو برقرار رکھا اور آپ نے ان جلسوں میں شرکت کی جو مامون نے امام کی علمی اور ثقافتی حیثیت کو شکست دینے کے لئے منعقد کئے تھے اور حقائق و معارف اسلامی کے بیان کے ساتھ ساتھ آپ نے دربارِ خلافت سے وابستہ فقاہت کی روش اور درباری قاضی القضاۃ کے چہرہ کو بے نقاب کیا۔

مامون نے امام نہم کی امامت کے آغاز میں دو بار مجلسِ مناظرہ منعقد کی ایک مجلس میں جس میں بنی عباس کے بہت سے افراد، نمایاں اور ممتاز درباری شخصیتیں موجود تھیں، مامون نے ــــ اس زمانہ کے قاضی القضاۃ ــ "یحییٰ بن اکثم" کو امامؑ سے سوال کرنے کے لئے کہا۔

اس نے پہلا سوال اس طرح کیا:

آپ اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جس نے حالتِ احرام میں شکار کیا ہو؟ امام نے فرمایا (مسئلہ کی مختلف صورتیں ہیں) حرم کے اندر تھا یا باہر، اس کو اس کام کی حرمت کی خبر تھی یا نہیں، عمداً اس نے شکار کیا یا سہواً، غلام تھا یا آزاد، شکار چھوٹا تھا یا بڑا، اس نے پہلی بار ایسا کیا ہے یا دوسری بار، شکار پرندہ کا تھا یا غیر پرندہ کا، چھوٹا تھا یا بڑا، شکار کے بعد اپنے فعل پر وہ پشیمان تھا یا پھر کرنے کا ارادہ رکھتا تھا، شکار رات میں کیا تھا یا دن میں اس کا احرام عمرہ کا احرام تھا یا حج کا؟

امام نے جب مسئلہ کی اس طرح عالمانہ تقسیم بیان کیں اور اس کی یوں تشریح کر دی تو یحییٰ بن اکثم انگشت بدنداں رہ گیا، اس کے چہرہ پر شکست کے آثار نمایاں ہو گئے، اس کی زبان لکنت کرنے لگی اس طرح کہ وہ مذکورہ بالا صورتوں میں کسی صورت کا یقین نہ کر سکا۔ حاضرین نے امامؑ کی علمی صلاحیت و قدرت اور قاضی القضاۃ کی شکست کا اندازہ،

کرلیا۔[1]

امام جواد علیہ السلام مامون کے منعقد کئے ہوئے جلسوں کے علاوہ ضروری موقع پر اسلامی ثقافت کی توسیع اور شبہات و اشکالات کو دفع کرنے کے لئے مختلف گوشہ وکنار سے مدینہ آئے ہوئے علماء اور دانشمندوں کے ساتھ بحث و گفتگو کرنے کیلئے بیٹھتے تھے، نمونہ کے طور پر پیش ہے:۔ بغداد اور دوسرے شہروں کے اسی افراد حج کے بعد مدینہ کو چلے تاکہ امامؑ جواد سے ملاقات کریں، وہ لوگ پہلے عبد اللہ ابن موسیٰ (امام کے چچا) سے ملے لیکن وہ ان کے مسائل کے جواب سے عاجز رہے اتنے میں امام جواد تشریف لائے اور آپ نے ان کے ایک ایک مسئلہ اور مشکلات کا جواب عنایت فرمایا، علماء نہایت مسرت کے عالم میں اس مجلس سے نکلے اور امام کے لئے دعا کی۔[2]

امام کے بچپن کو دیکھتے ہوئے ان جلسوں اور باتوں کے ضمن میں جو مسئلہ مناظرہ کے دونوں فریق کے درمیان مورد توجہ تھا وہ آپ کی امامت کا مسئلہ تھا۔

ایک طرف امامؑ نے علمی مشکلات سے پردہ اٹھانے اور امامت کے موقف کی تشریح اور بیان حقائق کے ذریعہ ان لوگوں کو ــــ جو آپ کی کمسنی کی وجہ سے ــــ آپ کی امامت کے بارے میں شک اور تردد میں مبتلا تھے، حقیقت سے آشنا کیا اور ہر طرح کے شبہ اور تردد

---

[1] ارشاد مفید/۳۲۱ ـ ۳۲۰، مناقب جلد ۴/۳۸۱، اعلام الوریٰ/ ۳۵۲-۳۵۱ - بحار جلد ۵۰/۶، ۷ ـ ۵، کشف الغمہ جلد ۳/۱۴۵ ـ ۱۴۴، فصول المہمہ/ ۲۶۸ - البتہ اس نشست میں دوسرے مباحث بھی آئے منجملہ ان کے املم کا یحییٰ بن اکثم سے سوال اور یحییٰ کا امام کے جواب میں عاجز رہ جانا اور مذکورہ بالا مسئلہ کے شقوں سے متعلق امام کے جواب کو۔ اختصار کو مدنظر رکھتے ہوئے پیش نہیں کیا گیا ہے۔

[2] بحار جلد ۵۰/۱۰۰

کو ان کے ذہنوں سے صاف کیا — اور دوسری طرف عبد اللہ ابن موسیٰ، امام کے چچا وغیرہ .... جیسے افراد کو بغیر لیاقت کے اپنے کو امامت کی جگہ پر لا رہے تھے، عملی طور پر میدان سے دور ہٹا دیا اور ان کو گوشہ گیر بنا دیا۔

نمایاں افراد کی تربیت

امام جواد علیہ السلام کے علمی اور ثقافتی کاموں میں سے ایک کام ایسے ممتاز افراد کی تربیت تھی جن میں سے ہر ایک ثقافت و معارف اسلامی کا ایک منارہ کہا جاتا تھا۔

مرحوم شیخ طوسی نے امام جواد کے شاگردوں، راویوں اور اصحاب کی تعداد تقریباً ایک سو دس افراد بتائی ہے[1] اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس زمانہ میں لوگوں کا حضرت سے ملنا کتنا محدود اور مشکل تھا۔ لیکن اس کے باوجود انہیں محدود افراد میں کچھ روشن چہرے موجود ہیں منجملہ انکے:

۱- ابو جعفر، محمد ابن سنان زہری

۲- احمد ابن ابی نصر بزنطی

۳- ابو تمام حبیب ابن اوس طائی

۴- ابو الحسن، علی ابن مہر یار اھوازی

۵- فضل ابن شاذان نیشاپوری

۶- زکریا ابن آدم وغیرہ ہیں

امام کے مکتب کے پروردہ افراد میں سے ہر ایک کسی نہ کسی انداز سے پریشانی اور سختی میں مبتلا تھا۔ عبد اللہ ابن طاہر — حاکم نیشاپور نے — فضل ابن شاذان کو نیشاپور سے باہر نکال دیا۔ پھر اس کے بعد ان کی کتابوں کی تفتیش کی جب ان کتابوں کے مندرجات کو اس سے

---

[1] رجال شیخ طوسی / ۴۰۹ - ۳۹۷

لوگوں نے بیان کیا۔ تب اس کو اطمینان حاصل ہوا اور اس نے کہا کہ میں ان کے سیاسی عقیدہ کو بھی جانتا ہوں[1]۔

ابو تمام بھی اس دشمنی سے نہ بچ سکے، اس زمانہ کے امراء جو خود بھی اہل شعر و ادب تھے، وہ بھی ان کے شعر کو سننے کے لئے تیار نہ تھے جبکہ آپ اس زمانہ کے بہترین شاعر تھے اور اگر کسی نے پہلے سے بتائے بغیر ان کا شعر پڑھ دیا اور امیروں کو پسند آگیا تو یہ سمجھ لینے کے بعد کہ یہ ابو تمام کا شعر ہے فوراً اصلی نوشتہ کو پھاڑ ڈالنے کا حکم دیتے تھے[2]۔

معتصم کے دورِ حکومت میں

مامون کی موت کے بعد ۲۱۸ھ میں اس کا بھائی اس کی جگہ پر بیٹھا اور امام جوادؑ کے سلسلہ میں اس نے مامون والی ہی سیاست اختیار کی، جب مدینہ میں امام کی فعالیت سے خوفزدہ ہوا تو وہ ۲۲۰ھ میں امام کو زبردستی مدینہ سے بغداد لے آیا تاکہ نزدیک سے ان کی نگرانی کر سکے

اسکی حکومت میں ایک شخص نے چوری کا اقرار کیا اور اس نے خلیفہ سے یہ خواہش ظاہر کی کہ الٰہی حدود جاری کر کے اس کو پاک کر دیا جائے، معتصم نے تمام فقیہوں کو جلسہ میں جمع کیا اور امام جواد کو بھی بلایا۔

پہلے اس نے " ابن ابی داؤد[3] " سے سوال کیا کہ چور کا ہاتھ کہاں سے کاٹنا چاہئے؟

ابن ابی داؤد نے کہا کہ " کلائی سے " اور اپنی دلیل میں قرآنی کی آیت " فاغسلوا وجوھکم وایدیکم ... " پڑھی۔

---

[1] رجال کشی / ۵۳۹ - ۵۳۸

[2] مروج الذہب جلد ۳ / ۴۸۵ - ۴۸۳

[3] مامون، معتصم، واثق اور متوکل کے زمانہ کے بغداد کے بڑے قاضی القضاۃ میں سے ایک تھے۔

فقہا کا ایک گروہ ان کی موافقت میں تھا لیکن دوسرے گروہ نے ان کے نظریہ کی مخالفت کی اور کہا کہ کہنیوں سے ہاتھ کاٹنا چاہئیے اور انہوں نے اپنے نظریہ کی تائید میں آیہ "فاغسلوا وجوھکم و ایدیکم الی المرافق[1]" کو دلیل بنایا۔

معتصم نے امام جواد کی طرف رخ کیا اور پوچھا" اس مسئلہ میں آپکا نظریہ کیا ہے؟ امام نے فرمایا یہ لوگ اپنا نظریہ پیش کر چکے اب مجھے معاف رکھ۔

معتصم نے اصرار کیا اور امامؑ کو قسم دے کر کہا: آپ اپنا نظریہ بیان کریں۔

امام نے فرمایا: چونکہ تم نے قسم دلائی ہے اس لئے میں اپنا نظریہ بیان کرتا ہوں دونوں فریقوں نے غلط فیصلہ کیا ہے۔ کیونکہ چور کی فقط انگلیاں کاٹی جائیں گی۔

آپ نے فرمایا: اس لئے کہ رسول خدا نے فرمایا ہے کہ سجدہ سات اعضا پر متحقق ہوتا ہے۔ چہرہ (پیشانی) دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں، دونوں گھٹنے اور دونوں پیر (دونوں پیروں کے انگوٹھے) لہذا چور کا ہاتھ اگر کہنیوں سے کاٹا جائے تو اس کا ہاتھ نہیں بچے گا کہ وہ سجدہ بجالائے اور دوسرے یہ کہ خدا فرماتا ہے کہ" ان المساجد للہ فلاتدعوا مع اللہ احدا[2]" مسجدوں کی جگہیں خدا کے لئے ہیں پس خدا کے ساتھ کسی کو نہ پکارو" لہذا جو خدا کیلئے ہے اس کو قطع نہیں کیا جائے گا۔

معتصم کو امامؑ کا نظریہ پسند آیا اور اس نے حکم دیا کہ چوری کی انگلیاں کاٹی جائیں۔

"ابن ابی داؤد" — جو خود اس واقعہ کے ناقل ہیں۔ فرماتے ہیں کہ اس مجلس میں میں نے (شرم و اندوہ سے) موت کی تمنّا کی۔

وہ تین دن کے بعد معتصم کے پاس گئے اور کہا کہ چند دنوں پہلے والی نشست تمہاری

---

[1] سورۂ مائدہ/ ٦

[2] سورہ جن/ ٢٨

حکومت کی بھلائی کے لئے نہیں تھی، اس لئے کہ تمام علماء اور مملکت کے سر برآوردہ افراد کے سامنے تم نے ابوجعفر کے فتویٰ کو ـــ جن کو آدھے مسلمان اپنا پیشوا مانتے ہیں اور امر خلافت کے لئے تم سے زیادہ مناسب سمجھتے ہیں ـــ دوسروں کے نظریہ پر ترجیح دی۔ یہ خبر لوگوں کے درمیان پھیل گئی اور خود ان کے شیعوں کے لئے برہان بن گئی۔

معتصم جو پہلے ہی سے ہر طرح کی دشمنی اپنے دل میں رکھتا تھا اور راستہ سے ہٹانے کے لئے موقع کی تلاش میں رہتا تھا، اس کو ابن ابی داؤد کی باتوں سے سخت جھٹکا لگا اور امامؑ کو قتل کرنے کے بارے میں سوچنے لگا۔[1]

آخر کار اس نے اپنے گندہ نظریہ کو عملی جامہ پہنا دیا اور امام جواد کو جن کی عمر شریف کی بہار کے ۲۵ سے زیادہ سال نہیں گذرے تھے کہ آخر ذی القعدہ میں اسی سال ان کو بغداد بلایا اور زہر سے شہید کر دیا۔[2]

آپ کے جسد اطہر کو آپ کے جدِ گرامی قدر حضرت امام موسیٰ ابن جعفر کے پہلو میں سپرد لحد کیا آج بھی ان دونوں اماموں کا مزار مقدس کاظمین کے نام سے مشہور ہے۔

---

[1] بحار جلد ۵۰/۷-۵ منقول از تفسیر عیاشی جلد ۱/ ۳۲۰- ۳۱۹ انوار البہیۃ /۲۴۳-۲۴۱

[2] بحار جلد ۵۰/۱ بعض روایتوں میں یہ آیا ہے کہ معتصم نے مامون کی بیٹی "ام الفضل" کے ذریعہ امام کو زہر دے دیا
بحار جلد ۵۰/ ۱۰ و اعیان الشیعہ ج ۲/ ۳۶

سوالات

۱) حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کس تاریخ کو پیدا ہوئے اور ان کی پیدائش سے پہلے شیعہ کیوں تشویش میں مبتلا تھے ؟

۲) امام جواد علیہ السلام نے اپنی عمر کے کتنے دن اپنے والد کے ساتھ گذارے گذار کیا اس زمانہ کا کوئی واقعہ آپ کو یاد ہے ؟

۳) امام جوادؑ کس عمر میں منصبِ امامت پر فائز ہوئے ، کیا آپ کی عمر عہدۂ امامت کی ذمہ داری قبول کرنے کی متقاضی تھی ، اس سلسلہ میں امام کے ایک بیان کو ذکر کیجئے ۔

۴) امام کی امامت کے ابتدائی زمانہ میں مامون نے کون سا اقدام کیا اور اس سے اس کا کیا مقصد تھا ۔؟

۵) مامون کی خلافت کے مقابل امام کا کیا رویہ تھا ؛

۶) اسلامی علوم و ثقافت کی نشر و اشاعت میں امامؑ کا کیا کردار رہا ۔

۷) معتصم نے امامؑ کو کیوں بغداد بلایا اور پھر آپ کے قتل کا در پے کیوں ہوا ؟

۸) امام جواد علیہ السلام کس تاریخ کو اور کیسے شہید ہوئے ؟

سبق ۱۳

امام علی النقی علیہ السلام کی سوانح عمری

ولادت

شیعوں کے دسویں امام نیمہ ذی الحجہ ۲۱۲ھ کو مدینہ کے "صریا"[1] نامی قریہ میں پیدا ہوئے۔[2] آپ کا اسم گرامی "علی" اور سب سے مشہور لقب "نقی" اور "ہادی" ہے اور آپ کی کنیت "ابوالحسن" ہے۔ آپ ابوالحسن ثالث" کے نام سے مشہور ہوئے۔[3]

نویں امام کے والدِ گرامی امام جواد علیہ السلام تھے اور آپ کی والدہ "سمانہ" ایک بافضیلت و باتقویٰ خاتون تھیں آپ مقام ولایت سے آشنائی رکھنے والی اور خلافتِ الٰہی کی زبردست دفاع کرنے والی خاتون تھیں۔ خود امام ہادی اپنی والدہ گرامی کے بارے میں فرماتے ہیں کہ "میری والدہ میرے حق سے آشنا اور اہلِ بہشت میں سے ہیں۔"

---

[1] "صریا" مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر ایک قریہ ہے جس کو موسیٰ ابن جعفر نے آباد کیا تھا، مناقب جلد ۴/ ۳۸۲ بحار جلد ۵۰/ ۱۱۵ "صربا" بھی لکھا گیا ہے۔

[2] بحار جلد ۵۰/ ۱۱۴، ۱۱۵ مناقب جلد ۴/ ۴۰۱، اعلام الوریٰ/ ۳۵۵، ارشاد/ ۳۲۷ انوار البہیہ/ ۲۴۴

[3] اصطلاحِ راویانِ شیعہ میں ابوالحسن اول امام ہفتم اور ابوالحسن ثانی امام ہشتم ہیں۔

شیطانِ سرکش ان سے نزدیک نہیں ہوتا اور دشمن جبار کا مکر ان تک نہیں پہونچتا، خدا ان کا محافظ اور نگہبان ہے۔ وہ ہرگز صدیقین و صالحین ماؤں کے زمرہ سے باہر نہیں ہیں[1]۔

امامؑ کی پرورش کا ماحول

امام ہادی نے اپنی عمر کے سات سال اور کچھ دن اپنے والد کے ساتھ ان کی تربیت اور خاص نگرانی میں گذارے۔

آپ جس ماحول میں پروان چڑھے وہ ماحول، دانش فروغ تقویٰ و اخلاق، وسعتِ علم اور زندگی کے تمام شعبہ میں فکر کی بلندی سے سرشار ماحول تھا۔ دوسری صدی ہجری میں علماء کی فکری تحریکیں اور مامون کی خلافت کی مشنری کی طرف سے ان کے استقبال کی وجہ سے دینی حقائق کو واضح کرنے اور اس زمانہ کے روشن فکر اور سوجھ بوجھ رکھنے والی نسل تک پیغام اسلام کے پہونچانے کے مواقع اس زمانہ کے ائمہ معصومین کو حاصل تھے۔

اسلام کے ترقی پذیر عناصر کے گہوارۂ پرورش اور زیادہ تر ائمہ کی جائے پیدائش ۔ مدینہ ۔ میں ماں باپ کی توجہ سے اور تدبیر سے امام علیہ السلام کے جسم و روح نے پارسائی اور دور اندیشی کی منزل کمال کو سر کیا۔ وہ جن کی پاکیزہ سرشت میں دور اندیشی اور ہوشمندی پوشیدہ تھی، جو الہامِ الٰہی کے فیوض و برکات سے تمام شعبوں میں کمالات اور امتیازات کے حامل تھے۔ وہ خلافتِ عباسی کے ظلم و ستم سے جہاد کرنے والوں کے پیشرو اور اسلامی معاشرہ کی مشعل ہدایت قرار پائے۔

---

[1] "امی عارفة بحقی وهی من اهل الجنة لا یقربها شیطان مارد ولا ینالها کید جبار عنید وهی مکلوئة بعین الله التی لا تنام ولا تخلّف عن امهات الصدیقین والصالحین"
سفینة البحار ۲/۲۴۰، انوار البهیه/۲۴۵

امامت پر نص

سوائے علی اور موسیٰ (جو کہ موسیٰ مبرقع کے نام سے مشہور تھے) نویں امام کی اور کوئی اولاد نہ تھی، چونکہ حضرت ہادیؑ، علم و معرفت، تقویٰ و عبادت میں اپنے زمانہ کے سارے لوگوں سے بلند تھے ان سے کسی کا حتی کہ ان کے بھائی کا بھی موازنہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے ان کے والد کے بعد امامت اور رہبری کا بلند مقام ان کو تفویض کیا گیا۔

اسی لیاقت کی بنیاد نیز دوسری باتوں کی بنا پر ان کے پدر بزرگوار نے بارہا اپنے بعد کے لئے ان کی امامت کو صراحت سے بیان فرمایا ہے۔

"امیہ ابن علی قیسی" نقل کرتے ہیں کہ میں نے ابو جعفر علیہ السلام سے عرض کیا کہ آپ کا کون جانشیں ہوگا۔ تو آپ نے فرمایا: میرے فرزند علیؑ۔[1]

"صقر ابن دلف" کہتے ہیں کہ میں نے ابو جعفر امام جواد علیہ السلام سے سنا آپ فرماتے تھے کہ میرے بعد پیشوا میرا بیٹا علی ہے، ان کا فرمان میرا فرمان، انکی گفتار میری گفتار اور ان کی پیروی میری پیروی ہے اور ان کے بعد ان کے بیٹے حسنؑ، امام ہیں۔[2]

امام کا اخلاق اور ان کی سیرت

امام ہادی اپنے اسلاف کی طرح اخلاق اور فضائلِ انسانی کا مجسمہ اور کمالاتِ نفس کا مظہر تھے۔

ابن صباغ مالکی اپنی کتاب میں آپ کی اخلاقی خصوصیت اور فضائل کا مرقع کھینچتے

۱۔ اثبات الھداۃ جلد ۲۰۹/۶

۲۔ بحار جلد ۵۰/۱۱۸

ہوئے فرماتے ہیں۔

ابوالحسن علی ابن محمد کی فضیلت اور برتری دشتہائے بیکران پر گنبد کی طرح پھیلی ہوئی ہے۔ (ان کی فضیلت ہر جگہ پھیلی ہوئی ہے اور اس سے دوسروں کی چمک دمک ماند پڑ گئی ہے) اور ان کے بلندیوں کی طرف بڑھنے والے سلسلے آسمان کے ستاروں پر حکمرانی کر رہے ہیں۔ کوئی چیز منقبت نہیں شمار کی جاسکتی مگر یہ کہ اس کا لب لباب آپ کے وجود میں جلوہ گر ہے اور کوئی فضیلت و کرامت بیان نہیں ہوتی مگر یہ کہ اس کا برترین حصہ آپ ہی کی ملکیت ہے۔ ہر قابل تعریف خصلت جب بیان کی منزل میں آتی ہے تو اس کا بلند ترین اور مکمل ترین حصہ آپ ہی سے متعلق ہوتا ہے۔ آپ کا وجود ہر نیک و ارجمند خصلت کی ایسی تجلّی گاہ ہے جو آپ کی عظمت کی تعریف کرتی ہے ان تمام کمالات کے استحقاق کا سرچشمہ وہ بزرگی اور کرامت ہے جو آپ کے جوہر زندگی کے ساتھ ملی ہوئی ہے، وہ عظمت و بزرگی ہے جو آپ کی سرشت میں پوشیدہ ہے۔ جیسے وہ گلہ بان جو اپنے گلہ کو نامناسب پانی پینے سے روکتا ہے ویسے ہی آپ کا وجود آب زلال معرفت کے علاوہ کسی اور پانی کے پینے سے منع کرتا ہے۔ اس لئے آپ کی جان، پاک ہے، آپ کا اخلاق شیریں ہے، آپکی سیرت، عادلانہ اور آپ کے صفات کل نیک ہیں آپ وقار، سکون، صبر، عفت، طہارت، زیرکی اور دانائی میں طریقہ نبوی اور سرشت علوی پر گامزن تھے۔ ایسے تزکیہ شدہ نفس کے اور ایسی بلند ہمت کے مالک تھے کہ کوئی آپ کے پایہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ آپ کی نیک روش میں آپ کا کوئی ثانی نہیں اور کسی نے ان چیزوں کی طمع نہیں کی ...[1]"

---

[1] الفصول المہمہ / ۲۸۳ - ۲۸۲

عبادت و بندگی

متوکل کے معین کئے ہوئے افراد چھان بین کے لئے متعدد بار آپ کے گھر میں اچانک گھس آئے تو آپ کو کھردرا لباس پہنے ہوئے ایک چٹائی پر نماز کے لئے ایستادہ دیکھتے۔

یحییٰ ابن ہرثمہ نقل کرتے ہیں کہ امام ہادی ہمیشہ مسجد میں رہتے تھے اور دنیا سے کوئی رابطہ نہیں رکھتے تھے۔[۱]

حائری اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ عبادت پروردگار سے شدید محبت کی بنا پر آپ راتوں کو آرام نہیں کرتے تھے اور تھوڑی دیر کے علاوہ آپ سوتے نہیں تھے۔ آدھی رات کو کنکروں اور ریگزاروں پر بیٹھتے اور عبادت و استغفار اور تلاوت میں رات بسر کرتے تھے۔[۲]

جود و بخشش

امام کے دوستوں میں سے چند افراد جیسے ابو عمرو عثمان ابن سعید، احمد ابن اسحاق اشعری اور علی ابن جعفر ہمدانی، آپ کی خدمت میں پہونچے۔ احمد ابن اسحاق نے اپنے بھاری قرض کی امام سے شکایت کی، امام ہادی نے اپنے وکیل "ابو عمرو" سے فرمایا تیس ہزار دینار، احمد ابن اسحٰق کو اور تیس ہزار دینار علی ابن جعفر کو دیدو اور اپنے لئے بھی تیس ہزار اٹھالو۔[۳]

ابو ہاشم جعفری نقل کرتے ہیں کہ میں بہت زیادہ محتاج ہوگیا۔ میں امام ہادی کی

۱۔ المفنا جلد ۲/ ۲۱۸ نوشتہ "دخیل" منقول از اصول کافی، تذکرۃ الخواص / ۳۲۲

۲۔ نور الابصار / ۲۷۷، المتنا نوشتہ "دخیل" جلد / ۲۱۸ ۳۔ مناقب جلد ۴ / ۴۰۹

خدمت میں پہونچا جب میں بیٹھ گیا تو آپ نے فرمایا: اے ابو ہاشم! خدا نے جو نعمتیں تم کو دی ہیں ان میں سے کسی ایک نعمت کا شکر بجالا سکتے ہو؟ میں چپ رہا اور یہ نہ سمجھ سکا کہ کیا کہوں۔

امامؑ نے فرمایا: خدا نے تم کو ایمان دیا ہے اور اس کے ذریعہ اس نے تمہارے جسم کو دوزخ کی آگ سے بچایا ہے، خدا نے تم کو صحت و عافیت عطا کی ہے اور اس نے اپنی عبادت کے لئے تمہاری مدد کی، خدا نے تم کو قناعت دی ہے اور اس کے ذریعہ اس نے تمہاری آبرو بچائی ہے، اے ابو ہاشم! میں نے یہ باتیں اس لئے شروع کیں کہ میں نے گمان کیا کہ تم اس کے بارے میں مجھ سے شکایت کرنا چاہتے ہو جس نے یہ تمام نعمتیں تم کو دی ہیں۔ میں نے حکم دیدیا ہے کہ سو دینار تم کو دیئے جائیں تم ان کو لے لو۔[1]

عقدہ کشائی

"محمد ابن طلحہ" نقل کرتے ہیں کہ ایک دن امام ہادیؑ سامرا سے ایک اہم کام کے لئے ایک دیہات کی طرف روانہ ہوئے۔ اس درمیان ایک آدمی آپ کے گھر آیا جب اس نے امام کو وہاں نہ پایا تو وہ بھی اس دیہات کی طرف روانہ ہوا جب امام کی خدمت میں پہونچا تو اس نے عرض کیا کہ میں کوفہ کا رہنے والا ہوں آپ کے خاندان کے چاہنے والوں میں سے ہوں لیکن بہت زیادہ قرضدار ہو گیا ہوں، اتنا قرض ہے کہ میں اسے ادا نہیں کر سکتا اور آپ کے علاوہ مجھے اور کوئی نظر نہیں آتا جو میری ضرورت پوری کر دے۔ امام نے پوچھا تمہارا قرض کتنا ہے؟ اس نے کہا تقریباً دس ہزار درہم۔

امامؑ نے اس کی دلجوئی کی اور فرمایا: تم پریشان نہ ہونا اور میں جو حکم دوں اس پر عمل کرنے

---

[1] بحار جلد ۵۰/ ۱۲۹، انوار البہیہ / ۲۴۷

یں کوتاہی نہ کرنا پھر آپ نے اپنے ہاتھ سے ایک رقعہ لکھا اور اس سے فرمایا : اس دستخط کو اپنے پاس رکھو اور جب میں سامرا پہونچوں تو جتنا پیسہ اس میں لکھا ہے اس کا ہم سے مطالبہ کرنا چاہے تم کو لوگوں کے سامنے ہی ایسا کرنا پڑے ، خبردار اس میں کوتاہی نہ کرنا ۔

امام کے سامرا لوٹنے پر جب خلیفہ کے حلقہ بگوش افراد آپ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے وہ مرد عرب وہاں پہونچا اور اس دستخط کو دکھا کر اصرار کے ساتھ اس نے پیسے کا مطالبہ کیا ، امام نے نہایت نرمی اور ملائمت سے تاخیر کی معذرت کرتے ہوئے اس سے مہلت مانگی تاکہ کسی مناسب وقت پر آپ وہ پیسے ادا کر دیں ۔ لیکن وہ شخص اسی طرح اصرار کرتا رہا اور اس نے مہلت نہیں دی ۔

یہ بات متوکل تک پہونچی تو اس نے تیس ہزار دینار امامؑ کے لئے بھیجنے کا حکم دیا ۔ جب پیسے امام کے ہاتھوں تک پہونچے تو آپ نے اس مرد عرب کو بلایا اور تمام پیسے اس کو دے دیئے ۔ اس نے بتایا کہ اس پیسے کے ایک تہائی سے کم میں ضرورت پوری ہو جائے گی لیکن امام نے کل تیس ہزار دینار اس کو مرحمت فرما دیئے ۔

اس عرب نے پیسہ لے لیا اور کہا "خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ اپنی رسالت کو کہاں قرار دے[1] ۔"

امام کی معنوی ہیبت و عظمت

"محمد ابن حسن اشتر علوی" نقل کرتے ہیں کہ "میں اپنے والد کے ساتھ متوکل کے گھر تھا اور آلِ ابوطالب و آلِ عباس و آلِ جعفر کی بھی ایک جماعت وہاں موجود تھی کہ امام ہادیؑ

---

[1] بحار جلد ۵۰/۵ ، ۱۷ ، کشف الغمہ جلد ۳/۱۶۵ - ۱۶۴ - نور الابصار شبلنجی / ۱۸۲ - ۱۸۱ - الفصول المہمہ / ۲۷۹ - ۲۷۸ ، الصواعق المحرقہ / ۲۰۷ - ۲۰۶ ، انوار البہیہ / ۲۵۶ - ۲۵۵

تشریف لائے ۔ وہ تمام لوگ جو وہاں کھڑے تھے امام کے احترام میں سواریوں سے اتر پڑے امام گھر میں داخل ہوئے ۔ حاضرین میں سے کچھ لوگوں نے ایک دوسرے سے کہا : ہم ان کیلئے کیوں اپنی سواری سے اتریں ، وہ نہ تو ہم سے زیادہ صاحب شرف ہیں اور نہ ہم سے عمر میں بڑے ہیں ، خدا کی قسم ہم ان کے لئے سواری سے نہیں اتریں گے ۔

ابو ہاشم جعفری نے ـــ جو وہاں موجود تھے ـــ کہا خدا کی قسم تم لوگ جب انکو دیکھو گے تو نہایت حقیر بن کر سواری سے اتر پڑو گے ۔

ابھی تھوڑی دیر نہ گذری تھی کہ امام ہادی واپس پلٹے ، جب حاضرین کی نظر آپ پر پڑی تو بے اختیار سواریوں سے اتر پڑے ، ابو ہاشم نے کہا : "کیا تم نے نہیں کہا تھا کہ ہم نہیں اتریں گے ؟" لوگوں نے کہا : "خدا کی قسم ہم اپنے کو نہیں روک سکے اور بے اختیار اتر پڑے ۔"[1]

امام کا علمی مقام

خدا نے اپنی لامتناہی قدرت اور اپنے وسیع علم سے خاندان رسالت کو علم کے خزانے عطا کئے اور ان کو زیور علم سے آراستہ کیا ۔ ایسا علم کہ ان سے زیادہ علم دوسری جگہوں پر نہیں پایا جا سکتا ۔

شیعوں کے ائمہ علیہم السلام علم الٰہی کے پرچم دار ، خزینہ دار اور اسرار توحید کے محافظ ہیں ۔

امام ہادی اسی شجرۂ طیبہ کی ایک شاخ ہیں جو وسیع اور جامع علم سے مالا مال تھے ۔ آپ کی علمی عظمت و منزلت نے عقلوں کو حیرت و استعجاب میں ڈال دیا تھا ۔

صفات خداوند عالم ، تنزیہ و تقدیس پروردگار کے بارے میں آپ کی حدیثیں ، مذہب جبر و تفویض ، اور جبر و تفویض کے درمیانی امر کے اثبات پر مفصل خط ، زیارت ائمہ علیہم السلام

---

[1] اعلام الوریٰ / ۳۶۱ ـ ۳۶۰ ـ مناقب جلد ۴ / ۴۰۷ ، بحار جلد ۵۰ / ۱۳۷ ـ الانوار البہیہ / ۲۴۷

کے کلمات جو "زیارت جامعہ" کے نام سے مشہور ہے، آپ کی یادگاریں ہیں۔ مخالفین کے ساتھ مختلف موضوعات پر احتجاجات[1] وغیرہ ..... علماء کے لئے مورد توجہ ہیں جو کہ آپ کے علمی پہلوؤں کی گہرائی اور وسعت کا پتہ دیتے ہیں۔

امامت کا زمانہ

امام ہادی ۲۲۰ھ میں — اپنے والد بزرگوار کی شہادت کے بعد — آٹھ سال کی عمر میں امامت کے عہدہ پر فائز ہوئے، آپ کی امامت کی مدت ۳۳ سال اور کچھ دن تھی اس مدت میں بنی عباس کے چھ خلفاء آپ کے ہم عصر رہے۔ ان کے نام معتصم، واثق، متوکل، منتصر، مستعین اور معتز ہیں۔

دوران امامت کی خصوصیتیں

دسویں امامؑ کی امامت کا زمانہ پریشانی، تشویش اور انقلاب کا زمانہ تھا۔ اس زمانہ میں خاندان علی علیہ السلام اور ان کے دوستداروں کے ساتھ حکومت کی سخت اور برا سلوک اپنے اوج پر پہونچا ہوا تھا۔ اور اس شدت پسند روش کی بنا پر وسیع و عریض اسلامی مملکت کے گوشہ وکنار میں علویوں کی شورشیں بہت پھیلی ہوئی تھیں۔

یہاں اب ہم خلافت کی اس زمانہ کی بعض خصوصیات کی طرف اشارہ کرتے ہیں تاکہ دسویں امام کے سیاسی حالات کو اچھی طرح سمجھا جاسکے۔

---

[1] مزید معلومات کے لئے جبر و تفویض کے مسئلہ میں امام کا خط اور اسی طرح آپ کے احتجاجات جو کتاب تحف العقول میں صفحہ ۲۵۶-۳۳۸ پر موجود ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

الف : دربارِ خلافت کی ہیبت و عظمت کا زوال اور موالی کا تسلط

اس زمانہ میں ترک، قبطی اور موالی کے سرنوشتِ مملکت اسلامی پر تسلط اور مملکت کے موجود امور سے خلیفہ کی کنارہ کشی نے دربار خلافت کی عظمت و ہیبت کو ختم کر دیا، خلافت مذکورہ لوگوں کے ہاتھوں میں ایک گیند کی طرح تھی جسے جدھر چاہتے تھے پھینک دیتے تھے[1] یہاں تک کہ "معتمد" نے اس تلخ حقیقت کا اعتراف کیا اور چند اشعار میں اس نے کہا: کیا یہ تعجب خیز نہیں ہے کہ میرے جیسا شخص نہایت چھوٹی چیز سے روک دیا جائے۔ اس کے نام پر پوری دنیا حاصل کی جائے حالانکہ اس میں سے کوئی چیز اس کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ فراواں مال و دولت اس کی طرف منتقل ہو لیکن ان میں سے ذرا سی چیز اس کو نہ دی جائے۔[2]

خلافت کی مشنری میں ان لوگوں کا دخل و رسوخ اور اہلِ بغداد کے لئے حد سے زیادہ مزاحمت و پریشانی اس بات کا سبب بنی کہ معتصم ان لوگوں ـــ جن کی فوج اور انتظامی فورس میں کثرت تھی ـــ کو لوگوں کی دسترس سے باہر کسی دوسری جگہ منتقل کر دے۔ چنانچہ شہر سامرہ کو اس کام کیلئے چنا گیا اور اسی کو دار الخلافہ قرار دیا گیا اور لشکر کو بھی اسی شہر میں منتقل کر دیا گیا۔

ان عناصر کے رأس و رئیس "موسیٰ ابن بغا" ان کے بھائی "محمد ابن بغا" ـــ بغاء

---

[1] اور شاید اس دور میں بنی عباس کے چھ خلیفہ تک ہاتھوں ہاتھ خلافت پہونچنے کی علتوں میں سے ایک بڑی وجہ یہی مسئلہ تھا۔ اور خلافت کے عہدہ پر نسبتاً زیادہ دنوں تک متوکل کے قابض رہنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ ایک حد تک قدرت کو اپنے ہاتھوں میں لئے رہنے اور ان لوگوں کی اسیری سے اپنے آپکو نجات دینے میں کامیاب ہو گیا۔

[2] الیس من العجائب انّ مثلی ۔۔۔ یریٰ ما قلّ ممتنعاً علیہ
وتوخذ باسمہ الدنیا جمیعا ۔۔۔ وما من ذاک شیئ فی یدیہ
الیہ یحمل الاموال طرّاً ۔۔۔ ویمنع بعض ما یجبیٰ الیہ

ترابی کوچک" اور " وصیف" تھے۔ موخر ذکر دونوں افراد مستعین پر ایسے مسلط تھے کہ ان کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ "خلیفہ وصیف اور بغاء کے درمیان قفس میں قید ہے وہ لوگ جو بھی کہتے ہیں یہ طوطے کی طرح وہی بولتا ہے[1]"

ب۔ علویوں کی تحریک کی وسعت

اس زمانہ میں" رضائے آل محمد" اور حکومت کے ظلم وجور کے خلاف اور اعتراض کے عنوان سے بہت سی تحریکیں اٹھیں۔ تحریک کے لیڈر یہ دیکھ رہے تھے کہ ان کے معصوم ائمہ فوجی اڈہ کے اندر سامرا میں قید ہیں اور خلافت کی مشنری ان کی نگرانی کر رہی ہے اور کسی مخصوص آدمی کے نام پر لوگوں کو اکٹھا کرنا اس کے قتل کا باعث ہوتا ہے۔ اس لئے وہ لوگوں کو کلی طور پر رضائے آلِ محمد کی طرف دعوت دیتے تھے۔

مورخین نے اٹھارہ تحریکوں کے نام بیان کئے ہیں۔ ہم ان میں سے اختصار کے ساتھ چند تحریکوں کا نام بتاتے رہے ہیں؛

۱۔ محمد ابن قاسم علوی کی تحریک: یہ ایک عالم، زاہد اور متقی آدمی تھے۔ انہوں نے معتصم کے زمانہ میں طالقان میں قیام کیا۔ اور عبد اللہ ابن طاہر کے ساتھ ایک جھڑپ کے بعد سنہ ۲۱۹ھ میں عبد اللہ کے ہاتھوں گرفتار ہوکر معتصم کے پاس لائے گئے[2]۔

۲۔ یحییٰ ابن عمر علوی کی تحریک: یحییٰ ایک زاہد متقی اور باعلم وعمل آدمی تھے۔ انہوں نے سنہ ۲۵۰ھ میں کوفہ میں قیام کیا اور بہت سے لوگوں کو اپنے اردگرد جمع کر لیا اور بیت المال

---

[1] "خلیفۃ فی قفص بین وصیف وبغاء، یقول ما قالا لہ کما یقول البغاء"

مروج الذہب جلد ۶۱/۴

[2] مقاتل الطالبین / ۳۸۴ - ۳۸۲

پر حملہ کر کے مال اپنے قبضہ میں کر لیا، زندانوں کے دروازے کھول کر قیدیوں کو آزاد کر دیا اور شہر کے حکام کو شہر سے باہر نکال دیا لیکن آخر میں شکست کھا کر "حسین ابن اسماعیل" کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ ان کی لاش کو دار پر لٹکایا گیا۔[1]

۳۔ حسین ابن زید کی تحریک : انہوں نے ۲۵۰ھ میں طبرستان میں قیام کیا، اس سرزمین اور (شہر) گرگان پر قبضہ کر لیا اور ۲۷۰ھ میں انتقال فرما گئے ان کے بھائی "محمد" ان کے جانشین ہوئے۔[2]

۴۔ محمد ابن جعفر علوی کی تحریک : آپ نے ۲۵۰ھ میں خراسان میں قیام کیا لیکن عبد اللہ ابن طاہر کے ہاتھوں گرفتار ہو کر قید کر دیئے گئے اور وہیں انتقال فرمایا۔[3]

امام کے ساتھ متوکل کا سلوک

امام ہادیؑ اگرچہ خلفائے بنی عباس میں سے چھ خلفاء کے ہمعصر رہے لیکن متوکل اور معتز سے آپ نے دوسرے خلفاء کی بہ نسبت زیادہ دکھ سہے۔ ان دونوں خلفاء کی سیاست مخالفین، خصوصاً علویوں کا "قلع قمع کر ڈالو" کی سیاست تھی۔

متوکل حکومت بنی عباس میں سب سے بڑا ظالم اور بدسرشت بادشاہ تھا اس کی حکومت چودہ (۱۴) سال کچھ دن تھی (۲۳۲ھ - ۲۴۷ھ) اور یہ زمانہ دسویں امامؑ اور ان کے تابعین کے لئے سخت ترین زمانہ شمار کیا جاتا ہے۔

متوکل جس کا دل امیر المؤمنین، ان کے خاندان اور ان کے شیعوں کے کینہ سے بھرا

۱۔ مقاتل الطالبین / ۴۲۴ - ۴۲۰ کامل ابن اثیر جلد ۷ / ۱۳۰ - ۱۲۶

۲۔ مقاتل الطالبین / ۴۰۶، کامل ابن اثیر جلد ۷ / ۱۳۰، ۲۴۸، ۴۰۷ - مروج الذہب ج ۴ / ۶۸

۳۔ مقاتل الطالبین / ۴۰۶، مروج الذہب جلد ۴ / ۶۹

ہوا تھا۔ وہ اس بات کی کوشش کرتا تھا کہ اس خاندان کے نمایاں افراد کو نہایت بے دردی سے ختم کردے۔ اسی لئے اس نے علویوں کے ایک گروہ کو قتل کیا اور دوسرے گروہ کو نیست ونابود کر ڈالا۔

وہ ائمہ علیہم السلام کی جانب بڑھتے ہوئے عمومی افکار کو روکنے اور ائمہ کو گوشہ نشین بنانے کے لئے جھوٹے خواب نقل کرکے لوگوں کو محمد ابن ادریس شافعی "کی ـــ جو گذر چکے تھے ـــ پیروی کرنے کا شوق دلاتا تھا۔[۱] اور ۲۳۶ھ کو اس نے حکم دیا کہ سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام کے مرقد مطہر کو ویران کردیا جائے اور اس زمین پر زراعت کی جائے تاکہ لوگ اس مرقد مطہر کی زیارت کو نہ جائیں جو شیعوں کا مرکز اور دربارِ خلافت کے ظلم و استبداد کے خلاف شیعوں کی تحریکوں کے لئے الہام بخش ہے۔[۲]

لیکن نہ صرف یہ کہ شیعہ کسی بھی طرح اس تربت پاک کی زیارت سے باز نہیں آئے بلکہ یہ جرم ان کے مبارزات کی شدت کو بڑھانے کا سبب بنا اور انہوں نے اپنے نفرت و غصہ کو نعروں اور اشعار کی شکل میں بغداد کے شہر اور مسجد کی دیواروں پر لکھ کر ظاہر کیا۔

ایک شعر کا مضمون ملاحظہ ہو: "خدا کی قسم اگر بنی امیہ نے ظلم وستم کے ساتھ فرزند پیغمبرؐ کو قتل کردیا تو اب بنی عباس ـــ جو فرزندانِ عبدالمطلب اور ان کی نسل سے ہیں ـــ انہوں نے بھی بنی امیہ کے جرائم کی طرح جرم کا ارتکاب کیا، یہ قبر حسینؑ ہے جو ویران ہوگئی ہے۔

جیسے آپ کہیں کہ بنی عباس کو اس بات کا افسوس ہے کہ انہوں نے قتل امام حسینؑ میں شرکت نہیں کی اور اب آں حضرت کی تربت پر ظلم اور ان کی قبر کو ویران کرکے وہ بنی امیہ

۱۔ تاریخ الخلفاء / ۳۵۱ ـ ۳۵۰

۲۔ تاریخ الخلفاء / ۳۴۷، تاریخ ابو الفداء / جزء دوم / ۳۸

کے جرائم کی پیروی کررہے ہیں۔[1]

ائمہ اہلِ بیت علیہم السلام کی دوستی اور ان کی پیروی کے جرم میں متوکل لوگوں پر سختی کرتا اور ان کو سزائیں دیتا تھا۔

ابنِ سکیت ایک شیعہ ادیب اور شاعر متوکل کے بیٹوں ــــ معتز اور مؤید ــــ کے معلم تھے ایک دن خلیفہ نے دونوں بیٹوں کی طرف اشارہ کرکے ابن سکیت سے پوچھا کہ "تیرے نزدیک یہ دونوں زیادہ محبوب ہیں یا امام حسن و امام حسین (علیہما السلام)؟ ابن سکیت نے بے جھجک جواب دیا کہ امیرالمؤمنین کے غلام قنبر تیرے دونوں بیٹوں سے بہتر ہیں۔[2]

متوکل کو ہرگز ایسے جواب کی امید نہ تھی چنانچہ وہ بڑا غضب ناک ہوا اور اس نے ان کی زبان گدی سے کھینچ لئے جانے کا حکم دیا۔ اور اس دردناک طریقہ سے اُن کو شہید کردیا۔[3]

امیرالمؤمنین سے کینہ اور عداوت نے متوکل کو ایسی پستی اور رذالت میں پہونچادیا تھا کہ وہ ناصبیوں اور دشمنانِ اہلِ بیت کو اپنے سے قریب کرتا تھا اور کینہ سے لبریز دل کی تسکین کے لئے حکم دیتا تھا کہ ایک مسخرہ اپنی شرم آور حرکات سے امیرالمؤمنین کا مذاق اڑائے اور ایسے میں متوکل شراب پیتا اور یہ مناظر دیکھ کر قہقہہ لگاتا۔[4]

۱ـ
تاللہ ان کانت امیہ قد اتت — قتل ابن بنت نبیہا مظلوما
فلقد اتاہ بنو ابیہ بمثلہ — ھذا لعمری قبرہ مھدوما
اسفوا علی ان لایکونوا شارکوا — فی قتلہ فتتبعوہ رمیما

۲ـ الفداء نے اپنی تاریخ میں ابن سکیت کا بیان اس طرح لکھا ہے کہ "قنبر تجھ سے اور تیرے دونوں بیٹوں سے زیادہ مجھ کو محبوب ہیں۔

۳ـ تاریخ الخلفاء/ ۳۴۸، تاریخ ابی الفداء جلد ۱/ جزء دوم/ ۴۱-۴۰

۴ـ المختصر فی اخبار البشر (معروف تاریخ ابی الفداء) جلد ۱/ جزء دوم/ ۳۸

سامرا میں امام کی جلاوطنی

سنہ ۲۳۲ھ میں جب متوکل نے اقتدار اپنے ہاتھ میں لیا تو اس نے مختلف طبقہ کے لوگوں میں امام ہادی کے نفوذ اور ان سے لوگوں کی محبت کو دیکھا تو بہت خوفزدہ ہوا اس وجہ سے اس نے چاہا کہ امام کو مدینہ سے سامرا بلائے اور آٹھویں امام کے سلسلہ میں مامون کے رویہ کی پیروی کرے تاکہ آپ کو ان کے چاہنے والوں سے دور کرنے کے ساتھ ساتھ فعالیت سے بھی روک دے اور قریب سے نگرانی کرتا رہے۔

حرمین کے امام جماعت اور والیٔ مدینہ نے امام علیہ السلام کے بارے میں متوکل سے جو چغلی کھائی تھی اس نے خلیفہ کو اس ارادہ کے عملی جامہ پہنانے پر اکسایا اس وجہ سے اس نے سنہ ۲۳۴ھ[1] میں امام کے لئے ایک خط لکھا اور اس کو یحییٰ ابن ہرثمہ کے ذریعہ بھیجا اور حکم دیا کہ سامرا لایا جائے[2]

امام ہرچند کہ متوکل کی بری نیت سے واقف تھے پھر بھی آپ نے اپنے آباء کرام کی پیروی کرتے ہوئے اس بات میں بھلائی نہیں محسوس کی کہ متوکل کی مخالفت کی جائے اس لئے کہ اس کی مخالفت چغلی کھانے والوں کے لئے سند بن جاتی اور خلیفہ کو اور زیادہ بھڑکا دیتی اسی وجہ سے آپ اس جبری سفر پر آمادہ ہو گئے[3] اور اپنے بیٹے امام حسن عسکریؑ کو لے کر خلیفہ کے بھیجے ہوئے

۱۔ امام کے سامرا جانے کی تاریخ میں اختلاف ہے، مرحوم مفید نے ارشاد میں امام کو متوکل کے خط لکھنے کی تاریخ جمادی الآخر سنہ ۲۴۳ھ (ارشاد/۳۲۲) بتائی ہے لیکن جو مناقب جلد ۴/۴۰۱ اور دیگر کتابوں میں سامرا میں امام کی قیام کی مدت بیس سال لکھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے سامرا جانے کی تاریخ وہی سنہ ۲۳۴ ہے، اس لئے یہ بات بعید معلوم ہوتی ہے کہ متوکل امام کی فعالیت سے گیارہ سال غافل رہا ہو اور اس نے کوئی فکر نہ کی ہو۔

۲۔ بحار جلد ۵۰/۲۰۱ — ۲۰۰، ارشاد مفید/۳۳۲، تذکرۃ الخواص/۳۲۲

۳۔ آپکا سفر زبردستی کا سفر تھا اس کی دلیل خود آپ کا قول ہے آپ نے فرمایا، مجھ کو مدینہ سے زبردستی سامرا لایا گیا بحار ۱۲۹/۵۰

آدمیوں کے ساتھ سامرا کے سفر پر چل پڑے۔

متوکل نے آپ کی شخصیت کو نقصان پہونچانے اور اپنی طاقت کے مظاہرہ کے لئے حکم دیا کہ امام کو ایک نامناسب جگہ جس کا نام "خان الصعالیک" تھا، جو گداگروں کی جگہ تھی، وہاں اتارا جائے اور ایک دن وہاں ٹھہرانے کے بعد محلہ عسکر[1] میں امام کے لئے ایک گھر لیا گیا اور آپ کو اس میں منتقل کیا گیا[2] آخر عمر تک آپ اسی جگہ مقیم رہے اور متوکل اور اس کے بعد کے خلفاء کی وجہ سے ہمیشہ نظر بند رہے۔ سامرا میں بیس سالہ قیام کے دوران آپ نے بڑے دکھ سہے، خاص کر متوکل کی طرف سے ہمیشہ تہدید اور آزار کا شکار رہے۔ بغیر کسی اطلاع کے پیسہ اور اسلحہ کی تلاشی کے بہانہ بارہا آپ کے گھر کی تلاشی ہوتی رہی اور بہت سے مواقع پر خود آپ کو خلیفہ کے پاس لے جایا گیا۔

معتز، متوکل کا بیٹا بھی اپنے باپ سے کم نہ تھا۔ علویوں کے ساتھ اس کا سلوک بہت ناروا تھا۔ اس کی حکومت کے زمانہ میں بہت سے علویوں کو یا تو زہر دیا گیا یا قتل کر ڈالا گیا۔ امام ہادیؑ اسی کے زمانہ میں شہید ہوئے۔

امامؑ کی فعالیت اور آپ کا موقف

امام ہادی علیہ السلام کی علمی اور سماجی فعالیت اور خلافت کی مشنری کے مقابل آپ کے موقف سے آگاہی کے لئے ضروری ہے کہ ہم مسئلہ کی دو حصوں میں تشریح کریں

۱۔ مدینہ میں امام کی فعالیت اور آپ کا موقف۔

---

[1] چونکہ وہ گھر جہاں امام ہادی علیہ السلام اور ان کے بعد امام حسن عسکری علیہ السلام نظر بند کئے گئے تھے عباسی لشکرگاہ کے پاس تھا اور اس محلہ کو محلہ عسکر کہتے تھے اس لئے یہ دونوں امام عسکریین کے نام سے مشہور ہوئے بحار ج ۵۰/۴۲

[2] فصول المہمہ/۲۸۱-۲۸۰، ارشاد مفید/۳۳۴-۳۳۳، تذکرۃ الخواص/۳۶۲، انوار البھیہ/۲۵۹، بحار ج ۵۰/۲۰۰

۲۔ سامرا میں حضرت کی کارکردگی اور آپ کا موقف

الف: مدینہ میں آپ کی فعالیت اور موقف

اپنے والد بزرگوار کی شہادت کے بعد اپنی امامت کے زمانہ میں امام ہادی نے تقریباً تیرہ سال نہایت دشوار گذار اور کٹھن کے ماحول میں مدینہ میں زندگی بسر کی اور آپ نے مختلف گروہوں کو آگاہی بخشنے، طاقتوں کو جذب کرنے اور عوامی مرکز تشکیل دینے میں اپنی تمام تر کوششیں صرف کیں۔

یہ کوششیں اتنی موثر اور دربار خلافت کے لئے ایسی خطرناک تھیں کہ حرمین کے امام جماعت "بریحہ" نے متوکل کو لکھا "اگر تم کو مکہ اور مدینہ کی ضرورت ہے تو علی ابن محمد ہادی کو اس دیار سے نکال دو اس لئے کہ وہ، لوگوں کو اپنی طرف بلاتے ہیں چنانچہ بہت سے افراد بھی ان کے گرویدہ ہیں"[۱]

اسی بات کو حکومت بنی عباس کے طرفداروں نے، منجملہ ان کے والی مدینہ نے بھی متوکل کو لکھا اور یہی فعالیت اور لوگوں کی چغلی، اس بات کا باعث ہوئی کہ متوکل امام کو سامرا منتقل کر کے نگرانی میں رکھے۔

سامرا لے جاتے وقت مدینہ کے عوام کا ردِ عمل، امام کی سیاسی اور سماجی کوششوں اور معاشرہ میں ان کی حیثیت پر دوسری بولتی ہوئی دلیل ہے۔

"یحییٰ بن ھرثمہ نقل کرتا ہے کہ جب مدینہ والوں کو معلوم ہوا کہ ہم امام ہادی کو مدینہ سے لے جانے کے لئے آئے ہیں تو ان کے نالہ و فریاد کی ایسی آوازیں بلند ہوئیں کہ میں نے اس

---

[۱] ان کان لک فی الحرمین حاجۃ فاخرج علی بن محمد منہا فانہ قد دعا الناس الی نفسہ واتبعہ خلق کثیر۔ بحار جلد ۵۰/ ۲۰۹، سیرۃ الائمہ الاثنی عشر جلد ۲/ ۴۸۵

دن تک ایسی آواز نہیں سنی تھی، جب میں نے قسم کھا کر یہ بات کہی کہ امام کے ساتھ کوئی برا سلوک نہیں کروں گا تب لوگ چپ ہوئے۔[1]

مدینہ والوں کے شور وشین اور ان کی فریاد سے دو حقیقتوں کا پتہ چلتا ہے — پہلی بات تو یہ ہے کہ اس سے امام کے سلسلہ میں ان کی محبت اور الفت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ امامؑ کے بارے میں حکومت کے معاندانہ رویہ سے لوگ آگاہ ہوگئے۔

لوگوں کا غم وغصہ اور ان کی تشویش دو باتوں کی بنا پر تھی:

۱۔ آپ کی رہبری اور آپ کے فیوض و برکات سے محرومی اور جدائی۔

۲۔ اس بات کا احتمال کہ صرف پایۂ تخت منتقل کرنے کے بعد امام کو شہید کردیا جائیگا اور اس احتمال کو خلیفہ کے بھیجے ہوئے آدمیوں نے لوگوں کے شک آلود چہرہ اور ان کے نالہ و فریاد سے بخوبی محسوس کرلیا تھا۔ اسی وجہ سے یحیٰی بن ہرثمہ نے قسم کھائی کہ کہیں کوئی حادثہ نہ پیش آجائے۔

ب۔ سامرا میں امام کی فعالیت اور موقف

امام ہادی نے جو بیس سال سامرا میں زندگی گذاری اس میں گھٹن والے ماحول، ان کے دوستوں اور خود ان کی نگرانی کے برخلاف، امکان کی حد تک وہ پیغام الٰہی کو ہمیشہ کی طرح پہونچاتے رہنے میں کامیاب رہے۔

آپ کی کارکردگی کا خلاصہ دو حصوں میں بیان کیا جاسکتا ہے:

۱۔ اپنے برحق موقف کو بیان کرنا اور اسے مضبوط بنانا۔ باطل کے موقف پر تنقید کرنا۔

---

[1] مروج الذہب جلد ۴/ ۸۴، بحار جلد ۵۰/ ۲۱۷، تذکرۃ الخواص/ ۳۲۲

۲۔ عوامی مرکز کی پشت پناہی اور لوگوں کو دربار خلافت میں داخل ہونے اور اس کی مدد کرنے سے روکنا۔

۱۔ پہلا موقف

اس موقف کو بیان کرنے کے لئے چند نمونوں کا بیان کر دینا ضروری ہے۔

۱۔ خلیفہ پر کھلم کھلا امام کی تنقید اور واضح بیانات۔

اس کا واضح ترین نمونہ وہ اشعار ہیں جو امام نے خلیفہ کی بزم میں پڑھے اور متوکل نے گریہ کیا۔

متوکل نے ایک بزم منعقد کی اور اس نے حکم دیا کہ امام ہادی کو بھی لایا جائے، جب امام وہاں پہونچے تو ـــ متوکل جو شراب خوری میں مشغول تھا ـــ اس نے امام کو اپنے پہلو میں بٹھایا اور امام سے اس نے اس کام کی بھی خواہش کی (معاذ اللہ) امام نے فرمایا: "میرا گوشت اور میرا خون ہرگز شراب سے آلودہ نہیں ہوا ہے۔"

متوکل آپ کو شراب پلانے سے مایوس ہو گیا اور اس نے اشعار پڑھنے کی پیشکش کی، امام نے فرمایا کہ میں بہت کم شعر پڑھتا ہوں متوکل نے کہا شعر پڑھنے کے سوا اور کوئی چارہ ہی نہیں ہے۔

امام نے اشعار پڑھے جس سے خلیفہ بہت متاثر ہوا اتنا متاثر ہوا کہ خود خلیفہ اور حاضرینِ مجلس نے گریہ کیا۔ پھر اس نے بساطِ شراب کو سمیٹ دینے کا حکم دیا اور امام ہادی کو چار ہزار دینار دیکر احترام سے واپس بھیجدیا۔[1]

---

[1] تذکرۃ الخواص / ۳۲۳، مروج الذہب جلد ۴ / ۱۲ - ۱۰ نور الابصار شبلنجی / ۱۸۲، بحار جلد ۵۰ / ۲۱۱
امام نے جو اشعار پڑھے ان میں سے کچھ اشعار ملاحظہ ہوں: ← (حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

۲۔ لوگوں کے درمیان انفرادی یا اجتماعی طور پر اپنی حقانیت اور امامت کا اثبات

اس مرحلہ میں آپ کا موقف کچھ اس طرح تھا کہ جو دربار خلافت سے آپ کے کلی منفی رویہ کے خلاف نہ تھا۔

تاریخ میں اس سلسلہ میں بہت سے نمونے درج ہیں کہ امام نے اپنی پیشن گوئی اور معجزات کے ذریعہ لوگوں کو اپنی حقانیت کی طرف متوجہ کرنے اور انہیں خواب غفلت سے بیدار کرنے کی بہت کوشش کی۔

سے بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ

باتوا علی قلل الاجبال تحرسهم غلب الرجال فما اغنتهم القلل

واستنزلوا بعد عز عن معاقلهم واسکنوا حفراً یا بئس ما نزلوا

ناداهم صارخٌ من بعد دفنهم این الاساور والتیجان والحلل

این الوجوه التی کانت منعمه من دونها تضرب الاستار والکلل

فافصح القبر عنهم حین سائلهم تلک الوجوه علیها الدود تنتقل

قد طال ما اکلوا دهراً وما شربوا فاصبحوا بعد طول الاکل قد اکلوا

انہوں نے پہاڑ کی چوٹیوں کو اپنے رہنے کی جگہ قرار دی اور مسلح افراد ان کی حفاظت کر رہے تھے لیکن ان میں سے کوئی چیز بھی موت کو نہ روک سکی۔

انجام کار عزت کی بلند چوٹیوں سے قبر کے گڈھے میں گر پڑے انہوں نے کتنی بری جگہ کو اپنے رہنے کی جگہ قرار دیا ایسی صورت میں آواز آئی کہ وہ تاج و زینت وجلال و شکوہ سب کہاں چلے گئے۔

کہاں گئے وہ نعمتوں میں غرق چہرے جو مختلف پردوں کے پیچھے زندگی گذارتے تھے (جہاں بارگاہ تھی پردے اور دربان تھے)

ایسے موقع پر قبر نے آواز دی اور کہا: نازوں کے پروردہ چہروں کو کیڑے مکوڑے کھا رہے ہیں۔

اس میں سے ایک نمونہ حضرت کا "سعید ابن سھل" بصری سے سلوک ہے۔ سعید خود نقل کرتے ہیں کہ میں واقفی[1] مذہب کا تھا۔ ایک دن امام ہادی سے ملا آپ نے مجھ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا، کب تک سوتے رہوگے؟ کیا تم نہیں چاہتے کہ اس غفلت سے بیدار ہو جاؤ؟ امام کی باتوں نے مجھ پر ایسا اثر کیا کہ میں نے اپنا عقیدہ چھوڑ کر حق کو قبول کر لیا۔[2]

کسی خلیفہ کے بیٹے کے ولیمہ کے سلسلہ میں امام کی بھی دعوت تھی جب آپ تشریف لے گئے تو حاضرین آپ کے احترام میں ساکت ہو گئے لیکن ایک جوان اسی طرح باتیں کرتا اور ہنستا رہا وہ چاہتا تھا کہ امام کو لوگوں کے درمیان سبک کر دے امامؑ نے اس نوجوان کی طرف رخ کیا اور فرمایا یہ کیسی ہنسی ہے جس نے تجھے یادِ خدا سے غافل بنا دیا ہے؟ درآں حالیکہ تم تین دن کے بعد مر جاؤ گے۔

وہ جوان یہ باتیں سن کر چپ ہو گیا، تمام حاضرین امام کی پیشین گوئی کی صداقت کو پرکھنے کے لئے دن گنتے رہے یہاں تک کہ تیسرا دن آیا اور وہ نوجوان مر گیا۔[3]

۲۔ علمی کارکردگی

لوگوں کو آگاہ کرنے، امامت کے موقف وضاحت اور اس کی تفسیر بیان کرنے کے لئے امام کی فعالیت کے محور مندرجہ ذیل ہیں:

---

[1] واقفی وہ لوگ ہیں جنہوں نے موسیٰ ابن جعفر کی امامت پر توقف کیا ان کے بعد آپ کی امامت کو انہوں نے قبول نہیں کیا ان کا عقیدہ ہے کہ موسیٰ بن جعفر کا انتقال نہیں ہوا ہے بلکہ وہ نظروں سے پنہاں ہو گئے اور ایک دن ظہور فرمائیں گے۔

[2] مناقب جلد ۴/۴۰۷، بحار جلد ۵۰/۱۷۲

[3] مناقب جلد ۴/۴۱۵ — ۴۱۴

۱۔ مختلف اقوال یا تحریریں جو حق کو ثابت کرنے اور لوگوں کے ذہن میں ابھرنے والے شبہات کو ختم کرنے کے لئے ضروری مقامات پر سامنے آئیں۔

۲۔ مناظرہ کے جلسوں میں شرکت کرنا اور خلیفہ یا ان لوگوں کے سوالات کے جواب دینا جن کو خلیفہ سوال کرنے پر اکساتا تھا۔ پھر ان کو عملی اعتبار سے عاجز کر دینا۔

متوکل نے ایک دن ابن سکیت[۱] کو اکسایا کہ امام سے مشکل مسائل پوچھے، انہوں نے ایک نشست میں امام سے وہ مسائل پوچھے جو ان کی نظر میں مشکل تھے امام نے ان تمام سوالوں کے جواب دیئے۔

اس کے بعد ابن سکیت، یحیٰی ابن اکثم کو میدان مقابلہ میں لے آیا لیکن یحیٰی نے بھی منہ کی کھائی اور مغلوب ہوا۔ اس نے متوکل سے کہا کہ ایسے جلسے منعقد کرنا حکومت کی بھلائی کے لئے مفید نہیں ہیں، اس لئے کہ امام کی برتری اور کامیابی کی آواز شیعوں کے کانوں تک پہونچ چکی ہے یہ جلسے ان کے استحکام اور فخر کا باعث بنیں گے[۲]۔

۴۔ شاگردوں کی تربیت

دربارِ خلافت کی طرف سے محدودیت کا شکار ہونے اور آپ کے گھر آنے جانے والوں کی نگرانی ہوتے رہنے کے باوجود امام، قدرآور شخصیتوں اور بافضیلت لوگوں کی تربیت کرنے میں کامیاب ہوگئے، شیخ طوسی نے ان لوگوں کی تعداد جو حضرت سے روایت کرتے تھے

۱۔ مناقب جلد ۴/ ۴۰۵ ۔ ۴۰۳، بحار جلد ۵۰ / ۱۷۲ ۔ ۱۶۴

۲۔ ابن سکیت ہر چند کہ دل سے شیعہ اور دوستدارِ اہل بیت تھے لیکن چونکہ وہ متوکل کے بیٹوں کے معلم بھی تھے اور شاید وہ اپنے عقیدہ کو چھپاتے تھے اس وجہ سے انہوں نے یحیٰی بن اکثم کو اس بات کے لئے آمادہ کیا کہ وہ امام سے سوال کرے۔

ایک سو پچاسی [۱۸۵] لکھی ہے جن کے درمیان بڑے نمایاں افراد بھی نظر آتے ہیں منجملہ ان کے :

۱۔ حضرت عبد العظیم حسنی ہیں جن کا سلسلہ چار واسطوں سے امام حسن مجتبیٰ سے مل جاتا ہے، آپ محدثین اور بزرگ علماء میں شمار ہوتے تھے اور زہد و تقویٰ میں بڑا مقام رکھتے تھے۔

۲۔ حسین ابن سعید اہوازی ہیں جنھوں نے فقہ و ادب و اخلاق کے موضوع پر تقریباً تیس کتابیں لکھی ہیں، آپ علمی مقام و منزلت کے حامل ہونے کے علاوہ لوگوں کی ارشاد و ہدایت بھی فرماتے تھے [۱]

۳۔ علی ابن جعفر مینادی جن کو متوکل نے قید خانہ میں ڈال دیا تھا۔

۴۔ مشہور ادیب ابن سکیت جو متوکل کے ہاتھوں شہید ہوئے و ....

۴۔ زیارتِ جامعہ

امام ہادی علیہ السلام کی باقی رہ جانیوالی یادگاریں سے ایک چیز "زیارت جامعہ" ہے "موسیٰ ابن عبد اللہ نخعی" نامی ایک شیعہ کی درخواست پر آپ نے ان کو یہ زیارت تعلیم فرمائی تھی۔ ولایت اور معرفتِ امام کے سلسلہ میں شیعوں کے حیات بخش معارف میں سے ایک دریا اس میں موجیں مار رہا ہے۔ اور مرحوم شیخ صدوق علیہ الرحمۃ، جیسے بزرگ عالم نے "من لا یحضرہ الفقیہ" اور عیون اخبار الرضا میں، مرحوم "شیخ طوسی" قدس سرہ "نے تہذیب الاحکام میں اس زیارت کو نقل کیا ہے اور اب تک اس کی مختلف شرحیں لکھی جا چکی ہیں۔

۲۔ دوسرا موقف

اس موقف کی وضاحت کے لئے بھی ہم چند موارد کو بطور نمونہ ذکر کریں گے۔

---

[۱] تنقیح المقال جلد ۱/ ۳۲۹

۱۔ شیعوں کی حمایت اور پشت پناہی

اس سلسلہ میں امام کی کوشش یہ تھی کہ اپنے دوستوں کی معنوی اور اقتصادی مشکلات حمایت و مدد کریں، چنانچہ مختلف علاقوں سے جو پیسے خمس، زکوٰۃ اور خراج کے پہونچا کرتے تھے امامؑ ان لوگوں کو دے دیتے تھے تاکہ وہ لوگ اسے عمومی مصالح اور لازمی ضرورتوں میں صرف کریں۔

اصحاب میں سے تین افراد کے درمیان نوّے ہزار دینار دیئے جانے کا واقعہ ہم گزشتہ صفحات میں بیان کر چکے ہیں جو اس حقیقت پر واضح دلیل ہے۔

مذکورہ رقم کا دیا جانا ایسا حیرت انگیز ہے کہ ابن شہر آشوب اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ اتنی بڑی رقم کا خرچ کرنا صرف بادشاہوں کے بس کا ہے اور اب تک سنا نہیں گیا کہ کسی نے ایسی بخشش کی ہو۔

جو قرائن اس روایت میں نظر آتے ہیں وہ اس احتمال کی نفی کرتے ہیں کہ امام نے یہ سارے پیسے اپنے اصحاب کے ذاتی مصارف کے لئے دیئے ہوں۔

رقم کی زیادتی ان میں سے دو افراد کو بغیر درخواست اور بغیر کسی ضرورت کے اتنی بڑی رقم دیا جانا۔ یہ ہمارے دعوی کے گواہ بن سکتے ہیں۔

۲۔ اصحاب کو حکومت کے شیاطین کے پھندے میں پھنسنے سے روکنا اور ان کی ہدایت کرنا۔

اپنے بھائی کو متوکل کی بزم شراب سے امامؑ کا روکنا امام کے اس موقف کا بڑا واضح نمونہ ہے[1]

---

[1] اس واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ: جب متوکل امام ہادی پر دست رسی حاصل نہ کر سکا اور آنحضرت کو مجلسِ لہو لعب اور عیش و عشرت میں نہ کھینچ سکا تو کچھ لوگوں کی پیشکش پر اس نے آپ کے بھائی موسیٰ کو

۳- اپنے پیرووں سے مسلسل تحریری رابطہ رکھنا اور ان کو ضروری ہدایات دیتے رہنا ـــ نمونہ ملاحظہ فرمائیں:

محمد ابن فرج رخجی کو آنے والے ایک خطرہ سے آگاہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ: "یامحمد اجمع امرك وخذ حذرك" اپنے کاموں کو سمیٹ لو اور ہوشیار رہو ـ محمد فرماتے ہیں کہ میں نے امام کا مطلب نہیں سمجھا یہاں تک کہ خلیفہ کے معین کردہ آدمی آگئے اور انہوں نے گرفتار کرنے اور بہت زیادہ مارنے پیٹنے کے بعد مجھ کو قید میں ڈال دیا اور میں آٹھ سال تک قید میں رہا۔[۱] اگر محمد ابن حرج امام کا مطلب سمجھ گئے ہوتے تو شاید اس خطرہ سے نکل جاتے۔

شہادت امامؑ

تمام پریشانیوں اور محدودیتوں کے باوجود امام علیہ السلام بنی عباس کے ظالموں سے

ـــ گذشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ

اپنی محفل میں دعوت دینے کا ارادہ کیا۔ اور یہ دکھا کر کہ ابن رضا اس کے دسترخوان پر بیٹھے ہیں امام ہادی کی شخصیت اور حیثیت کو داغدار بنانا چاہا۔ موسی اس کی دعوت پر سامرا پہونچے اور تمام چیزیں پہلے سے فراہم تھیں جو لوگ پہلے سے تیار بیٹھے تھے وہ آداب ان کے استقبال کو پہونچے امام بھی ان کے ساتھ وہاں گئے اور پہلی ملاقات میں انہوں نے اپنے بھائی کو متوکل کے خیانت آمیز نقشہ میں پھنستے ہوئے دیکھ کر ان کو اس کے جلسہ میں شرکت کرنے سے روکا لیکن موسیٰ نے امام کی نصیحتوں کا اثر نہیں لیا امام نے جب یہ محسوس کر لیا تو آپ نے نہایت یقینی لہجہ میں کہا: تم کو متوکل کی بزم میں شرکت کرنے کا موقع ہی نہیں ملے گا۔ آخر کار وہی ہوا جسکی پیشین گوئی امامؑ نے کی تھی۔ ارشاد مفید/۳۲۲-۳۳۱۔ مناقب جلد ۴/۴۱۰-۴۱۹ بحار ۵۰/۱۵۶

[۱] اعلام الوری/۳۵۸، مناقب جلد ۴/۴۱۴، بحار ج ۵۰/۱۴۰

معمولی سمجھوتہ پر بھی راضی نہیں تھے اور یہ بات طبیعی ہے کہ امام کی الٰہی شخصیت ان کی اجتماعی حیثیت اور خلفاء کے ساتھ ان کا منفی رویہ ان لوگوں کے لئے خوف و ہراس پیدا کرنے والا اور ناگوار تھا۔ اس وجہ سے آپ کے حق میں تمام مظالم کرنے یہاں تک کہ زندان میں ڈال دینے کے بعد بھی خوف و ہراس سے محفوظ نہ تھے، اور ان کے پاس کوئی راہ چارہ نہ تھی کہ وہ نورِ خدا کو خاموش کردیں اور آپ کو قتل کردیں۔

چنانچہ تیسری رجب ۲۵۴ھ میں ۴۲ سال کی عمر میں معتز کی خلافت کے زمانہ میں آپکو زہر دیا گیا اور سامرا میں آپ اپنے ہی گھر میں سپردِ لحد کئے گئے۔[1]

---

[1] اعلام الوریٰ / ۳۵۵، ارشاد مفید / ۳۳۴، مناقب جلد ۴ / ۴۰۱، بحار جلد ۵۰ / ۱۱۴ - ۱۱۷

سوالات

(۱) امام ہادی کس مقام پر کس تاریخ کو پیدا ہوئے، آپ کے والد اور والدہ کا نام لکھئے ؟

(۲) دسویں امام نے کس تاریخ اور کس سن میں امامت کے عہدہ کی ذمہ داری سنبھالی آپ کی امامت کی مدت کتنی ہے ؟ آپ کے معاصر خلفاء کا نام بتائیے؟

(۳) دسویں امام کی امامت کے زمانہ کی خصوصیت کو مختصر طور پر بیان کیجئے ؟

(۴) متوکل کا امام ہادی کے ساتھ کیسا سلوک تھا۔ اس نے امام کو کس وجہ سے سامرا بلوایا ؟

(۵) کیا مدینہ میں امام کی سیاسی اجتماعی فعالیت پر دلیلیں موجود ہیں ؟

(۶) سامرا میں امام ہادی کی فعالیت اور ان کے موقف کو اختصار سے بیان فرمائیے ؟

(۷) امام کی شہادت کس تاریخ کو اور کیسے ہوئی؟

(۸) شہادت کے وقت دسویں امام کی کیا عمر تھی ؟

سبق ۱۴

امام حسن عسکری علیہ السلام کی سوانح عمری

ولادت

شیعوں کے گیارہویں امام ۱۰ ربیع الثانی ۲۳۲ھ کو مدینہ میں پیدا ہوئے[۱]۔ آپ کا نام حسن، کنیت ابو محمد اور سب سے زیادہ مشہور لقب عسکری تھا۔ آپ کے والد بزرگوار امام ہادی علیہ السلام اور مادرِ گرامی "حدیث" تھیں[۲]۔

امامت کی تعیین

بارہویں امام تک تمام ائمہ کا عام روایتیں تعارف کراتی ہیں ان کے علاوہ امام ہادی علیہ السلام نے ہر طرح کے ابہام کو دور کرتے اور تاکید کے لئے اپنے فرزندِ ارجمند امام حسنؑ کا

---

[۱] بحار جلد ۵۰/۲۳۶، منقول از مصباح کفعمی و اقبال الاعمال، آپ کی ولادت کی تاریخ کے بارے میں دوسرے اقوال بھی ہیں منجملہ ان کے ۸ ربیع الآخر ۲۳۲ھ (مناقب جلد ۴/۴۲۲) اعلام الوری / ۳۶۷) ربیع الاول ۲۳۰ھ وغیرہ۔

[۲] بحار جلد ۵۰/۲۳۶ "حدیثہ" بھی لکھا گیا ہے نیز "سوسن" کہا گیا ہے۔

تعارف اپنے شیعوں کے درمیان امام اور پیشوا کی حیثیت سے کرایا۔ ان میں سے کچھ تصریحات کی طرف یہاں اشارہ کیا جارہا ہے۔

۱۔ "ابو ھاشم جعفری" امام ہادی علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: میرے جانشین میرے بیٹے حسنؑ ہیں، میرے جانشین کے ساتھ کس طرح رہو گے؟ میں نے عرض کیا کہ کیسے رہنا چاہئے، میں آپ پر نثار ہو جاؤں؟

آپ نے فرمایا: جب کوئی شخص ان کو نہ دیکھے تو اس کے لئے درست نہیں ہے کہ انکے نام کا ذکر کرے۔

میں نے پوچھا: پھر ان کو ہم لوگ کیسے پکاریں گے؟ آپ نے فرمایا: تم کہنا الحجۃ من آل محمدؐ[۱]"

۲۔ "صقر بن دلف" کہتے ہیں کہ میں نے امام ہادی کو فرماتے ہوئے سنا کہ: بیشک میرے بعد میرا بیٹا "حسن" امام ہے اور ان کے بعد ان کے بیٹے "قائمؑ" ہوں گے یہ وہ ہیں جو زمین کو ظلم وجور سے پر ہونے کے بعد عدل وانصاف سے بھردیں گے۔[۲]

۳۔ "یحیٰی بن یسار قنبری" نقل کرتے ہیں کہ امام ہادی نے اپنی رحلت سے چار مہینہ پہلے اپنے بیٹے امام حسنؑ سے وصیت کی اور ان کی امامت وخلافت کی طرف اشارہ فرمایا مجھ کو اور کچھ دوستوں کو اس پر گواہ قرار دیا۔[۳]

---

[۱] ارشاد مفید/۳۳۸، بحار ۵۰/۲۴۰، منقول از کمال الدین صدوق اور غیبت شیخ، اعلام الوریٰ/۳۷۰
کافی جلد ۱/۳۲۸، کشف الغمہ جلد ۲/۴۰۶

[۲] بحار جلد ۵۰/۲۳۹ منقول از کمال الدین صدوق

[۳] بحار جلد ۵۰/۲۴۶، اعلام الوریٰ/۳۷۰، کافی جلد ۱/۳۲۵، ارشاد/۳۳۵، غیبت شیخ/۱۲۰،
کشف الغمہ جلد ۲/۴۰۴، فصول المہمۃ/۲۸۴، ارشاد وغیبت شیخ راوی کا نام یحیٰی بن یسار عنبری لکھا ہے۔

والد بزرگوار کے ساتھ

امام حسن عسکری علیہ السلام نے اپنی عمر کے ۲۲ سال اپنے پدر بزرگوار کے دامن تربیت میں گذارے، دو سال کی عمر میں اپنے پدر عالیقدر کے ساتھ سامرا تشریف لے گئے اور بیس سال کی اس تمام مدت میں جب آپ امام ہادی علیہ السلام کی خدمت میں تھے، خلفاء بنی عباس نے آپ کے کردار اور روابط کی نگرانی کی، بنی عباس کے حکمرانوں خصوصاً متوکل کی خاندان علی اور خاص کر آپ کے والد امام ہادی کے ساتھ برتے جانے والے مظالم اور کینہ توزی کو امام حسن عسکری علیہ السلام نے بہت قریب سے مشاہدہ فرمایا۔

امام حسن عسکری علیہ السلام اس طویل مدت میں اپنے والد کے مددگار، ان کے موقف کے پشت پناہ رہے۔ لیکن "عسکریین" علیہما السلام کو خلفاء بنی عباس نے چونکہ حد سے زیادہ محدود کر دیا تھا اس لئے ان دونوں بزرگواروں کی سیاسی اور مبارزاتی زندگی ابہام کے ہالہ میں گم ہو گئی اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ تاریخ امام حسن عسکری علیہ السلام کی کوششوں اور ان کے موقف کے بارے میں خاموش ہے۔

اخلاقی خصوصیات و عظمت

امام حسن عسکری علیہ السلام معنوی فضل و کمالات میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اپنے تمام اسلاف کے مکمل آئینہ دار تھے چنانچہ ہر دوست و دشمن آپ کی اخلاقی عظمت و خصوصیات کا معترف تھا۔

حسن ابن محمد اشعری، محمد بن یحییٰ اور کچھ دوسرے لوگوں نے نقل کیا ہے کہ ایک دن احمد ابن عبد اللہ خاقان[1] ــــ قم کی زمینوں اور خراج کا نگراں ــــ کی نشست میں علویوں اور ان کے عقائد کا تذکرہ چل رہا تھا۔ احمد ابن عبد اللہ نے ــــ جو اہل بیت علیہم السلام کے سخت

---

[1] احمد کا باپ "عبد اللہ ابن خاقان" حکومت بنی عباس کے وزیروں اور نمایاں لوگوں میں سے تھا۔

ترین دشمنوں اور ناصبیوں میں سے تھا ــــ کہا "کردار، وقار، عفت، نجابت، فضیلت اور عظمت میں، میں نے اپنے خاندان اور بنی ہاشم میں حسن بن علی جیسا علویوں میں سے کسی کو نہیں دیکھا، ان کا خاندان ان کو سن رسیدہ اور محترم شخصیتوں پر مقدم رکھتا تھا اور لشکر کے سربرآوردہ افراد، وزراء اور دیگر افراد کے نزدیک بھی ان کی یہی حالت ....."

اس کے بعد وہ اپنے باپ سے امام حسن عسکری کی ملاقات کا واقعہ ــــ جو اس کے باپ کے نزدیک آپ کی عظمت و بزرگی کا حاکی ہے ــــ بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

میرے باپ نے امام حسن عسکریؑ کے بارے میں مجھ سے کہا۔" اگر خلافت بنی عباس کے ہاتھ سے نکل جائے تو مقام خلافت کو بچانے کے لئے بنی ہاشم میں سے ان سے زیادہ کوئی مناسب نہیں ہے اور یہ بات ان کی فضیلت، عفت، زہد، عبادت اور نیک اخلاق کی بنا پر ہے۔ اگر تم نے ان کے والد کو دیکھا ہوتا تو تم کو ایک بزرگ اور با فضیلت انسان کی زیارت کا شرف حاصل ہوتا۔"[1]

امام حسن عسکریؑ کا زهد

"مفوضہ"[2] میں سے کچھ لوگوں نے "کامل بن ابراہیم مدنی" کو چند مسائل پوچھنے کے لئے امامؑ کی خدمت میں بھیجا ان کا بیان ہے کہ "جب میں آپ کی خدمت میں پہونچا تو میں نے دیکھا کہ سفید اور لطیف لباس آپ کے جسم پر ہے میں نے اپنے دل میں کہا کہ ولی اور حجت خدا نرم اور لطیف لباس پہنتے ہیں اور ہم کو دوسرے بھائیوں کے ساتھ ہمدردی کا حکم دیتے ہیں اور ایسے لباس پہننے سے روکتے ہیں۔

---

[1] ارشاد مفید ۳۳۹ - ۳۳۸، اعلام الوریٰ / ۳۷۷ - ۳۷۶، کافی جلد ۱ / ۵۰۳، کشف الغمہ جلد ۳ / ۱۹۷، بحار جلد ۵۰ / ۳۲۶ - ۳۲۵، کمال الدین صدوق جلد ۱ / ۴۲ - ۴۰ مطبوعہ جامعۂ مدرسین۔

[2] مفوضہ ان لوگوں کو کہتے ہیں جو بندوں کے افعال کے بارے میں ارادۂ الٰہی کو بے اثر مانتے ہیں ان کے مقابل والے فرقہ کو جبریہ کہتے ہیں۔

امام مسکرائے پھر اپنی آستین چڑھائی، میں نے دیکھا کہ کھردرا اور کالا لباس (اس لباس کے نیچے) پہنے ہوئے ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا: "هٰذا لله و هٰذا لکم" یہ — کھردرا لباس۔ خدا کے لئے اور یہ نرم و سفید لباس جو میں نے اس کے اوپر پہن رکھا ہے۔ تمہارے لئے ہے[1]

عبادت اور بندگی

اپنے والد بزرگوار کی طرح امام حسن عسکری علیہ السلام بھی خدا کی عبادت اور بندگی کا نمونہ تھے۔

"محمد شاکری" نقل کرتے ہیں کہ امام کا طریقہ یہ تھا کہ محراب عبادت میں بیٹھ جاتے اور سجدہ میں چلے جاتے، میں سو جاتا تھا اور پھر جب بیدار ہوتا تھا تو دیکھتا تھا کہ امام اسی طرح سجدہ کی حالت میں ہیں[2]۔

جب امام قیدخانہ میں تھے اس زمانہ میں بعض عباسیوں نے "صالح ابن وصیف" — داروغۂ زندان — کو سمجھایا کہ ان کے ساتھ سختی کرو۔ اس نے اپنے آدمیوں میں سے دو نہایت شریر افراد کو اس کام کے لئے معین کیا لیکن وہ دونوں حضرت کے ساتھ رہ کر بدل گئے اور عبادت و نماز میں بلند مقام پر پہونچ گئے۔ داروغۂ زندان نے ان کو بلایا اور کہا "تم پر وائے ہو تم اس شخص کے لئے ایسے بن گئے؟

انہوں نے کہا "ہم اس شخص کے بارے میں کیا کہیں جو دن کو روزہ رکھتا ہے، پوری رات عبادت کے لئے کھڑا رہتا ہے کسی سے بات نہیں کرتا، سوائے عبادت کے اس کو دوسرا کوئی کام نہیں ہے۔ جب وہ ہم کو دیکھتا ہے تو ہمارا جسم لرزنے لگتا ہے اور ہم اپنا

---

[1] بحار جلد ۵۰/۲۵۳ منقول از غیبت شیخ ائمتنا جلد ۲/۲۷۱ منقول از اثبات الهداۃ

[2] سفینۃ البحار ج ۱/۲۶۰ - ائمتنا جلد ۲/۲۶۹

توازن کھو بیٹھتے ہیں۔[1]

جود و کرم

"علی ابن ابراہیم بن موسیٰ ابن جعفر" فرماتے ہیں کہ ایک زمانہ میں، میں تہی دست ہوگیا تھا۔ میں نے اپنے بیٹے "محمد" سے کہا اس شخص کے پاس (امام حسن عسکری) چلا جائے جو، جود و کرم میں مشہور ہے۔

اور جب میں امام کی خدمت میں پہونچا تو انہوں نے مجھ کو آٹھ سو درہم عطا فرمائے۔[2]

"ابو ہاشم جعفری" نقل کرتے ہیں کہ میں بہت تنگ دستی میں مبتلا تھا۔ میں نے امام حسن عسکری سے مدد طلب کرنے کا ارادہ کیا لیکن مجھے بہت شرم آئی جب میں گھر لوٹا تو امام نے ایک خط کے ساتھ سو دینار میرے لئے بھجوائے۔ خط میں لکھا تھا۔ جب تم کو ضرورت ہو بغیر شرمائے ہوئے مجھ سے مدد مانگ لینا انشاء اللہ جو مانگو گے ملے گا۔[3]

زمانۂ امامت

اپنے والدِ گرامی کے بعد امام حسن عسکری علیہ السلام نے ۲۵۴ھ میں منصبِ امامت کو سنبھالا آپ اپنی امامت کے قلیل دور ــ چھ سال ــ میں خلفائے بنی عباس میں سے تین خلفاء معتز (ایک سال) مہتدی (ایک سال) اور معتمد (چار سال) کے ہمعصر رہے۔

---

[1] بحار جلد ۵۰/ ۲۰۸، اعیان الشیعہ جلد ۲/ ۴۱، کافی جلد ۱/ ۵۱۲، اعلام الوریٰ/ ۳۷۹، کشف الغمہ جلد ۱۲/ ۴۱۴ مطبوعہ تبریز۔ مناقب جلد ۴/ ۴۲۹، ارشاد/ ۳۴۴

[2] اعیان الشیعہ جلد ۲/ ۴۰ کافی جلد ۱/ ۵۰۶، ارشاد/ ۳۴۱، بحار جلد ۵۰/ ۲۷۸، مناقب جلد ۴/ ۴۳۹/ ۴۳۷، کشف الغمہ جلد ۳/ ۲۰۰ (تین جلدوں والی مطبوعہ بیروت) [3] اعلام الوریٰ/ ۳۷۲، مناقب ج ۴/ ۴۳۹، بحار ج ۵۰/ ۲۷۶

امام کے بارے میں خلفاء کی سیاست

آپ کے زمانہ کے تینوں خلفاء کی سیاست وہی گندی سیاست تھی جو پہلے خلفاء آپ کے بزرگوں کے ساتھ چل چکے تھے۔ سیاست مامون کے زمانہ کے بعد اور بھی زیادہ تندید اور تکلیف دہ ہوگئی جیساکہ دیکھتے ہیں کہ تین اماموں یعنی امام جواد ۲۵ سال، امام ہادی ۴۱ سال، امام حسن عسکریؑ ۲۸ سال، کی مجموعی زندگی ۹۴ سال سے آگے نہیں بڑھتی۔

ان اماموں کے ہم عصر خلفاء کا رویہ اس بات کی حکایت کرتا ہے کہ وہ ائمہ کی کوششوں اور مبارزات سے بے حد خائف تھے اور انہوں نے انسانی معاشرہ کی ان روشن مشعلوں کو اسی وجہ سے محدود کردیا تھا اور ان کے اوپر کڑی نظر رکھے ہوئے تھے۔

اس درمیان امام حسن عسکری علیہ السلام دوسرے دونوں ائمہ کی بہ نسبت زیادہ نظر بندی اور نگرانی میں تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ:

۱۔ امام حسن عسکریؑ کے زمانہ میں اہل بیت کے پیرو ایک عظیم اور قابلِ توجہ طاقت کی صورت میں ابھر کر سامنے آئے تھے، وہ لوگ مسلسل قیام کرنے اور "رضائے آلِ محمدؐ" کا نعرہ لگانے کی بنا پر عوام الناس کے خیالات کو خاندانِ رسالت کی طرف مبذول کررہے تھے۔ اور خاندانِ رسالت کی ممتاز شخصیت امام حسن عسکری علیہ السلام تھے

معتز کے زمانہ میں، علویوں اور دودمانِ جعفر طیار و عقیل میں سے ستّر سے زیادہ ایسے افراد کو قید کرکے سامرا لایا گیا جنہوں نے حجاز میں قیام کیا تھا۔[1]

۲۔ متواتر اخبار و روایات کے ذریعہ ان لوگوں کو معلوم تھا کہ مہدی موعود — جو تمام باطل اور خود ساختہ حکومتوں کی بنیاد کو ختم کردیں گے — وہ نسل امام حسن عسکریؑ سے ہوں گے۔

---

[1] مروج الذہب جلد ۴/۹۱

خود امام حسن عسکریؑ کے بارے میں خلیفہ نے قتل کا ارادہ کیا اور "سعید حاجب" کو حکم دیا کہ امام کو کوفہ لے جائے اور لوگوں کی نظروں سے دور، راستہ میں قتل کر دے لیکن امام نے اپنے ایک ایسے صحابی کے خط کے جواب میں ایسی خبر سن کر تشویش میں پڑ گئے تھے لکھا کہ "تین دن کے بعد کشائش ہو جائے گی۔"[1]

اور تین دن کے بعد دربارِ عباسی کے ترکوں نے — جنہوں نے معتز کو اپنے لئے نفع بخش نہیں پایا، حملہ کر کے خلافت سے ہٹا کر ایک تہہ خانہ میں قید کر دیا اور وہ وہیں مر گیا۔[2]

معتز کے بعد ۲۵۵ھ میں مھتدی مسندِ خلافت پر پہونچا اس کی روش — جیسا کہ تاریخ بیان کرتی ہے — خلفائے بنی عباس کے درمیان ایسی تھی کہ خلفاء بنی امیہ کے درمیان جیسی روش، عمر بن عبد العزیز کی تھی۔ اس نے لوگوں کی فریاد رسی کے لئے "قبة المظالم" نام کا خیمہ نصب کیا وہ وہاں بیٹھ جاتا تھا اور لوگوں کے مشکلات کو حل کیا کرتا تھا۔ اسی طرح اس نے شراب کو حرام قرار دیا اور گانے بجانے سے گریز کیا۔[3]

لیکن یہ ظاہری اور منافقانہ باتیں تھیں اور اس میں محض سیاسی غرض پوشیدہ تھی امام حسن عسکریؑ کے ساتھ اس کا سخت رویہ اس بات کی بہترین دلیل ہے، امام کو مدتوں قید میں رکھا یہاں تک کہ اس نے آپ کے قتل کا ارادہ کیا لیکن اس کو اجل نے موقع نہیں دیا اور وہ ہلاک ہو گیا۔[4]

مھتدی اگرچہ حق و عدالت کی طرفداری ظاہر کرتا تھا لیکن جو حق وہ چاہتا تھا وہ اسلامی

---

[1] "بعد ثالث یاتیکم الفرج" بحار ج ۵۰/۲۵۱ بہ نقل از غیبت شیخ ۱۲۲، کشف الغمہ ج ۳/۲۰۶ - ۲۹۵ فصول المہمہ/۲۸۵

[2] مروج الذہب ج ۴/۹۲

[3] ملاحظہ فرمایئے مروج الذہب ج ۴/۹۶ و کامل ابن اثیر ج ۷/۲۳۵ - ۲۳۳

[4] بحار ج ۵۰/۲۱۳ "وکان المہتدی قد صحح العزم علی قتل ابی محمد فشغلہ اللہ بنفسہ حتی قتل"

اصولوں پر منطبق نہیں ہوتا تھا اسی وجہ سے اس کی روش عمومی تنفر اور ملامت کا نشانہ قرار پائی۔

امام اور ان کے پیرو دونوں ہی اسلام کے نگہبان اور سماجی حق و انصاف قائم کرنے والے تھے۔

امام کی نظر میں معاشرہ کی بنیادی مشکل یہ نہیں تھی کہ مہتدی قابض تھا، بلکہ بنیادی مشکل یہ تھی کہ رہبری اپنی اصلی روش سے منحرف ہو گئی تھی اور لوگ اسلامی تعلیم و تربیت و ثقافت سے دور ہو گئے تھے۔

جو درباری اور دربارِ خلافت سے وابستہ افراد لہو لعب اور عیاشی سے انس پیدا کر چکے تھے ان کے لئے بھی مہتدی کا رویہ بڑا گراں تھا۔

ان دونوں باتوں کی وجہ سے اس کی خلافت گیارہ مہینہ سے زیادہ نہ چل سکی اور آخرکار ترکوں کی شورش سے وہ قتل کر دیا گیا۔ اور اس کی جگہ "معتمد" خلیفہ بنا[1]۔

معتمد کا بھی اپنے اسلاف کی طرح سوائے ستمگری اور عیاشی کے اور کوئی کام نہ تھا۔ وہ اپنا زیادہ تر وقت عیاشی میں گذارتا تھا - یہاں تک کہ اس کا بھائی "موفق" رفتہ رفتہ سارے امور پر مسلط ہو گیا۔ اور اس نے سارے امور اپنے ہاتھوں میں لے لئے[2]۔

اس کی حکومت کے زمانے میں علویوں کا ایک گروہ نہایت بے دردی سے شہید کر دیا گیا اس کی خلافت کے زمانہ میں جنگ و فساد بہت تھا۔ اتنا خون خرابہ کہ مسلمانوں کے جانی نقصان کی تعداد مورخین نے ۱۵ لاکھ افراد لکھی ہے[3]۔

معتمد نے امام حسن عسکری علیہ السلام کو قیدخانہ میں ڈال دیا اور داروغۂ زندان سے ہمیشہ

---

[1] تاریخ الخلفاء / ۳۶۳، مروج الذہب جلد ۴ / ۹۹

[2] مروج الذہب جلد ۴ / ۳۶۳ - ۳۶۵ - ۳۶۷

[3] مروج الذہب جلد ۴ / ۳۶۴

آپ کے بارے میں پوچھا کرتا تھا اور وہ ہمیشہ یہی رپورٹ دیتا تھا کہ دن میں روزہ رکھتے ہیں راتوں کو نماز و عبادت میں گذارتے ہیں[1]

شورشیں اور انقلابات

علویوں اور غیر علویوں کی شورشوں اور انقلابات کا سلسلہ امام حسن عسکریؑ کی امامت کے زمانہ میں بھی جاری تھا ان میں سے نمونہ کے طور پر کچھ انقلابات کا ذکر کر رہا ہوں۔

۱۔ "ابراھیم بن محمد علوی" کی تحریک جو "ابن الصوفی" کے نام سے مشہور تھے۔ انہوں نے ۲۵۶ھ میں مصر میں قیام کیا اور شہر "اسنا" پر قبضہ کر لیا۔ "احمد ابن طولون" کے سپاہیوں کو شکست دیدی لیکن دوسری بار اس کے لشکر سے شکست کھا گئے۔ اور بہت نقصان اٹھانے کے بعد بھاگ کر روپوش ہو گئے۔ پھر ۲۵۹ھ میں دوبارہ قیام کیا اور لوگوں کو اپنے گرد جمع کیا۔ نتیجۃً مکہ پہونچنے کے بعد اس شہر کے حاکم کے ذریعہ گرفتار ہوئے اور ابن طولون کے پاس بھیجے گئے۔ پھر قید کر دیئے گئے زندان سے رہائی کے بعد مدینہ لوٹے اور وہیں انتقال کیا[2]

۲۔ "علی ابن زید علوی" کی تحریک: آپ نے ۲۵۴ھ میں کوفہ میں قیام کیا اور شہر پر قبضہ کر کے حکومت کے نمائندہ کو شہر سے نکال دیا۔ خلیفہ کا لشکر متعدد بار ان سے لڑا آخر کار ۲۵۷ھ میں آپ قتل کر دیئے گئے[3]

۳۔ "عیسی ابن جعفر علوی" کی تحریک: انہوں نے "علی ابن زید" کے ساتھ کوفہ میں قیام کیا "معتز" نے ان سے جنگ کے لئے ایک لشکر بھیجا اور ان کو شکست دے دی۔

---

[1] انوار البہیہ/۲۸۶ [2] کامل ابن اثیر جلد ۷/۲۳۸ - ۲۶۳ - ۲۶۴

[3] مروج الذہب جلد ۴/۹۴

مسعودی نے ۲۵۵ھ میں ان کے قیام کا ذکر کیا ہے[1]

۴۔ "صاحب زنج" کی شورش: ۲۵۵ھ میں اس نے قیام کیا۔ اس کی شورش میں ہزاروں آدمی مارے گئے۔ لوگوں کی عزت و ناموس پر اس کے سپاہیوں نے حملہ کیا۔ دسیوں شہر میں آگ لگادی گئی اس نے اپنے کو "علی ابن محمد" اور علوی بتایا وہ اپنا سلسلہ نسب "علی ابن الحسینؑ" تک پہونچاتا تھا جبکہ وہ جھوٹا تھا۔ بلکہ اس کا سلسلہ نسب "عبد قیس" تک پہونچتا تھا اور اس کی ماں "بنی اسد ابن حزیمہ" سے تھی[2]

صاحب زنج کا نعرہ غلاموں اور مزدوروں کی حمایت کا نعرہ تھا اسی وجہ سے اس کو صاحب زنج کہتے تھے۔

اس کی شورش پندرہ سال تک چلتی رہی ۲۷۰ھ میں قتل کر دیا گیا[2]

۵۔ خوارج کی شورش: ۲۵۲ھ سے "مساور بن عبد الحمید" کی رہبری میں خوارج کی شورش شروع ہوئی اور ۲۶۳ھ تک اس کے انتقال کے بعد بھی چلتی رہی۔ مساور نے تھوڑے دنوں میں عراق کے بہت سے شہروں پر قبضہ کرلیا اور اس نے خلیفہ کو خراج اور ٹیکس بھیجنے سے انکار کر دیا اور تمام معرکوں میں اس نے خلیفہ کے سپاہیوں پر غلبہ حاصل کیا۔[4]

۶۔ "یعقوب لیث صفاری" کا قیام: ۲۶۲ھ میں خراسان کے بہت سے لوگوں کے ساتھ انہوں نے قیام کیا اور بہت سی زمینوں پر تسلط حاصل کر لیا[5]

---

[1] مروج الذہب جلد ۴/ ۹۴ — [2] کامل ابن اثیر جلد ۷/ ۲۰۶ - ۲۰۵

[3] مروج الذہب جلد ۴/ ۱۰۸، کامل ابن اثیر جلد ۷/ ۲۵۵ - ۲۰۶

[4] کامل ابن اثیر جلد ۷/ ۱۷۴

[5] مروج الذہب جلد ۴/ ۱۱۲

امام حسن عسکری علیہ السلام کی کوششیں اور موقف

حوادث کے مقابلہ میں امام کے اقدامات اور ان کی روش کو چار حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

الف۔ سیاسی واقعات کے سلسلہ میں امام کا موقف

اپنے پدر بزرگوار کی طرح حسن عسکری علیہ السلام نے بھی اس سلسلہ میں بڑا محتاط رویہ رکھا حکومت کے مقابل میں امام کے منفی رویہ نے ان کے احترام اور قدر و منزلت کا موقع فراہم کیا۔ ایسی منزلت جس کو نزدیک ترین درباریوں نے بھی سمجھ لیا تھا۔ اس طرح کہ "عبیداللہ ابن خاقان" سے امامؑ کی ملاقات والے واقعہ سے وہ محض اس بات کی جانب متوجہ ہوگیا تھا کہ "موفق" ــ طلحہ ابن متوکل ــ یہ چاہتا ہے کہ ان کے پاس آئے تو اس نے امام کو سمجھایا اور عرض کیا کہ آپ جب چاہیں تشریف لے جائیں، چونکہ وہ جانتا تھا کہ موفق سے امام کی ملاقات میں اس کے لئے بھی خطرہ ہے اور امام کے لئے بھی۔[1]

بہت سے اہم حادثات جو آپ کی امامت کے زمانہ میں دربار خلافت کو پیش آئے اور آپ نے ان میں سکوت اختیار کیا۔ ان میں سے شورش "صاحب زنج" کا نام لیا جاسکتا ہے امام کے موقف سے واقفیت کے لئے ضروری ہے کہ واقعہ پر تین پہلوؤں سے غور کیا جائے۔

---

[1] اس وزیر کے سلسلہ میں جو تاریخ سے استفادہ ہوتا ہے اور جو کچھ خود اس کی باتوں سے آشکار ہوتا ہے وہ امامؑ کا احترام کرتا تھا اور آپ کی منزلت اور عظمت کا قائل تھا۔ شاید اسی وجہ سے امام اس کے دیدار کیلئے تشریف لے گئے تھے تاکہ اس کی اس کیفیت کو اور قوی بنایا جاسکے۔

۱۔ صاحب زنج کا دعویٰ کہ اس کا سلسلۂ نسب امیر المؤمنین علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔

۲۔ اسلامی قدروں اور اس کے قوانین کے خلاف اس کا قیام۔

۳۔ حکومت بنی عباس کے خلاف اس کا قیام۔

پہلی بات کے بارے میں امام نے نہایت واضح انداز اپنایا۔ آپ نے فرمایا: صاحب الزنج لیس منا اهل البیت[1] " صاحب زنج ہمارے خاندان سے نہیں ہے۔

دوسرے پہلو کے بارے میں امام کا موقف بڑا واضح ہے۔ جن جرائم کا ارتکاب صاحب زنج کر رہا تھا آپ قطعی طور پر اس سے متنفر تھے۔ کیونکہ اس کے سارے کام عدل اسلامی اور پیغمبرؐ کی وسیع تعلیمات کے خلاف تھے اور یہ بات ہر ایک پر روشن تھی اور اس سلسلہ میں امام کے سکوت کی شاید یہی وجہ تھی کہ سب لوگ جانتے ہی ہیں۔

لیکن تیسری بات کے سلسلہ میں امام نے کوئی خاص موقف اختیار نہیں فرمایا اور ایسا سلوک کیا کہ ان کے اقدام کو حکومت کی ضمنی تائید نہ شمار کیا جائے۔ اگرچہ صاحب زنج کی شورش میں ضعف اور بہت زیادہ انحراف موجود تھا لیکن سیاسی نکتۂ نظر سے یہ شورش بنی عباس کی حکومت کو کمزور کرنے اور ان کی طاقت اور نفوذ کو ختم کرنے کے لئے تھی، اس کے ساتھ ساتھ صاحب زنج سے حکومت وقت کا ٹکراؤ، امام اور ان کے پیروؤں کے فائدہ میں تھا اس لئے کہ خلافت کی مشنری کا دباؤ کچھ کم ہو گیا تھا۔

ب۔ علمی اور ثقافتی تحریک میں امامؑ کا موقف

اگرچہ امامؑ نے اپنی زندگی کا زمانہ حکومت کی نظر بندی میں گذارا لیکن اس کے باوجود علمی اور ثقافتی پہلوؤں میں بلند اور بیش قیمت قدم اٹھانے میں کامیاب رہے کچھ علماء نے اس

---

[1] مناقب ج ۴ ص ۴۲۹

بارے میں کیا ہے کہ "آپ سے نقل ہونے والے مختلف علوم و دانش نے کتابوں کے صفحات پر کر دیئے۔[1]

کفر آمیز افکار و تسبہات کی رد میں آپ کے استدلالی اور منطقی جوابات، مناظرے، علمی بحثیں، بیانات، علمی خطوط، تالیف کتاب[2] اور شاگردوں کی تربیت کے ذریعہ حق کو واضح کرنا، آپ کی علمی اور ثقافتی کوششوں کی آئینہ دار ہے۔ چونکہ ان تمام موارد کو ذکر کرنا ہمارے (موجودہ) کام کے دائرہ سے خارج ہے اس لئے ہم کچھ موارد کے ذکر پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔

۱۔ یعقوب ابن اسحاق کندی" عراق کے مشہور فلسفیوں میں سے تھا۔ اس نے تناقض قرآن کے موضوع پر کتاب لکھنے میں اپنا کافی وقت صرف کیا تھا۔ امام حسن عسکری علیہ السلام اس واقعہ سے مطلع ہوئے اور اس فلسفی کے شاگردوں میں سے ایک شاگرد کو ایک جملہ بتا کر اس کو اس کے عقیدہ سے منصرف اور اس بات پر آمادہ کیا کہ جو کچھ اس نے لکھا ہے اس کو اس کے عقیدہ سے منصرف اور اس بات پر آمادہ کیا کہ جو کچھ اس نے لکھا ہے اس کو جلا ڈالے۔

آپ نے اس کے شاگرد سے فرمایا کہ اس سے جاکر کہو کہ "کیا اس بات کا احتمال نہیں ہے، کہ تم نے جو کچھ سمجھا ہے، ان کلمات (قرآن) کے کہنے والے نے اس کے علاوہ کسی اور مطلب کا ارادہ کیا ہو"[3]

۲۔ "ابو حمزہ نصیر" نقل کرتے ہیں کہ میں نے امام کو بارہا روم، فارس اور دوسرے مختلف

---

[1] فقد روی عنه من انواع العلم ما ملأ بطون الدفاتر" اعیان الشیعہ جلد ۱/ ۴۰

[2] اس تفسیر کی طرف اشارہ ہے جو تفسیر حسن عسکریؑ کے نام سے مشہور ہے مرحوم علامہ مجلسی بحار الانوار میں فرماتے ہیں کہ "امام حسن عسکری کی طرف منسوب تفسیر مشہور کتابوں میں سے ہے اور مرحوم صدوق کے لئے مورد وثوق ہے ہر چند کہ کچھ محدثین نے امام کی طرف اس کی نسبت سے انکار کیا ہے لیکن صدوق کا قول ۔ چونکہ وہ امام کے زمانہ سے قریب تھے ۔ اس لئے معتبر ہے اعیان الشیعہ ج ۲/ ۴۱ (دہ جلدی چاپ بیروت)۔

[3] "....هل يجوز ان يكون مراده بما تكلم منه غير المعاني التى ظننتها انك ذهبت اليها" بحار ج ۵۰/ ۳۱۱، مناقب ۴/ ۴۲۴

نسل و زبان کے اپنے غلاموں سے ان کی زبان میں باتیں کرتے دیکھا مجھے تعجب ہوا اور میں نے اپنے دل میں کہا کہ امامؑ تو مدینہ میں پیدا ہوئے اور دوسرے افراد نیز ملتوں سے آپکا رابطہ نہیں رہا پھر یہ زبانیں آپ نے کہاں سے سیکھیں ؟!

امامؑ نے اس بات کی کوشش کی کہ اس طریقہ سے امامت کے حالات کو غلاموں کے لئے واضح کردیں اور ان کو یہ سمجھا دیں کہ امامؑ کو بھی پیغمبرؐ کی طرح اپنی طرف رجوع کرنے والوں کی زبان سے واقف ہونا چاہئے ورنہ وہ امامؑ نہیں ہے اور اس استدلال کے ساتھ کہ "خدا نے اپنی حجت "امامؑ" کو تمام مخلوقات سے جدا بنایا ہے ، علم و معرفت اور ہر چیز اسے عطا کی ہے اس وجہ سے وہ تمام نژاد اور حوادث روزگار کو جانتے ہیں اس کے علاوہ دوسری صورت میں حجت خدا اور دوسروں کے درمیان کوئی فرق نہیں رہ جائے گا۔[1]" وہ اپنی علمی قدرت کو خدا کی دی ہوئی قدرت جان کر اس کو اپنی امامت پر دلیل جانتے تھے ۔

ج ۔ عوامی مرکز کی نگرانی اس کی پشت پناہی اور تیاری

اپنے پیرودں کے بد چال چلن اور اعمال کی نگرانی کے ساتھ ساتھ امام علیہ السلام ان کو عباسیوں کے دلدل میں پھنسنے سے بچاتے اور ضروری مقامات پر معنوی و اقتصادی مسائل میں ان کی مدد فرماتے تھے ۔ نمونہ کے طور پر ملاحظہ ہو ۔

۱۔ معتز کے قتل سے بیس دن پہلے امامؑ نے اپنے ایک چاہنے والے کو لکھا : " الزم بیتک

---

[1] " ان اللہ تبارک و تعالیٰ بین حجتہ من سائر خلقہ واعطاہ معرفۃ کل شئی فھو یعرف اللغات والانساب والاجال والحوادث ولولا ذالک لم یکن بین الحجۃ والمحجوج فرق"۔ اعلام الوریٰ / ۳۵۶ ، مناقب جلد ۴ / ۴۲۸ ، کشف الغمہ جلد ۳ / ۲۰۲ ، ارشاد / ۳۴۳ ، بحار ج ۵۰ / ۲۶۸

حتی یحدث الحادث[1] "، اپنے گھر کے اندر بیٹھے رہو اور ہرگز باہر نہ نکلنا یہاں تک کہ کوئی حادثہ پیش آئے۔

۲۔ "محمد ابن علی سمری" آپ کے ایک صحابی اور آپ کے فرزند کے چوتھے نائب تھے آپ نے ان کو لکھا: "فتنۃ تظلکم فکونوا علیٰ اھبۃ[2] " ایک فتنہ ہے جو تمہارے اوپر سایہ ڈال رہا ہے اس بنا پر ضروری تیاری کئے رہو۔

۳۔ "ابو طاہر ابن بلبل" نے سفر حج میں علی ابن جعفر حمانی کو دیکھا کہ بہت زیادہ بخشش و عطا کر رہے ہیں واپسی پر ایک خط میں آپ نے امام حسن عسکری کو لکھا، امامؑ نے جواب میں تحریر فرمایا: "ہم نے خود ان کو (اس کام کے لئے) ایک لاکھ دینار دیئے ہیں اور جب ہم نے چاہا کہ ایک لاکھ دینار اور دے دیں تو انہوں نے قبول نہیں کیا ...[3] "

روایت یہ بیان کرتی ہے کہ " علی ابن جعفر " کی بخشش و عطا امام کی زیر نگرانی تھی اور آپ کو اس کی خبر تھی، اور عطا کی جانیوالی خطیر رقم (ایک لاکھ دینار) اس بات کی دلیل ہے کہ پیسے عمومی مصالح اور شیعوں کی ضرورتوں میں خرچ ہو رہے تھے۔

د۔ آپ کے فرزند حضرت مہدی (ع) کی غیبت کے بارے میں آپ کا موقف

چونکہ امام حسن عسکری علیہ السلام چاہتے تھے کہ خدا کی مشیت میں ان کے فرزند کی غیبت ہے۔

---

[1] کشف الغمہ جلد ۳/ ۲۰۰، کافی جلد ۱/ ۵۰۶، بحار جلد ۵۰/ ۲۷۷، مناقب ج ۴/ ۴۳۶، ارشاد/ ۳۴۰

[2] کشف الغمہ جلد ۳/ ۲۰۷، تاریخ الغیبۃ الصغریٰ تالیف محمد صدر/ ۱۹۹، بحار ج ۵۰/ ۲۹۸۔ امام کا یہ جملہ بھی معتز کے قتل کی طرف اشارہ ہے۔

[3] قد کنا امرنا له بمأة الف دینار، ثم امرنا له بمثلها فابی قبوله ابقاءً علینا..." بحار ج ۵۰/ ۳۰۶، اعیان الشیعہ جلد ۲/ ۴۱، ائمتنا جلد ۲/ ۲۷۳، مناقب ج ۴/ ۴۲۳۔ عبارت میں تھوڑے اختلاف کے ساتھ۔

اس لئے آپ غیبت کے مسئلہ کو اپنی حیات ہی میں حل کر دینے کی کوشش کر رہے تھے۔ اور اپنی امامت پر اعتقاد رکھنے والے معتقدین کے عمومی افکار کو ایسے اہم حادثہ کو قبول کرنے کے لئے آمادہ کر رہے تھے جس کی مثال ماضی میں نہیں تھی۔

البتہ وہ متواتر روایتیں جو پیغمبر اکرمؐ اور ائمہ معصومین علیہم السلام سے بارہویں امام کی غیبت کے بارے میں پہونچی تھیں ان روایتوں نے اس اہم امر کو قبول کرنے کے لئے ہموار کر دی تھی۔

لیکن امام حسن عسکری علیہ السلام کی "موعود منتظر" کے باپ ہونے کی حیثیت سے جو سب سے مشکل ذمہ داری تھی وہ یہ تھی کہ وہ مسلمانوں کو آگاہ کر دیں کہ ان روایتوں اور پیشین گوئیوں کے تحقق کا زمانہ آگیا ہے اور ان کے فرزند ارجمند ان روایتوں کے مصداق اور وہی "قائم آل محمد" ہیں۔

ایسے افکار کا بیان اور اس کی تبلیغ۔ عقیدہ کے ایک اہم موضوع کے عنوان سے۔ لوگوں کے اذہان میں، وہ بھی ایسے سنگین اور مارشل لا کے حالات میں بیشک بڑا مشکل اور حساس کام تھا۔

اسی وجہ سے امام حسن عسکری علیہ السلام نے اپنی تمام کوششوں کو صرف کر دیا تاکہ لوگوں کا عقیدہ اور ایمان ڈگمگانے نہ پائے اور عمومی اذہان کو اس بات کے قبول کرنے کے لئے آمادہ کر لیں اور اپنے پیروؤں کو متوجہ کر دیں کہ غیبت پر اعتقاد رکھنا لازمی اور ضروری ہے۔

مذکورہ مقصد کو پورا کرنے کے لئے امام کی فعّالیت دو حصوں میں تقسیم ہوتی ہے۔

۱۔ اپنے فرزند کو لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ رکھنا اور ان کی حفاظت کرنا نیز خاص لوگوں کو ان کی نشاندہی کرنا چاہتے تھے اور اس اقدام کے علاوہ آپ نے لوگوں سے رابطہ کو محدود کر کے ایک خاص تعداد تک رکھا اور آپ کی روش یہ تھی کہ خطوکتابت یا اپنے معین کئے ہوئے نمائندوں کے توسط سے شیعوں سے رابطہ پیدا کرنا تاکہ وہ اس کے عادی ہو جائیں۔

۲۔ مسئلہ غیبت کا بیان اور اس کی تشریح "انتظار فرج" کی فکر کو مسلمانوں کے ذہنوں میں بٹھانا، اس موقف کو واضح اور مستحکم کرنے کیلئے مختلف مناسبتوں سے آپ کا بیان اور اعلان ہوتا رہتا تھا۔

ان بیانات کے چند پہلو ملاحظہ ہوں:

۱۔ امام مہدی علیہ السلام کے صفات کے بارے میں عمومی اور کلی پہلو نیز امام مہدی کے ظہور اور قیام کی خصوصیتیں بیان کرنا جیسا کہ اپنے اصحاب میں سے ایک صحابی کے جواب میں آپ نے فرمایا: "قائم جب قیام کریں گے تو اس وقت حضرت داؤد کی طرح بغیر بینہ کے اپنے علم کی بنیاد پر لوگوں کے درمیان فیصلہ کریں گے[۱]" یا وہ قول جس میں آپ فرماتے ہیں:

"جس زمانہ میں قائم قیام کریں گے اس زمانہ میں آپ حکم دیں گے کہ منارے اور مسجدوں میں مخصوص جگہیں ویران کردی جائیں[۲]"

امامؑ ان خصوصیتوں کو بیان کرکے اس بدعت کے مقابلہ میں اپنے منفی رویہ کو بیان کر رہے ہیں۔

۲۔ اس اہم مسئلہ کو قبول کرنے کیلئے شیعوں کے واسطے عمومی اور خصوصی بیانات منجملہ ان کے وہ خط ہے جو آپ نے "ابن بابویہ" قمی کو لکھا ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ میں تم کو بردباری اور انتظار فرج کا حکم دیتا ہوں۔ پیغمبرؐ نے فرمایا: ہماری امت کا سب سے بہتر عمل انتظار فرج ہے ہمارے شیعہ ہمیشہ غم والم میں مبتلا رہیں گے یہاں تک کہ میرا فرزند ظہور کرے بیشک رسول خداؐ نے ان کے ظہور کی بشارت دی ہے، وہ زمین کو ایسے ہی عدل وانصاف سے بھر دیں گے

۱۔ اذا قام یقضی بین الناس بعلمہ کقضاء داودؑ، ولا یسئل البینۃ بحار ج ۵۰/۲۶۴، مناقب ج ۴/۴۳۱، کشف الغمہ ج ۳/۲۰۲ ارشاد/۳۴۳

۲۔ اذا قام القائم اَمَرَ بہدم المنائر والمقاصیر التی فی المساجد" بحار جلد ۵۰-/۲۵۰۔ مناقب جلد ۴/۴۳۷، اعلام الوریٰ/۳۵۵، مناقب اور اعلام الوریٰ میں "منائر" کی جگہ "منابر" لکھا ہوا ہے۔

جس طرح وہ ظلم و جور سے پُر ہو گی۔

اے مرد بزرگوار تم صابر رہو اور ہمارے تمام شیعوں کو صبر و شکیبائی کی دعوت دو۔ اس لئے کہ زمین خدا کی ملکیت ہے وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے گا اس کا وارث بنائے گا اور عاقبت (نیک انجام) پرہیزگاروں کے لئے ہے[1]۔

شہادت امام حسن عسکریؑ

خلفائے بنی عباس ــ منجملہ ان کے معتمد ــ جانتے تھے کہ پیغمبر کے جانشین بارہ افراد ہیں۔ ان میں سے بارہواں غیبت کے بعد ظہور کرے گا اور ظلم و جور کی بساط کو الٹ کر رکھ دے گا۔

اسی وجہ سے معتمد نہایت شدت سے امام حسن عسکری کی نگرانی کرتا تھا، اور طبیب یا معالج یا خدمتگذار کے عنوان سے اس نے جاسوں کو امام حسن عسکریؑ کے گھر میں رکھ دیا تھا تاکہ وہ امام کی زندگی کو نزدیک سے دیکھتے رہیں اور ان کے فرزند کے بارے میں جستجو کریں[2]۔

آخرکار جب معتمد نے دیکھا کہ لوگوں کی توجہ دن بدن امامؑ کی طرف بڑھتی جا رہی ہے، نگرانی اور قیدی بنانے کا الٹا اثر ہو رہا ہے تو اس نے آپ کو قتل کر دینے کا ارادہ کر لیا۔ اور خفیہ طور پر

---

[1] علیک بالصبر و انتظار الفرج، قال النبی افضل اعمال امتی انتظار الفرج ولایزال شیعتنا فی حزن حتی یظهر ولدی الذی بشر به النبی یملأ الارض قسطا و عدلا کما ملئت جورا و ظلما، فاصبر یا شیخی یا اباالحسن، علیّ و أمر جمیع شیعتی بالصبر فانّ الارض لله یورثها من یشاء من عباده والعاقبة للمتقین مناقب ج ۴/۴۲۶ ـ بحار ج ۵۰/۳۱۸

[2] کمال الدین صدوق ج ۱/۴۳ ـ ۴۲، مطبوعہ جامعہ مدرسین

اس نے زہر دے دیا ۔ امام آٹھ روز کے بعد صاحب فراش ہو گئے اور ۸، ربیع الاول سنہ ۲۶۰ھ میں عالم جاودانی کی طرف کوچ کر گئے اور اپنے والد بزرگوار کی قبر کے پاس سامرا میں سپرد لحد کئے گئے۔[1]

---

[1] مناقب جلد ۲/ ۴۲۲، بحار جلد ۵۰/ ۲۳۶ ـ ۲۳۷، کشف الغمہ ج ۳/ ۱۹۲ اعلام الوری / ۳۴۹، ارشاد مفید / ۳۴۵ / ۳۴۵، فصول المہمہ / ۲۸۹

سوالات

۱- امام حسن عسکری علیہ السلام نے کس تاریخ میں ولادت پائی اور انہوں نے اپنے پدر بزرگوار کے ساتھ اپنی عمر کے کتنے دن گذارے ؟

۲- امام حسن عسکریؑ کی امامت کا زمانہ کس سن میں شروع ہوا۔ اور کتنے دن تک رہا۔ آپ کتنے خلفاء کے معاصر رہے اور ان میں سے ہر ایک کے ساتھ کتنے سال رہے ؟

۳ آپ کے زمانہ کے خلفاء کا آپ کے ساتھ کیسا سلوک تھا اور امام حسن عسکریؑ میں دوسرے ائمہ کی بہ نسبت کیا خصوصیتیں تھیں ؟

۴ امام حسن عسکری کے زمانہ میں خلافت بنی عباس کے خلاف جو انقلاب اور شورشیں برپا ہوئیں ان میں سے چند نمونے بیان کیجئے ؟

۵ آپ کے فرزند حضرت مھدی عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کی غیبت کے بارے میں آپ کے موقف کی تشریح فرمایئے۔

۶ امام حسن عسکری نے کس تاریخ میں کس طرح اور کس شخص کے ذریعہ شہادت پائی ؟

سبق ۱۵

امام زمانہ حضرت حجت عج کی زندگی کے حالات

پہلا حصہ

ولادت

شیعوں کے بارہویں امام اور پیغمبر اسلام کے آخری وصی روز جمعہ صبح صادق کے وقت ۱۵ شعبان ۲۵۵ھ یا ۲۵۶ھ کو مقام سامرا میں پیدا ہوئے[1]۔

ائمہ علیہم السلام نے اپنے شیعوں سے ان کے نام کو بیان کرنے سے منع فرمایا اور اتنا فرمایا کہ وہ پیغمبرؐ کے ہم نام ہیں، ان کی کنیت بھی پیغمبر ہی کی کنیت ہے[2]۔

آپ کے مشہور ترین القاب مہدی، قائم، حجت اور بقیۃ اللہ ہیں۔

آپ کے پدر بزرگوار، گیارہویں امام حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام اور مادر گرامی

---

[1] کافی جلد ۱/ ۵۱۴، ارشاد مفید/ ۳۴۶، کمال الدین صدوق جلد ۲/ ۴۳۰؛ بحار جلد ۵۱ باب ۱ ص ۲۔۳۱، منتخب الاثر/ ۳۲۰، الفصول المہمۃ/ ۲۹۲، اعلام الوریٰ/ ۴۱۳، غیبت شیخ/ ۲۵۸، اعیان الشیعہ جلد ۲/ ۴۴

[2] منتخب الاثر ۱۸۲ — ۱۸۳، کافی جلد ۱/ ۲۶۸

"نرجس"[1] "بنت" "یوشعا" ہیں جو قیصر روم کے بیٹے اور جناب عیسیٰ کے ایک حواری "شمعون" کی نسل سے تھے

ان عظیم المرتبت خاتون کی عظمت کے لئے اتنا کافی ہے کہ امام حسن عسکری علیہ السلام کی پھوپھی جناب "حکیمہ" ـــ جو خاندان امامت کی ایک بزرگ خاتون ہیں ـــ انھیں اپنی اور اپنے خاندان کی سردار کا خطاب دیا ہے اور خود کو ان کی خدمت گذار سمجھتی تھیں۔[2]

جب جناب نرجس روم میں تھیں تو ایک دن انہوں نے خواب میں دیکھا کہ پیغمبر اسلام اور حضرت عیسیٰؑ نے امام حسن عسکری علیہ السلام سے ان کا عقد کر دیا۔

آپ خواب کے عالم میں حضرت فاطمہ زہراء علیہا السلام کی دعوت پر مسلمان ہوئیں لیکن انہوں نے اپنے وابستگان سے اپنا اسلام چھپائے رکھا۔

آخر کار آپ کو خواب میں حکم ملا کہ کنیزوں اور قیصر کے خدمت گذاروں کے درمیان چھپ کر اس لشکر کے ساتھ جو مسلمانوں سے جنگ کے لئے سرحد کی طرف جا رہا ہے، چلی جائیں۔

آپ نے ایسا ہی کیا اور سرحد پر چند دوسرے افراد کے ساتھ لشکر اسلام کی اسیری میں آگئیں اور بغداد لے جائی گئیں۔

یہ واقعہ احتمال قوی کی بنا پر ۲۴۸ھ میں رونما ہوا جو امام ہادی کے سامرا میں قیام کا تیرھواں سال تھا اور امام حسن عسکری اس وقت سولہ سال کے تھے۔

امام ہادی کے قاصد نے ایک خط بغداد میں جناب نرجس کو دیا جو رومی زبان میں لکھا ہوا تھا۔ اور ان کو بردہ فروشوں سے خرید کر "قاصد" سامرا" لایا۔

---

[1] آپ کا نام سوسن، صقیل اور ریحانہ بھی بتایا گیا ہے۔ بحار جلد ۵۱ /۵ ـ ۱۵ کمال الدین جلد ۲ /۳۲

[2] "انتِ سیدتی وسیدۃ اهلی" بحار جلد ۵۱ /۲ "بل اخدمك علی بصری" بحار جلد ۵۱ /۱۳ ـ منتخب الاثر /۳۲۵، کمال الدین صدوق /۴۲۴، ۴۲۷، اعیان الشیعہ جلد ۲ /۴۶

جو کچھ جناب نرجس نے خواب میں دیکھا تھا امام ہادی نے اسے بیان کر دیا۔ اور بشارت دی کہ وہ گیارہویں امام کی بیوی اور ایسے بیٹے کی ماں بنیں گی جو ساری دنیا پر تسلط حاصل کر کے زمین کو عدل وانصاف سے پر کر دے گا۔ اس کے بعد آپ نے جناب نرجس کو اپنی بہن "حکیمہ" کے حوالہ کیا تاکہ وہ ان کو آداب واحکام اسلام سکھائیں کچھ دنوں کے بعد جناب "نرجس" امام حسن عسکری کی زوجیت میں آئیں۔[1]

"حکیمہ" جب بھی امام حسن عسکریؑ کی خدمت میں پہونچتیں دعا فرماتیں کہ خداوند عالم ان کو فرزند عطا فرمائے ـــ وہ نقل کرتی ہیں کہ ایک روز عادت کے مطابق امامؑ کے دیدار کے لئے گئیں میں نے وہی دعا پھر امام کے سامنے دہرائی۔ امامؑ نے فرمایا جو بیٹا آپ میرے لئے خدا سے مانگ رہی ہیں وہ آج کی رات پیدا ہونے والا ہے۔

میں نے عرض کیا میرے سردار وہ بچہ کس سے پیدا ہوگا؟ آپ نے فرمایا "نرجس سے" میں اٹھی اور میں نے نرجس کو جستجو کی نگاہ سے دیکھا حمل کی کوئی علامت نہیں ہے۔ امامؑ مسکرائے اور فرمایا: سپیدۂ سحری کے وقت آپ پر آشکار ہو جائے گا۔ اس لئے کہ وہ مادر موسیٰ کی طرح ہیں جن کا حمل ظاہر نہیں ہوا تھا اور ولادت کے وقت تک کسی کو ان کے حمل کی خبر نہ تھی اس لئے کہ فرعون، موسیٰ کی تلاش میں عورتوں کے شکم کو چاک کر دیتا تھا اور یہ بچہ ـــ جو آج کی رات پیدا ہوگا ـــ موسیٰ کی طرح ہے۔

جناب حکیمہ نقل فرماتی ہیں کہ میں سپیدۂ سحر تک نرجس کی نگرانی کرتی رہی اور وہ نہایت آرام کے ساتھ میرے پاس سوئی ہوئی تھیں یہاں تک کہ طلوع فجر کے وقت وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھیں۔ میں نے ان کو اپنی آغوش میں سنبھالا اور ان کے اوپر اسم خدا پڑھ کر دم کیا، امامؑ نے ـــ دوسرے کمرہ سے آواز دی ـــ ان کے اوپر سورہ انا انزلنا دم کیجئے۔

---

[1] بحار جلد ۵۱ / ۱۰-۸ غیبت شیخ طوسی / ۱۲۸ - ۱۲۴ - کمال الدین صدوق جلد ۲ / ۴۲۳ - ۴۱۷ - دلائل الامامہ طبری / ۲۶۷ / ۲۶۲

میں نے سورہ انا انزلنا پڑھنے کے بعد نرجس کی حالت کو دیکھنا شروع کیا۔ انہوں نے فرمایا جو آپ کے سردار نے خبر دی تھی وہ بات ظاہر ہو گئی۔

میں اسی طرح سورۂ قدر پڑھنے میں مشغول تھی کہ بچہ نے شکم مادر میں میرا ہم آواز ہو گیا اس نے بھی سورۂ قدر کی تلاوت کی اور مجھ کو سلام کیا، میں ڈر گئی، امام حسن عسکریؑ نے آواز دی: امر خدا میں تعجب نہ کریں۔ خداوند عالم ہم کو بچپن میں حکمت سے گویائی عطا کرتا ہے۔ اور بڑے ہونے کے بعد زمین پر حجت قرار دیتا ہے۔

ابھی امامؑ کی بات ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ یکایک نرجس سامنے سے غائب ہو گئیں جیسے ہمارے اور ان کے درمیان پردہ حائل ہو گیا، میں آواز دیتی ہوئی امام کی طرف گئی۔ امام نے فرمایا: پھوپھی جان آپ وہیں تشریف لے جائیے! ان کو اپنی جگہ پر پائیں گی۔

میں وہاں پلٹ آئی ابھی تھوڑی دیر بھی نہ گذری تھی کہ میرے اور ان کے درمیان کا پردہ ہٹ گیا۔ اور میں نے "نرجس" کو اس طرح نور میں غرق دیکھا کہ میری آنکھوں میں ان کو دیکھنے کی طاقت نہ تھی۔

اسی عالم میں، میں نے ایک بچہ کو دیکھا جو سجدہ کے عالم میں تھا اور اپنی انگلی اوپر اٹھائے ہوئے کہہ رہا تھا: "اشهد ان لا الٰه الا الله وحده لا شریك له وانّ جدی محمداً رسول الله وانّ ابی امیر المومنین" اس کے بعد آپ نے ایک ایک امام کی امامت کی گواہی دی اور فرمایا خدایا! میرے وعدہ کو پورا کر اور میرے کام کو اتمام کو پہونچا، میرے قدم کو ثبات واستواری عطا کر اور میرے ذریعہ زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے۔[1]

---

[1] اللّٰهُمَّ انجز لی وعدی واتمم لی امری وثبّت وَطئتی واملا الارض بی عدلا وقسطاً

بحار جلد ۵۱ / ۱۴ - ۱۲، ۲۶ - ۲۵، کمال الدین صدوق جلد ۲ / ۴۲۷ - ۴۲۸

پوشیدہ ولادت

امام عسکریؑ کے زمانہ امامت میں حکام بنی عباس کے درمیان بڑی تشویش اور فکرمندی تھی، تشویش ان کثیر اخبارات واحادیث کی بنا پر تھی جو ۔ پیغمبرؐ اور ائمہ علیہم السلام سے ۔ مروی تھیں۔ ان میں یہ ذکر آچکا تھا کہ امام حسن عسکری کے ایک بیٹا پیدا ہوگا جو حکومتوں کی بنیادوں کو پلٹ دینے والا اور تاج وتخت کو الٹ دینے والا ہوگا۔ وہ دنیا کو عدل وانصاف سے بھر دے گا[۱]۔ اس لئے وہ دونوں بزرگوار، خاص کر امام حسن عسکریؑ سخت پریشانی میں تھے اور خلافت کی مشنری یہ کوشش کر رہی تھی کہ اس نومولود کو پیدا ہونے سے روک دے[۲]

یہی وجہ تھی جو حضرت مہدیؑ کے حمل اور ولادت کے زمانہ کو لوگوں سے پوشیدہ رکھا گیا اور خدا نے ان کے حمل کو جناب موسیٰ علیہ السلام کی طرح مخفی رکھا۔

ولادت کے بعد سوائے خاص اصحاب اور دوستوں کے کسی نے مہدیؑ کو نہیں دیکھا اور وہ بھی الگ الگ ایک ساتھ اور عام طور پر نہیں۔

خواص کیلئے اعلان

امام حسن عسکری علیہ السلام کی روش یہ تھی کہ اپنے فرزند کو عام لوگوں کی نظروں سے مخفی رکھنے کے باوجود مناسب موقع پر قابل اطمینان افراد کو حضرت مہدی کے وجود سے آگاہ فرماتے رہتے اور ان کو ان کے سامنے حاضر ہونے کا فیض پہونچاتے رہتے تھے، تاکہ اس طرح وہ ان کی پیدائش اور وجود کا یقین حاصل کرلیں اور مشاہدہ فرمالیں نیز ضروری موقع پر دوسرے شیعوں کو اطلاع

---

[۱] ان احادیث سے واقفیت کے لئے منتخب الاثر فصل دوم باب ۲۵ ـ ۳۴ ملاحظہ ہو۔

[۲] امام حسن عسکریؑ نے ایک حدیث کے ضمن میں اہل بیت سے بنی امیہ وبنی عباس کی مخالفت کی ایک وجہ اس مسئلہ کو قرار دیا ہے۔

دیں تاکہ آپ کے بعد لوگ گمراہی میں نہ پڑ جائیں۔

اس وجہ سے امام مہدی کی ولادت سے لے کر امام حسن عسکری کی شہادت تک (۵ سے ۶ سال کی مدت تک) گیارہویں امام کے بہت سے قریبی افراد، شاگرد اور خصوصی اصحاب نے امام مہدیؑ کی زیارت کی۔

نمونہ کے طور پر چند واقعات کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے:

۱۔ امام حسن عسکری کے قریبی اصحاب اور بزرگ شیعوں میں سے ایک شخص "احمد ابن اسحاق" نقل کرتے ہیں کہ میں امام حسن عسکری کی خدمت میں پہونچا اور میں نے چاہا کہ ان کے جانشین کے بارے میں ان سے سوال کروں کہ اتفاقاً حضرت نے خود ہی بات شروع کی اور فرمایا: اے احمد! بیشک خداوند عالم نے جب سے آدم کو پیدا کیا زمین کو حجت خدا سے خالی نہیں چھوڑا اور کبھی خالی نہیں رکھے گا اور حجت خدا کے واسطے سے اہل زمین سے بلائیں دفع ہوتی ہیں، بارش ہوتی ہے اور زمین کی برکتیں حاصل ہوتی ہیں۔

میں نے عرض کیا: فرزند رسولؐ! آپ کے بعد امام اور جانشین کون ہے، حضرت گھر کے اندر تشریف لے گئے اور اپنے تین سالہ بچے کو، جس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمک رہا تھا، کاندھے پر بٹھائے ہوئے باہر تشریف لائے اور فرمایا: اے احمد ابن اسحاق! اگر خدا اور اس کی حجت (ائمہ علیہم السلام) کے نزدیک تم مکرّم نہ ہوتے تو میں اس بچہ کو تمہیں نہ دکھاتا، بیشک یہ رسولؐ خدا کا ہم نام اور ہم کنیت ہے یہ وہ ہے کہ جو ظلم و جور سے بھری ہوئی زمین کو عدل و داد سے پر کر دے گا...[۱]"

---

[۱] یا احمد بن اسحاق لولا کرامتک علی اللہ وعلی حججه ما عرضت علیک ابنی هذا انه سمی رسول اللہ وکنیه الذی یملأ الارض قسطاً وعدلاً کما ملئت ظلماً وجوراً

بحار جلد ۵۲ / ۲۳ - ۲۴ - کمال الدین صدوق جلد ۲ / ۳۸۴ . کشف الغمہ مطبوعہ تبریز جلد ۲ / ۵۲۶

۲۔ "معاویہ ابن حکیم" محمد ابن ایوب بن نوح اور محمد بن عثمان عمری نے نقل کیا ہے کہ شیعوں میں ہم چالیس افراد امام حسن عسکری ؑ کی خدمت میں پہونچے آپ نے ہم لوگوں کو اپنے بیٹے کو لاکر دکھایا اور فرمایا : میرے بعد یہ تمہارا امام اور میرا جانشین ہے۔ ان کی پیروی کرنا اور (ان کے پاس سے) پراگندہ نہ ہونا ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے اور تمہارا دین تباہ ہو جائے گا اور یہ بھی جان لو کہ آج کے بعد تم ان کو نہیں دیکھو گے[۱]

۳۔ "احمد ابن اسحاق قمی" نقل کرتے ہیں کہ جب حضرت مہدی پیدا ہوئے تو میرے جد "احمد ابن اسحاق" کے پاس ایک خط ہمارے آقا امام حسن عسکری علیہ السلام کی طرف سے پہونچا جسے حضرت نے اپنے ہاتھ سے لکھا تھا۔

اس میں لکھا تھا کہ " ہمارے یہاں ایک بیٹا پیدا ہوا ہے۔ ضروری ہے کہ تم اس کی ولادت کی خبر کو مخفی رکھو ہم اپنے قریبی رشتہ داروں اور دوستوں کو رشتہ داری اور دوستی کی بنا پر آگاہ نہیں کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ ہم کسی کو اس امر سے آگاہ نہیں کریں گے۔ ہم نے اس بات کو پسند کیا کہ اس بچے کی ولادت کی خبر تم کو دیں تاکہ خداوند عالم اس کی وجہ سے تم کو مسرور کرے جیسا کہ اس نے ہم کو مسرور کیا والسلام[۲] "

حضرت مہدی علیہ السلام کے شمائل اور خصوصیات

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ اکرام علیہم السلام سے جو کثرت سے روایتیں نقل ہوئی ہیں ان کی بنیاد پر مورخین و محدثین اسلام نے امام عصر کے شمائل اور اوصاف اپنی کتابوں میں بیان کئے ہیں یہاں ان میں سے کچھ باتوں کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے[۳]

---

۱ بحار جلد ۲۶/۵۲ - ۲۵ کمال الدین جلد ۲/ ۴۳۵، منتخب الاثر / ۳۵۵، کشف الغمہ جلد ۲/ ۵۲۷

۲ منتخب الاثر / ۳۴۴ - ۳۴۳، کمال الدین صدوق جلد ۲/ ۴۳۴ - ۴۳۳

۳ خصوصیات حضرت مہدی کے بارے میں زیادہ معلومات کے لئے ملاحظہ ہو منتخب الاثر از باب چہارم تا باب ۲۵ اعیان الشیعہ جلد ۲/ ۴۴، غیبت نعمانی باب ۱۳/ ۲۱۲ کشف الغمہ جلد ۲/ ۴۶۴ - ۴۷۰

جوان سال، گندمی رنگ، ہلالی اور کشیدہ ابرو، سیاہ اور بڑی بڑی آنکھیں، چوڑا شانہ، سفید براق اور کشادہ دندان مبارک، ستواں اور خوبصورت ناک، بلند اور روشن پیشانی — شب زندہ داری کی بنا پر — سر کے بال دوش پر بکھرے ہوئے[1] کم گوشت والے گال ذرا زردی مائل۔ داہنے گال پر تل اور شانوں کے درمیان علامت نبوت کی سی علامت ہے..... یہ ہے امام زمانہؑ کا حلیۂ مبارک۔

آپ کے خصوصیات میں سے یہ ہے کہ آپ فرزند پیغمبر اور حضرت فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا کی اولاد میں سے ہیں۔ نسل امام حسین علیہ السلام سے نویں پیشوا، خاتم الاوصیاء، آخری نجات دہندہ اور عالمی قائد ہیں جو ساری دنیا کو ظلم و جور سے پر ہونے کے بعد عدل و انصاف سے بھر دیں گے۔

امام حسن عسکریؑ کی شہادت

امام زمانہ عجل اللہ فرجہ نے اپنے والد کی شہادت کے بعد ۲۶۰ھ میں امامت کی ذمہ داری سنبھالی۔

امام حسن عسکری علیہ السلام کی بیماری کے زمانہ میں ان کے بیٹے کی تلاش کی کوشش کو جب معتمد نے بے نتیجہ پایا تو ان کی شہادت کے بعد اس نے "ابو عیسیٰ متوکل" کو معین کیا کہ وہ امام حسن عسکری کے جنازہ پر نماز پڑھے اس نے بھی بنی ہاشم اور بقیہ حاضرین کو امامؑ کا چہرہ دکھایا تاکہ لوگوں کے سامنے ظاہر کر سکے کہ امام اپنی طبیعی موت سے دنیا سے رخصت ہوئے ہیں پھر اس نے آپ کے جنازہ پر نماز پڑھی اور حکم دیا کہ جنازہ اٹھایا جائے[2]

البتہ اس سے پہلے امامؑ کے گھر میں بغیر کسی ظاہری دکھاوے کے ایک اور نماز چند خاص افراد کی شرکت میں پڑھی جا چکی تھی اور اس کا واقعہ یہ ہے کہ جعفر ابن علی، جو اس زمانہ تک سیاست کے

۱۔ "یسیل شعرہ علی منکبیہ" اعیان الشیعہ جلد ۲/۴۴، منتخب الاثر/۱۸۵، کشف الغمہ مطبوعہ تبریز جلد ۲/۴۶۳

۲۔ ارشاد مفید/۳۴۰، کمال الدین صدوق جلد ۱/۴۳، بحار الانوار جلد ۵۰/۳۲۸

میدان میں ظاہر نہیں ہوئے تھے اور جنہوں نے اپنا حقیقی چہرہ ظاہر نہیں کیا تھا، صرف یہ دیکھ کر ظاہر بظاہر امام حسن عسکری کا کوئی شرعی وارث اور جانشین نہیں ہے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے کو امام کی شہادت کے بعد وارث اور جانشین کے عنوان سے نمایاں کرنے کے لئے امام کے سلسلہ میں لوگوں کی تعزیت اور اپنی امامت کی مبارک باد قبول کرنے کے لئے گھر کے دروازہ پر کھڑے ہوگئے، نماز کے لئے جنازہ تیار ہوتے ہی جعفر آگے بڑھے کہ اپنے بھائی کے جنازہ پر نماز پڑھیں، تاکہ وہ نئی حیثیت جو ظاہر کی تھی نماز پڑھانے سے اور مستحکم ہو جائے۔[1]

اتفاقاً ایک بچہ گندمی رنگ، بال پریشان کشادہ دندان مبارک والا ظاہر ہوا اور اس نے جعفر کی عبا کھینچی اور کہا: "چچا جان! آپ پیچھے کھڑے ہوں میں اپنے باپ پر نماز پڑھنے کے لئے زیادہ حقدار ہوں۔"[2] جعفر بلا چون و چرا پیچھے ہٹ گئے ان کے چہرہ کا رنگ اڑا ہوا تھا امام آگے کھڑے ہوگئے اور آپ نے اپنے والد ماجد کے جنازہ پر نماز پڑھی۔[3] اس طرح آپ نے اپنے چچا کو رسوا کیا اور ان کے بنائے ہوئے نقشہ کو باطل کر دیا۔ آپ نے اپنے باپ کے مقام امامت اور جانشینی کے لئے اپنی وراثت اور لیاقت کو حاضرین کے سامنے ثابت کیا۔

امام عصرؑ اپنے والد کے جنازہ پر نماز پڑھنے اور اپنے حق کو واضح کرنے کے بعد لوگوں کی نظروں سے غائب ہو گئے۔

۱۔ یہ جعفر وہی ہیں جو بعد میں جعفر کذاب کے نام سے مشہور ہوئے۔

۲۔ تاخر یا عم فانا احق بالصلوٰۃ علی ابی۔

۳۔ بحار ج ۵۰/۳۳۲ ـ ۳۳۳

مسئلہ غیبت

خلافت بنی عباس کی مشنری جب اس بات کی طرف متوجہ ہوئی کہ حکومت کی تمام کوشش اور پابندی کے باوجود وارث امام پیدا ہو گیا تو اس نے حضرت کو گرفتار کرنے کے لئے پورا زور لگا دیا۔ اس غرض سے حکومت کے مامور کردہ افراد امام حسن عسکری علیہ السلام کے گھر پر حملہ آور ہوئے لیکن امام کو گرفتار کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔[1]

یہ کوششیں بتا رہی ہیں کہ بارہویں امام کی جان کو جو خطرات لاحق تھے وہ واقعی تھے۔ کیونکہ ضروری تھا کہ زمین پر امامت اور حجت خدا کے باقی ماندہ سلسلہ کی نگرانی کے لئے کوئی واقعی اقدام کیا جائے۔

امام عصر کی غیبت کے مسئلہ اور اس کی علتوں کے بارے میں بہت سی باتیں ہیں۔ ان میں سے جو مسلم ہے وہ یہ ہے کہ آپ کی غیبت حکمت اور مشیت الٰہی کی بنیاد پر ہے اور ہم ان حکمتوں کے تمام اسرار سے واقف نہیں ہیں۔

لیکن ممکن ہے کہ ظاہری اور محسوس علتوں میں سے مندرجہ ذیل نکتہ ایک طرف بنی عباس کی حکومت کی مشنری کا امام مھدی کی تلاش میں گھر پر حملہ اور چھان بین کرنا اور دوسری طرف امامت "عسکریین" علیہما السلام کے زمانہ میں لوگوں کی امامت سے روگردانی اور عدم حمایت نے غیبت کیلئے زمین ہموار کر دی تھی۔

اگر لوگ حکومت عدل الٰہی کو قبول کرنے کے لئے آمادہ ہوتے اور اپنے رہبروں اور اماموں کی حمایت کرتے تو کیا تعجب کہ امام پردۂ غیبت میں نہ جاتے اور قانون الٰہی کو جاری کرنے میں مشغول ہو جاتے جیسا کہ غیبت کے زمانہ کے ختم ہو جانے کے بعد بہت سے لوگ اپنے کو تیار

---

[1] کمال الدین مرحوم صدوق جلد ۱/ ۴۳ مطبوعہ جامعہ مدرسین

کریں گے تو پھر امام ان کے سامنے ظاہر ہوں گے۔[1] ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسہم[2]"

مرحوم خواجہ نصیر الدین طوسی اسی رسالہ میں جو انہوں نے امامت کے بارے میں لکھا ہے تحریر فرماتے ہیں: غیبت حضرت مہدی کے لئے نہ تو یہ سزاوار ہے کہ وہ خداوند سبحانہ کی طرف سے ہو اور نہ ہی یہ سزاوار ہے کہ امام علیہ السلام کی طرف سے ہو، بس اس بات میں غیبت منحصر ہے کہ مکلفین اور لوگوں کی طرف سے ہو۔ اور وہ سبب خوفِ غالب اور عدم تمکین ہے۔ جب غیبت کا سبب زائل ہو جائے گا تو ظہور ہو گا۔[3]

غیبت صغریٰ

بارہویں امام کی غیبت کے دو مرحلے ہیں: ایک کم مدت کا مرحلہ غیبت صغریٰ اور دوسرا لمبی مدت کا مرحلہ (غیبت کبریٰ) صغریٰ زمانہ کے اعتبار سے بھی محدود تھی اور لوگوں سے رابطہ کے اعتبار سے بھی۔ زمانہ کے اعتبار سے ستر سال سے زیادہ یہ غیبت نہیں تھی، گیارہویں امام کی شہادت کے بعد ۲۶۰ھ

---

[1] یہ یاد دلادینا ضروری ہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تمام لوگ اس گناہ میں آلودہ ہیں بلکہ اس سے مراد نصاب کی وہ حد ہے جو امام کے ظہور کے لئے ضروری ہے۔ ورنہ بہت سے نیک افراد ہمیشہ ظہور کے لئے آمادہ رہے اور آج بھی آمادہ ہیں۔ [2] سورۂ رعد/۱۱

[3] اما سبب غیبتہ فلا یجوز ان یکون من اللہ سبحانہ ولا منہ کما عرفت فیکون من المکلفین وھو الخوف الغالب وعدم التمکین والظھور یجب عند زوال السبب۔ رسالہ امامت فصل سوم ص۲۵ منقول از نوید امن دامان ۱۹۰ ۔ چونکہ غیبت ولی عصر کے اسرار وعلل کی بحث عقیدہ کی بحث ہے اس لئے اس کے اسرار وعلل کی تحقیق اس رسالہ کی ذمہ داری سے الگ ہے یہاں جس کی طرف اشارہ ہوا ہے وہ اس عہد کے سیاسی اور تاریخی حالات تھے۔

سے سنہ ۳۲۹ھ کا زمانہ ہے۔[1]

غیبت صغریٰ کے زمانہ میں لوگوں سے امامؑ کا رابطہ بہت محدود تھا یہ رابطہ بالکل منقطع نہیں ہوا تھا کچھ لوگ تھے جن کا آپ سے رابطہ تھا۔ اور ان کو امامؑ کے "نوّاب خاص" کے نام سے جانا جاتا تھا۔ شیعوں میں سے ہر ایک ان "نوابؒ" کے ذریعہ اپنے مسائل اور مشکلات امامؑ تک پہنچاتا تھا اور ان ہی کے ذریعہ اپنا جواب حاصل کر سکتا تھا اور کبھی کبھی وہ امام کی زیارت سے بھی مشرف ہوتا تھا۔

غیبت کبریٰ

غیبت صغریٰ کا زمانہ گذر جانے کے بعد غیبت کبریٰ کا آغاز ہوا جو ابھی تک جاری ہے یہ غیبت دنیا میں انسانوں کے امتحان کا ذریعہ اور ایمان و عمل کے تلنے کی میزان قرار پائی۔

غیبت کے دونوں زمانہ کے رابطہ کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ غیبت کبریٰ کا زمانہ یکبارگی اور ناگہانی آجاتا تو ممکن ہے کہ افکار کے انحراف کا سبب بن جاتا اور اذہان اس کو قبول کرنے کے لئے آمادہ نہ ہوتے لیکن "نواب خاصؒ" کے توسط سے شیعوں کا امامؑ سے رابطہ اور ان میں سے بعض کی "غیبت صغریٰ" کے زمانہ میں امام کی بارگاہ میں شرفیابی نے آپ کی ولادت اور حیات کے مسئلہ کو زیادہ مستحکم اور افکار کو غیبت کبریٰ کے قبول کرنے کیلئے آمادہ کر دیا۔[2]

---

[1] شیخ مفید اپنی کتاب ارشاد ص۳۴۶ پر غیبت صغریٰ کے آغاز کو ولادت کے موقع سے شمار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "غیبت صغریٰ ولادت مہدیؑ کے زمانہ سے سفارت کے زمانہ کے اختتام اور آخری سفیر کی رحلت تک ہے"، اس حساب سے غیبت صغریٰ کا زمانہ ۷۵ سال ہوتا ہے۔

[2] بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ غیبت کبریٰ کیلئے لوگوں کو آمادہ کرنے کا کام امام ہادی بلکہ امام جواد کے زمانہ سے شروع ہو چکا تھا اور وہ لوگ زیادہ تر خط و کتابت کے ذریعہ شیعوں سے رابطہ رکھتے تھے اور ان کا ارتباط غیبت صغریٰ کے زمانہ کے ارتباط کے مشابہ تھا تاکہ لوگ غیبت کبریٰ کیلئے ضروری آمادگی پیدا کریں۔ الخ

غیبت صغریٰ میں امام کے معجزات

غیبت صغریٰ کے زمانہ میں امام کی طرف سے ان کے خاص نائبین کے ذریعہ بہت سے کرامات و معجزات ظاہر ہوئے جو آپ کے شیعوں اور پیروؤں کے ایمان کے استحکام کا سبب بنے یہ معجزات اتنی کثرت سے ہیں کہ شیخ طوسی کے بقول ان کا احصار نہیں کیا جا سکتا۔[1]

بطور نمونہ چند معجزات ملاحظ ہوں

۱۔ "عیسیٰ ابن نصر" نقل کرتے ہیں کہ "علی ابن زیاد صیمری" نے امام کے لئے خط لکھا اور آپ سے کفن کی درخواست کی، تو جواب آیا تم کو ۸۰ سال میں (۲۸۰ ہجری میں یا ۸۰ سال کی عمر میں) اس کی ضرورت پڑے گی۔ اور انہوں نے اسی سال انتقال فرمایا جس سال کے لئے امام نے فرمایا تھا۔ ان کے انتقال سے پہلے امامؑ نے ان کے لئے کفن بھیجا۔[2]

۲۔ "محمد ابن شاذان"[3] نقل فرماتے ہیں کہ ۴۸۰ درہم مال امام میرے پاس تھا۔ اس میں اپنے مال سے بیس درہم میں نے اور شامل کر دیئے اور محمد ابن جعفرؒ کے ذریعہ امام کی خدمت میں ارسال کر دیئے۔ لیکن بیس درہم کا اضافہ کرنے کے بارے میں، میں نے کچھ نہیں لکھا امام کے پاس سے پیسوں کی رسید میرے پاس پہونچی اس میں لکھا تھا۔ پانچ سو درہم جس میں ۲۰ درہم تمہارے مال سے تھے مجھ تک پہونچ گئے۔[4]

۱؎ غیبت شیخ / ۱۸۰

۲؎ بحار جلد ۵۱ / ۳۱۳، ارشاد مفید / ۳۵۶، غیبت شیخ / ۱۷۲، منتخب الاثر / ۲۹۰ کشف الغمہ مطبوعہ تبریز جلد ۲ / ۴۵۶

۳؎ شیخ نے اپنی رجال میں ایک باب کے عنوان میں ان کا نام لیا ہے "رجال طوسی باب لم یروعن الائمہ / ۴۹۶ مجمع الرجال جلد ۵ / ۱۷۷

۴؎ بحار جلد ۵۱ / ۳۲۵، ارشاد مفید / ۳۵۶ - ۳۵۵ دلائل الائمہ طبری / ۲۸۶ منتخب الائمہ / ۳۸۲۔ غیبت شیخ / ۲۵۸، کشف الغمہ مطبوعہ تبریز جلد ۲ / ۴۵۶

۳۔ "علی ابن محمد سمری" نقل فرماتے ہیں کہ امام کی طرف سے ایک فرمان پہونچا اس میں آپ نے شیعوں کو کربلا اور کاظمین میں ائمہ علیہم السلام کی قبروں کی زیارت سے منع فرمایا تھا۔ ابھی کچھ دن نہیں گذرے تھے کہ خلیفہ کے وزیر نے "باقطانی" کو بلایا اور اس سے کہا کہ بنی فرات سے — جو وزیر کے وابستگان میں سے تھے — اور اہل برس سے ملاقات کرے اور ان سے کہدے کہ وہ لوگ مقابر قریش کی زیارت نہ کریں اس لئے کہ خلیفہ نے حکم دیا ہے کہ مامور افراد ہوشیار رہیں اور جو بھی ائمہ کی زیارت کے لئے جائے اس کو گرفتار کرلیں۔[۱]

امام عصرؑ کے نائبین

غیبت صغریٰ یا کبریٰ کسی دور میں بھی امامؑ کا لوگوں سے رابطہ بالکل ختم نہیں ہوا تھا بلکہ "سفراء" اور "نواب" کے ذریعہ شیعوں سے آپ کا رابطہ برقرار تھا اور ہے۔

جس طرح غیبت امام کے دو حصے ہیں اسی طرح آپ کی نیابت کی بھی دو صورتیں ہیں غیبت صغریٰ میں نیابت خاصہ اور غیبت کبریٰ میں نیابت عامہ۔

نیابت خاصہ یہ ہے کہ امام خاص افراد کو اپنا نائب قرار دیتے ہیں اور ان کے نام و علامت کا تعارف کردیتے ہیں — اور نیابت عامہ یہ ہے کہ امامؑ ایک ایسا کلی ضابطہ ہمارے ہاتھوں میں دے دیتے ہیں کہ ہم ہر زمانہ میں ایک یا کئی افراد جن پر ہر جہت سے وہ ضابطہ صادق آتا ہے، نائب امامؑ کی حیثیت سے پہچانے جاتے ہیں۔

---

[۱] وزیر کا نام ابو الفتح فضل بن جعفر فرات تھا اور وہ بنی عباس کے وزراء میں سے تھا۔ "برس" حلہ اور کوفہ کے درمیان ایک قریہ ہے، مقابر قریش سے مراد "کاظمین" ہے بحار جلد ۵۱/۳۱۲ غیبت شیخ/۱۷۲ ارشاد مفید/۳۵۶، کشف الغمہ تبریز جلد ۲/۴۵۶

الف۔ نائبین خاص

امام عصرؑ کے خاص نائبین چار تھے[1]۔

۱۔ عثمان ابن سعید۔

ابو عمرو، عثمان ابن سعید عمری، حضرت مھدیؑ کے پہلے خاص نائب اور عسکریین علیہما السلام کے مورد وثوق اصحاب میں سے تھے اور ان دونوں کے وکیل بھی تھے۔ امام ہادیؑ اور امام حسن عسکریؑ دونوں ہی کی طرف سے ان کی توثیق وتمجید ہو چکی ہے۔

احمد ابن اسحاق قمی نقل کرتے ہیں کہ میں نے امام ہادی سے عرض کیا کہ میں کبھی حاضر رہتا ہوں اور کبھی غائب، جب حاضر رہتا ہوں اس وقت بھی میں ہمیشہ آپ کی خدمت میں نہیں پہونچ سکتا تو ایسی صورت میں کس کی بات کو قبول کیا جائے اور کس کے حکم کی اطاعت کی جائے آپ نے فرمایا: "ابو عمرو" "عثمان ابن سعید" ثقہ اور امین ہیں یہ جو کچھ بیان فرمائیں گے میری طرف سے بیان فرمائیں گے اور جو کچھ تم تک پہونچائیں گے، میری طرف سے پہنچائیں گے۔"

احمد ابن اسحاق فرماتے ہیں: میں امام ہادیؑ کی رحلت کے بعد امام حسن عسکری کے پاس گیا اور میں نے وہی بات کہی (جو اس سے پہلے عرض کر چکا ہوں) آپ نے پھر فرمایا: "ابو عمرو، میرے اور میرے والد کے لئے امین ہیں، میری زندگی میں اور میرے مرنے کے بعد قابل اطمینان ہیں۔ یہ جو کہیں گے وہ میری طرف سے کہیں گے اور جو پہونچائیں وہ میری طرف سے پہونچائیں گے

---

[1] البتہ ان چار افراد کے علاوہ دوسرے وکلا بھی مختلف شہروں میں تھے جو ان ہی چار افراد کے ذریعہ لوگوں کے مسائل کو امام کی خدمت میں پہونچاتے تھے اور مرحوم سید محسن امین کے اقوال کے مطابق ان چار افراد کی سفارت عام اور مطلق تھی لیکن دوسرے افراد بھی جیسے محمد ابن جعفر اسدی، احمد ابن اسحاق اشعری، ابراھیم ابن محمد حمدانی، احمد ابن حمزہ بن الیسع کو خاص موارد میں نیابت حاصل تھی۔ اعیان الشیعہ جلد ۲/ ۴۸

[2] بحار جلد ۵۱/ ۳۴۴، غیبت شیخ /۲۱۵ اعیان الشیعہ ج ۲/ ۴۷

←

گیارہویں امام کی رحلت کے بعد اور مسئلہ غیبت پیش آنے سے پہلے "عثمان ابن سعید" امام مھدی کی طرف سے نیابت کے عہدہ پر فائز ہوئے اور امام علیہ السلام اور شیعوں کے درمیان رابطہ بنے۔[1]

۲۔ محمد ابن عثمان

۲۶۰ھ میں اپنے انتقال سے پہلے عثمان ابن سعید نے اپنے بیٹے "محمد" کو امام زمانہ کے حکم سے اپنے جانشین اور نائب امام کی حیثیت سے پہچنوایا۔[2]

ابوجعفر محمد ابن عثمان بھی اپنے والد کی طرح امام حسن عسکری اور امام مھدی علیہما السلام کے لئے مورد اطمینان تھے۔

"عبداللہ ابن جعفر حمیری" نقل فرماتے ہیں کہ جب عثمان ابن سعید کا انتقال ہو گیا تو امام کا خط آیا جس میں ابوجعفر "محمد ابن عثمان" اپنے والد کی جگہ امام کے نائب مقرر کئے گئے تھے۔[3]

محمد ابن عثمان نے اپنی وفات سے پہلے اپنی موت کی خبر دی[4] اور بزرگان شیعہ کے ایک گروہ کی موجودگی میں انہوں نے حسین ابن روح نوبختی "کو امام کے امور کے لئے اپنے جانشین کے عنوان سے تعارف کرایا اور کہا:" وہ میرے قائم مقام ہیں تم ان کی طرف رجوع کرو۔[45]

---

[*] گذشتہ صفحے کا حاشیہ

منتخب الاثر/۳۹۳، الکنی والالقاب جلد ۳/۲۶۷ — ۲۶۶، وسائل شیخ انصاری مطبوعہ جامعہ مدرسین /۱۳۹

[1] بحار جلد ۵۱/۳۴۶

[2] بحار جلد ۵۱/۳۴۹ غیبت شیخ/۲۲۰ - ۲۱۸، اعیان الشیعہ جلد ۲/۴۷

[3] بحار جلد ۵۱/۳۴۹، غیبت شیخ/۲۲۰ - ۲۱۸، اعیان الشیعہ جلد ۲/۴۷

[4] بحار جلد ۵۱/۳۵۲ الکنی والالقاب جلد ۳/۲۶۸، غیبت شیخ/۲۲۲، اعیان الشیعہ جلد ۲/۴۷

[5] بحار جلد ۵۱/۳۵۵، غیبت شیخ طوسی/۲۲۷ - ۲۲۶، اعیان الشیعہ جلد ۲/۴۷، منتخب الاثر/۳۹۷ — ۳۹۶

محمد ابن عثمان ۳۰۵ھ میں انتقال فرما گئے[1] اور ان کی نیابت کی مدت ۴۵ سال رہی۔

۳۔ حسین ابن روح

امام کے تیسرے سفیر "ابوالقاسم حسین ابن روح نوبختی تھے جو کہ بزرگی اور مخصوص عظمت کے حامل تھے نیز عقل وبینش و تقویٰ و فضیلت میں مشہور تھے۔

یہ محمد ابن عثمان کے مورد اعتماد اور ان کی جانب سے کچھ امور کے ذمہ دار تھے[2]۔

"محمد بن عثمان" کے لئے قابل اطمینان افراد میں سے ایک جعفر ابن احمد قمی "تھے جو دوسروں سے زیادہ محمد سے متعلق رہے۔ اتنے قریب تھے کہ کچھ لوگوں نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ "محمد ابن عثمان" کے بعد انہیں کو نائب بنایا جائے گا۔[3]

جب "محمد ابن عثمان" کے انتقال کا وقت قریب پہونچا تو ان کے سرہانے "جعفر ابن احمد" اور پائینتی "حسین ابن روح" بیٹھے ہوئے تھے محمد ابن عثمان نے جعفر ابن احمد کی طرف رخ کیا اور کہا کہ "مجھے اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ تمام امور کو ابوالقاسم حسین ابن روح کے حوالہ کر دوں۔ "جعفر ابن احمد" اپنی جگہ سے اٹھے انہوں نے حسین ابن روح کے ہاتھوں کو پکڑ کر محمد کے سرہانے بٹھایا اور خود پائینتی بیٹھ گئے[4]۔

حسین ابن روح نے تقریباً ۲۱ سال نیابت کے منصب کی ذمہ داری نبھائی اور اپنی وفات سے پہلے انہوں نے امام کے حکم سے نیابت کے امور کو "علی ابن محمد سمری" کے حوالہ کر دیا اور ۳۲۶ھ

۱۔ بحار جلد ۵۱/۳۵۲، غیبت شیخ/۲۲۳، اعیان الشیعہ جلد ۲/۴۷، الکنی والالقاب جلد ۳/۲۶۸

۲۔ اعیان الشیعہ جلد ۲/۴۸، غیبت شیخ/۲۲۷

۳۔ بحار ج ۵۱/۳۵۴ ــ ۳۵۳۔ غیبت شیخ/۲۲۶، اعیان الشیعہ ج ۲/۴۸ ــ ۴۷

۴۔ بحار جلد ۵۱/۳۵۴ ــ ۳۵۳، غیبت شیخ/۲۲۶، اعیان الشیعہ جلد ۲/۴۸ ــ ۴۷ اس سلوک سے پتہ چلتا ہے کہ یہ لوگ معرفت، ایمان اور تسلیم و رضا میں ایسے کامل تھے کہ ہمیشہ اور تمام امور میں اپنے امام کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتے تھے۔

میں انتقال فرما گئے[1]

۴۔ علی ابن محمد سمری

امام زمانہ کے چوتھے اور آخری سفیر ابوالحسن علی ابن محمد سمری ایسے بزرگ اور جلیل القدر ہیں کہ صاحب "تنقیح المقال" کے قول کے مطابق محتاج توصیف نہیں[2]۔"

انہوں نے بزرگوں کی ایک جماعت سے فرمایا: "خدا تم کو علی ابن بابویہ قمی " کی مصیبت پر اجر عنایت فرمائے، اسی وقت ان کا انتقال ہوا ہے۔

ان لوگوں نے اس وقت دن اور مہینہ یاد رکھا اور ۱۷ یا ۱۸ روز بعد خبر پہونچی کہ اسی وقت علی ابن بابویہ " کا انتقال ہوا تھا[3]۔

"علی ابن محمد" ۳۲۹ھ میں انتقال فرما گئے ان کی وفات سے پہلے شیعوں کا ایک گروہ ان کے پاس آیا اور اس نے ان کے جانشیں کے بارے میں سوال کیا، آپ نے فرمایا: مجھے اس کے متعلق کوئی وصیت نہیں کی گئی ہے[4]۔ اس کے بعد انہوں نے اس توقیع مبارک کے بارے میں بتایا جو امامؑ کی طرف سے صادر ہوئی تھی۔ اس کا مضمون کچھ اس طرح تھا۔

" بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ اے علی ابن محمد سمری خدا تمہارے غم میں تمہارے بھائیوں کو جزائے عظیم عطا کرے، تم چھ روز کے بعد مرجاؤ گے لہٰذا اپنے امور سے جلد فارغ ہونے کی کوشش کرو اور کسی کے بارے میں وصیت نہ کرنا کہ تمہارے بعد وہ تمہارا جانشین ہو، اب غیبت کبریٰ کا

---

[1] بحار ج ۵۱/ ۳۵۸ ۔ اعیان الشیعہ ج ۲ ص ۴۸

[2] تنقیح المقال جلد ۲/ ۳۰۵ ، ثقتہ وجلالتہ اشہر من ان یذکر واظہر من ان یحرر

[3] بحار جلد ۵۱/ ۳۶۱ ، جلد ۵۲/ ۱۵۱، غیبت شیخ / ۲۴۳ ، الکنی والالقاب جلد ۳ / ۲۶۶ ، اعیان الشیعہ جلد ۲/ ۴۸
منتخب الاثر/ ۳۹۹ ۔ تنقیح المقال جلد ۲/ ۳۰۵

[4] بحار جلد ۵۱/ ۳۶۰ ، منتخب الاثر / ۴۰۰

زمانہ آگیا ہے اور اس وقت تک ظہور نہیں ہوگا جب تک خداوندمتعال اجازت نہ دے ..."

چھٹے دن جناب سمری اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔[1]

ب۔ عام نائبین

امام کے آخری پیغمبر "علی ابن محمد سمری" کے انتقال کے بعد غیبت کبریٰ کا زمانہ شروع ہوا ہر چند امام مہدیؑ کی طرف سے کوئی خاص نائب معین نہیں تھا۔ لیکن آپ کی اور بقیہ ائمہ علیہم السلام کی طرف سے ضوابط اور معیار کا ایک سلسلہ موجود ہے تاکہ لوگ اس معیار سے آگاہی حاصل کرکے ہر زمانہ میں اس فرد سے رجوع کرکے اپنے مسائل کے جوابات معلوم کریں جس کے اندر شرطیں پائی جاتی ہوں اس لئے کہ ان کی نظر مہارت اور روایات کی بنا پر حجت ہے۔

مرحوم شیخ طوسی و صدوق و طبری نے اسحاق ابن یعقوب سے نقل کیا ہے کہ حضرت مھدی علیہ السلام نے (غیبت کے زمانہ میں شیعوں کے فرائض کے بارے میں) فرمایا" اما الحوادث الواقعہ فارجعوا فیھا الی رواۃ حدیثنا فانھم حجتی علیکم وانا حجۃ اللہ علیھم۔[2]"

آنیوالے حوادث و واقعات میں ہماری حدیثیں بیان کرنے والوں کی طرف رجوع کرو۔ اس لئے کہ وہ لوگ تمہارے اوپر ہماری حجت اور ہم ان کے اوپر خدا کی حجت ہیں۔

نیز امام حسن عسکریؑ، امام جعفر صادقؑ سے ایک روایت کے ضمن میں بیان فرماتے ہیں،

---

[1] اعیان الشیعہ جلد ۲/ ۴۸، بحار جلد ۵۱/ ۳۶۱، کشف الغمہ مطبوعہ تبریز جلد ۲/ ۵۳۰، منتخب الاثر/ ۹۹، تنقیح المقال جلد ۲/ ۳۰۵۔

[2] کمال الدین جلد ۲/ ۴۸۴، غیبت شیخ/ ۱۷۷، احتجاج طبرسی جلد ۲/ ۴۷۰ مطبوعہ بیروت وسائل الشیعہ جلد ۱۸/ ۱۰۱ کتاب البیع للامام الخمینی جلد ۲/ ۴۷۴ کشف الغمہ مطبوعہ تبریز جلد ۲/ ۵۳۱، بحار جلد ۵۳/ ۱۸۱، وسائل شیخ انصاری مطبوعہ جامعہ مدرسین/ ۱۳۹

اما من كان من الفقهاء صائنا لنفسه حافظاً لدينه مخالفاً لهواه مطيعاً لامر مولاه فللعوام ان يقلدوه .....[1]"

"فقہاء میں سے جو اپنے نفس کو بچانے والا اپنے دین کا نگہبان اپنے ہوا و ہوس کا مخالف اپنے مولا (ائمہ علیہم السلام) کے فرمان کا مطیع ہو تو لوگوں پر لازم ہے کہ اس کی تقلید کریں۔"

اس طرح اسلامی معاشرہ کی رہبری اور مسلمانوں کے امور کا حل اور ان کا فیصلہ "غیبت کبریٰ" کے زمانہ میں "ولی فقیہ" کے ہاتھوں میں آیا۔ ولی فقیہ امام زمانہ کی نیابت میں "ولایت شرعیہ" کا مالک ہے۔ اسلامی معاشرہ کی مشروعیت اور حکومت کے قانون کا لازم الاجرا ہونا اس کی تائید اور نفاذ سے متعلق ہے اس کے قوانین کی مخالفت اور ایسے پیشوا کے حکم کو رد کر دیتا ہے اور امام کے حکم کو رد کرنا خدا اور حکم خدا کا رد کرنا ہے۔[2]

دیدار مہدی علیہ السلام

غیبت صغریٰ کے زمانہ میں ان چار مخصوص نائبین کے علاوہ جو امام کی خدمت میں پہونچتے رہتے تھے کچھ دوسرے افراد بھی تھے جو ان چاروں کے توسط سے آپ کی خدمت میں باریابی کا شرف پاتے تھے۔

---

[1] احتجاج طبرسی مطبوعہ بیروت جلد ۲/ ۴۵۸، وسائل الشیعہ جلد ۱۸/ ۱۹۵، سفینۃ البحار جلد ۲/ ۳۸۱، رسائل شیخ انصاری مطبوعہ جامعۂ مدرسین / ۱۴۱

[2] مقبولہ عمر ابن حنظلہ کے ذیل میں امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ: فاذا حكم بحكمنا فلم يقبل منه فانما استخف بحكم الله وعلينا رد والراد علينا الراد على الله وهو على حد الشرك بالله وسائل جلد ۱۸/ ۹۹ کافی جلد ۱/ ۵۴ "کتاب فضل العلم باب اختلاف الحديث حديث ۱۰" تہذیب جلد ۶/ ۲۱۸ و ۳۰۱ کتاب البیع للامام الخمینی جلد ۲/ ۴۷۶، فروع کافی جلد ۷/ ۴۲ حدیث ۵ باب کراهية الارتفاع الی قضاة الجور

شیعہ بزرگ علماء نے اپنی کتابوں میں ان لوگوں میں سے بہت سے افراد کا نام بیان فرمایا ہے جنہوں نے غیبت صغریٰ کے زمانہ میں امام کو دیکھا اور ان کے معجزات کو درک کیا ہے۔ علماء نے ان ملاقات کرنے والوں میں سے ہر ایک کے واقعہ اور قضیہ کو مختلف اسناد کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

اسی طرح ان بزرگوں میں سے بعض افراد نے ان لوگوں کی داستان کو اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے جو "غیبت کبریٰ" کے زمانہ میں آپ کی خدمت میں پہونچے یا آپ کی کرامات و معجزات کو — بیداری یا خواب کے عالم میں — مشاہدہ کیا ہے لیکن چونکہ اس وقت اختصار مد نظر ہے اس لئے ان کے ذکر سے چشم پوشی کی جاتی ہے۔

---

[1] تفصیلی معلومات کے لئے ملاحظہ ہو، اعلام الوریٰ /۳۵۴ النجم الثاقب /۲۱۱ - ۳۰۵ ، بحار جلد ۵ باب اول جلد ۵۲ - باب ۱۸، ۱۹، ۲۳ و جلد ۵۳ /۲۰۰ - ۳۳۵ . منتخب الاثر فصل چہارم باب اول و فصل پنجم باب دوم و کتاب تبصرۃ الولی فیمن رأی القائم المہدی تالیف علامہ سید ہاشم بحرانی ، کشف الغمہ جلد ۲ /۵۳۳ - دلائل الامامہ طبری /۳۰۶ - ۲۹۵

سوالات

(۱) بارہویں امام کس تاریخ کو اور کہاں پیدا ہوئے ؟
(۲) امام عصر کی ولادت کو کیوں چھپایا گیا ؟
(۳) خواص سے امام حسن کا اپنے بیٹے کی ولادت کو بتانے کا مقصد کیا تھا؟ ان میں سے ایک نمونہ بیان کیجئے.
(۴) غیبت صغریٰ و کبریٰ کی مدت ، دونوں غیبتوں کے درمیان تفاوت اور رابطہ کو بیان فرمایئے ۔
(۵) غیبت صغریٰ کے زمانہ کا امام عصر کا ایک معجزہ بیان فرمایئے ۔
(۶) غیبت صغریٰ کے زمانہ کے امام کے نائبین کا نام اور ان کی مدت نیابت بیان فرمایئے ۔
(۷) غیبت کبریٰ کے زمانہ میں امام عصر کی نیابت کے مسئلہ کی نوعیت بتایئے اور توضیح دیجئے۔

سبق ۱۶

مھدیؑ موعود کا عقیدہ[1]

دوسرا حصّہ

آخری زمانہ میں ایک مصلح الٰہی کا ظہور، پرانے زمانہ سے لوگوں کا بنیادی عقیدہ رہا ہے۔ نہ صرف شیعہ بلکہ اہل تسنن یہاں تک کہ دوسرے ادیان کے ماننے والے "جیسے یہود و نصاریٰ" زردشتی اور ہندو بھی ایک بڑے الٰہی مصلح کے ظہور کا اعتقاد رکھتے ہیں اور اس کے انتظار میں ہیں۔

وہ بشارتیں اور پیش گوئیاں جو حضرت مہدیؑ اور ان کے ظہور کے بارے میں مقدس کتابوں اور اسلاف کے دوسرے آثار میں ہیں اسی طرح اسلامی ماخذ میں موجود ہیں اور وہ بہت ہیں۔ اس مقام پر ان بشارتوں میں سے ہم چند بشارتوں کا ذکر کر رہے ہیں۔

الف۔ تمام ادیان کی نظر میں

زردشتیوں کی کتابوں میں آخری زمانہ اور ظہور مہدی موعود کے بارے میں بہت

---

[1] اس بات کی وضاحت کر دینا ضروری ہے کہ اس درس میں جو باتیں بیان ہوئی ہیں وہ مختلف نکتہ، نظر اور پہلوؤں سے قابل بحث ہیں لیکن یہاں جو ہمارا نظریہ ہے۔ وہ ان مسائل کے تاریخی پہلوؤں سے بحث ہے دوسرے گوشوں سے ان مقامات پر بحث ہوگی۔

سی باتیں مذکور ہیں۔

منجملہ ان کے کتاب "جاماسب"[1] میں مرقوم ہے کہ زمین عرب اور خاندان ہاشم سے ایک شخص بڑے جسم اور بڑی پنڈلی والا نکلے گا وہ اپنے جد کے دین پر ہوگا، بہت زیادہ لشکر کے ساتھ وہ ایران کی طرف رخ کرے گا اور اس کو آباد کرے گا۔ اور زمین کو داد سے پر کرے گا اور اس کی عدالت کی بناء پر بھیڑیا، بھیڑ کے ساتھ پانی پیئے گا۔"[2]

ہندؤں نے بھی اپنی کتاب مقدس وید میں لکھا ہے کہ "دنیا کی خرابی کے بعد آخری زمانہ میں ایک بادشاہ پیدا ہوگا جو خلائق کا پیشوا ہوگا۔ اس کا نام "منصور" ہوگا۔[3] وہ ساری دنیا کو اپنے قبضہ میں کرکے اپنے دین پر لے آئے گا۔ اور مومن و کافر میں سے ہر ایک کو پہچانتا ہوگا، وہ جو کچھ خدا سے مانگے گا وہ اس کو ملیگا۔

"توریت"[4] سفر پیدائش میں نسل اسماعیل سے پیدا ہونے والے بارہویں امام کے بارے میں گفتگو موجود ہے" .... اور خاص کر اسماعیل کے بارے میں، میں نے تیری دعا قبول کی اب اس کو برکت دیکر بار آور کر دونگا اور اس کو بہت زیادہ کر دونگا اور اسی سے بارہ

---

[1] زرتشت کے شاگرد اور داماد "جاماسب" سے منسوب " دائرۃ المعارف فارسی و بشارت عہدین۔ حاشیہ /۲۴۳

[2] بشارت عہدین /۲۵۸، ادیان و مہدویت /۱۶

[3] "نجم الثاقب" ص۴۷ شمارہ ۱۳۵ میں ذخیرہ اور تذکرہ سے منقول ہے کہ امام عصرؑ کے ناموں میں سے ایک نام "منصور" ہے کتاب "وید" براھمہ میں جو ان کے عقیدہ کے مطابق آسمانی کتاب ہے آیا ہے اور امام محمد باقرؑ سے "آیت من قتل مظلوماً فقد جعلنا لولیہ سلطاناً" کی تفسیر میں ہے کہ اس سے مراد امام حسینؑ ہیں جو مظلوم قتل کئے گئے اور آیہ فلا یسرف فی القتل انہ کان منصوراً سورہ اسراء /۳۳ کے ذیل میں فرمایا کہ خدا نے مہدی کا نام منصور رکھا ہے اس طرح جس طرح پیغمبر اکرمؐ کا نام محمدؐ اور محمود ہے اور جس طرح حضرت عیسیٰؑ کا لقب مسیح ہے۔" مدارک بالا اور بحار الانوار جلد ۵۱/۳۰-۳۱

[4] بشارت عہدین /۲۴۵، ادیان و مہدویت /۱۶

سردار پیدا ہوں گے اور ایک عظیم امت اس سے پیدا کروں گا۔[1]

"داؤد" کی زبور میں بھی لکھا ہے کہ ۔۔۔۔۔۔ اور صالحین کی خدا تائید کرتا ہے۔۔۔۔۔ صالحین وارث زمین ہوں گے اور اس میں ابد تک سکونت اختیار کریں گے۔[2]

عیسائیوں کی کتاب مقدس میں موعود آخر الزمان کے بارے میں زیادہ واضح بشارتیں موجود ہیں۔ منجملہ ان کے ۔۔۔۔۔۔ پھر تم انسان کے بیٹے کو دیکھو گے کہ جو عظیم قوت اور جلالت کے ساتھ بادلوں پر آرہا ہے اس وقت فرشتے چاروں طرف سے زمین کی انتہا اور آسمان کے آخری سرے سے اپنے کو جمع کریں گے لیکن باپ (خدا) کے علاوہ اس دن کی کسی کو خبر نہیں ہے۔ نہ فرشتوں کو آسمان میں اور نہ بیٹے کو لہٰذا ہوشیار اور بیدار ہو کر دعا کرو اس لئے کہ تم کو نہیں معلوم کہ وقت کیا آنے والا ہے ۔۔۔ اور کس وقت گھر والا آئے گا۔[3]

ب۔ اسلامی ماخذ میں

مہدی موعود کا عقیدہ اسلام کا ایک بنیادی اور اس کی حیات کا مسئلہ شمار کیا جاتا ہے۔

---

[1] کتاب مقدس سفر پیدائش باب ۱۷ ص۲۱ بند ۲۰ – ۲۱

[2] کتاب مقدس ص۸۵۷ – ۸۵۶ کتاب مزامیر حضور ۳۷ ۔ بند ۱۷ و ۲۹ ۔ قرآن زبور میں صالحین کے غلبہ کے ذکر سے متعلق بیان کرتا ہے "ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثھا عبادی الصالحون" سورہ انبیاء/۱۰۷ "زبور میں ذکر" تورات کے بعد ہم نے لکھا ہے کہ ہمارے صالح بندے زمین کے وارث ہوں گے۔

[3] کتاب مقدس انجیل مرقس باب ۱۳ بند ۲۶ ، ۲۷ ، ۳۲ ، ۳۳ ، ۳۵ ص۷۹ – ۸۰ یہ بتا دینا ضروری ہے کہ لفظ "پسر انسان" کتاب قاموس کتاب مقدس میں مسٹر ھاکس کی تحریر کے مطابق کتب عہد جدید میں ۸۰ بار آیا ہے جس میں سے صرف ۳۰ موارد ایسے ہیں جن کا مصداق حضرت عیسیٰ ہیں، قاموس کتاب مقدس مادہ پسر خواہر ۲۱۹ " اور ان میں سے ۵۰ مورد ایسے ہیں جو ایک نجات دہندہ کے بارے میں بتاتے ہیں اور ان کے ظہور کا وقت اور دن خدا کے علاوہ کوئی نہیں جانتا اور وہ نجات دینے والا حضرت مہدی عصر کے علاوہ اور کوئی ہے۔

اسلامی مذاہب میں سے کسی خاص مذہب — حتی کہ شیعہ مذہب — پر منحصر نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کے تمام فرقوں نے مستند اور معتبر مدارک اور روایتوں سے اس کو نقل کیا ہے۔ اس سلسلہ میں ایک دو روایات نہیں بلکہ بہت سے اقوال اور متواتر روایتیں موجود ہیں[1]۔

استاد علی محمد علی دخیل نے اپنی کتاب میں اہل سنت کے بزرگ علماء کی ۲۰۶ کتابوں کا نام لکھا ہے جن میں سے ۳۰ افراد نے حضرت مہدیؑ کے بارے میں مستقل کتاب لکھی ہے اور ۳۲ افراد نے اپنی کتاب کی ایک فصل کو حضرت مہدی کے بارے میں پائی جانے والی روایت اور ان کی شرح احوال کیلئے مخصوص کیا ہے اور بقیہ افراد نے مختلف تناسب سے امام عصرؑ سے مربوط احادیث کو نقل کیا ہے اور آپ کے خصائص کے بارے میں گفتگو کی ہے[2]۔

فرہنگ غنی شیعہ میں بھی پیغمبر اکرم اور ائمہ معصومین علیہ السلام سے بہت سی حدیثیں مرقوم ہیں جن میں بارہا حضرت مہدی ان کی غیبت، ظہور اور قیام سے متعلق گفتگو ہوئی ہے۔

شیعوں سے امام زمانہ کے سلسلے میں جو روایتیں نقل ہوئی ہیں وہ اس قدر زیادہ ہیں کہ مسائل اسلامی سے کم موضوعات اس پایہ کو پہونچیں گے اور شیعہ علماء میں سے بہت ہی کم لوگ ایسے ملیں گے

---

[1] علماء اہل سنت میں سے جن لوگوں نے حضرت مہدی کے بارے میں احادیث نبوی کے متواتر ہونے کی تشریح کی ہے ان میں حافظ ابو عبد اللہ گنجی شافعی کتاب "البیان" میں ابن حجر عسقلانی نے "فتح الباری" میں، قاضی محمد شوکانی نے التوضیح فی تواتر ماجاء فی المنتظر والدجال والمسیح" میں شیخ عبد الحق نے لمحات میں شبلنجی نے نور الابصار" میں ابو العرفان صبان نے "اسعاف الراغبین" میں تشریح کی ہے۔ ملاحظہ ہو منتخب الاثر /۵ — ۳ حاشیہ حدیث متواتر اصطلاح میں اس حدیث کو کہا جاتا ہے جس میں متعدد راوی ہوں اس طرح کہ ان کو فی حد نفسہ اور نہ قرآن کے ضمیمہ کے ساتھ بنائی اور کذب سے متہم کیا جا سکتا ہو اس طرح حدیث متواتر کو حدیث قطعی اور حدیث ثابت کہا جا سکتا ہے۔

[2] امام المہدی مصنفہ علی محمد دخیل /۳۱۸ — ۲۹۸ مطبوعہ نجف

جنھوں نے آپ کے بارے میں کتاب نہ لکھی ہو یا کوئی بات نہ کہی ہو۔

کتاب "امام مہدی" کے مولف تحریر فرماتے ہیں: حضرت مہدی کے بارے میں جو روایتیں شیعہ سنی طریقوں سے پہونچی ہیں وہ چھ ہزار سے زیادہ ہیں[1]

ان اخبار کی کثرت اور شہرت کی بنا پر آپ کی ولادت سے پہلے ہی کچھ لوگوں نے مہدویت کا جھوٹا دعویٰ کیا ہے یا ان کی طرف ایسے دعوے کی نسبت دی گئی ہے نمونہ کے طور پر ملاحظہ ہو امام زمانہؑ کی ولادت سے دو صدی پہلے "کیسانیہ فرقہ"[2] محمد حنفیہ کو مہدی منتظر تصور کرتا تھا اور اس بات کا معتقد تھا کہ وہ نظروں سے پنہاں ہو گئے ہیں اور ایک دن ظہور کریں گے۔ وہ لوگ اپنے دعوے کی دلیل میں ان روایتوں سے تمسک کرتے تھے جو غیبت قائم کے بارے میں منقول ہیں[3]

منصور، خلیفہ عباسی نے اپنے بیٹے کا نام "مہدی" رکھا تاکہ لوگوں کے انتظار سے فائدہ حاصل کرے[4]

---

[1] پیشوائے دوازدہم مطبوعہ موسسہ در راہ حق /۱ منقول از کتاب امام مہدی /۶۶۔ صرف کتاب منتخب الاثر میں ۱۵۷ معتبر کتابوں سے امام زمانہ کے بارے میں تقریباً ۶۲۰۷ احادیث کی طرف اشارہ ہوا ہے۔

[2] کیسانیہ شیعہ فرقہ میں سے ہے یہ لوگ مختار ابن ابی عبیدہ ثقفی، جن کو یہ لوگ کیسان کہتے تھے، کے دستوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ کچھ لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ امیر المومنین کے غلاموں میں سے ایک غلام کا نام کیسان تھا اور مختار نے اپنی باتیں ان سے سیکھی تھیں۔ الملل والنحل شہرستانی جلد ۱ مطبوعہ بیروت /۱۴۷ الفرق بین الفرق مطبوعہ بیروت /۳۹-۳۸ تالیف عبدالقادر بغدادی، مذاہب الاسلامیین ج ۲ /۷۲-۱۷ مصنف ڈاکٹر عبدالرحمان بدوی۔

[3] اعلام الوریٰ مطبوعہ بیروت ۱۳۹۹ھ ص۴۱۶، اعیان الشیعہ جلد ۲/۵۷

[4] الحیاۃ السیاسیہ للامام الرضا مصنف استاد جعفر مرتضیٰ /۶۹ و ۸۲-۸۳۔ مولف محترم یہ نکتہ بھی تحریر فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے مہدویت کا دعویٰ کیا ان میں سے ایک "محمد ابن عبد اللہ" علوی بھی تھا۔ اور امام جعفر صادقؑ ←

اسی شہرت کی بنا پر بہت سے شیعہ اور سنی علماء نے غیبت کے زمانہ سے پہلے حتیٰ کہ امام عصرؑ کی پیدائش سے پہلے ان بزرگوار کے بارے میں کتاب لکھی ہے علماء اہل سنت میں سے "عباد ابن یعقوب رواجنی" متوفی ۲۵۰ھ اور مؤلف کتاب "اخبار المہدی" کا نام لیا جا سکتا ہے[۱]

کتاب مسند احمد، مولفہ احمد ابن حنبل شیبانی، متوفی ۲۴۱ھ اور صحیح بخاری نوشتہ محمد ابن اسماعیل بخاری، متوفی ۲۵۶ھ اہل سنت کی ان معتبر کتابوں میں سے ہیں جو امام زمانہ کی ولادت سے پہلے لکھی گئی ہیں اور ان لوگوں نے آپ سے متعلق احادیث کو نقل کیا ہے[۲]

کتاب "مشیخہ" تالیف "حسن ابن محبوب" بھی منجملہ مؤلفات شیعہ میں سے ہیں جو امام زمانہ کی غیبت کبریٰ سے ایک صدی سے زیادہ پہلے لکھی گئی ہے۔ اس میں امام سے متعلق اخبار درج ہیں۔[۳]

اسی شہرت اور کثرت روایات کی بنا پر مسلمان صدر اسلام ہی سے قیام مہدی موعود سے آشنا تھے، خاص کر شیعہ اس حقیقت پر راسخ اعتقاد رکھتے تھے اور مناسب موقع پر اسکو مختلف انداز سے بیان کرتے تھے۔

"کمیت" شیعہ اور انقلابی شاعر متوفی ۱۲۶ھ نے امام محمد باقرؑ کی خدمت میں امام موعود

سے کے علاوہ لوگوں نے ان کی امامت قبول کر لی تھی۔ منصور نے لوگوں کے افکار کو اپنی جانب ملتفت کرنے کے لئے اپنے بیٹے کو مہدی کا لقب دیا اور مجمع میں کہا کہ جو محمد ابن عبداللہ علوی دعویٰ کرتا ہے وہ جھوٹ ہے اور مہدی موعود میرا بیٹا ہے۔

۱۔ فہرست شیخ طوسی / ۱۷۶

۲۔ مسند احمد حنبل جلد ۱/ ۸۴، ۹۹، ۳۷۷، ۴۴۸ و جلد ۲/ ۴۱۱ و جلد ۳/ ۲۱، ۲۷، ۳۷، ۵۲ و جلد ۵/ ۲۷

صحیح بخاری جلد ۳ کتاب بدء الخلق باب نزول عیسی ابن مریم / ۸۷

۳۔ اعلام الوریٰ ص ۴۱۶، اثبات الھداۃ ج ۷/ ۵۳، اعیان الشیعہ ج ۲/ ۵۸

کے بارے میں شعر پڑھا اور آپ کے قیام کے زمانہ کے بارے میں سوال کیا۔[1]

"اسماعیل حمیری" اہل بیت کا چاہنے والا ایک شاعر متوفی ۱۷۳ھ نے امام جعفر صادقؑ کے حضور میں ایک طولانی قصیدہ پڑھا اس کے بعض اشعار کا موضوع اس طرح ہے کہ "میں پروردگار کو گواہ قرار دیتا ہوں کہ آپ (امام جعفر صادقؑ) کا قول مطیع اور گناہگار سب پر حجت ہے ولی امر اور قائم کہ میرا دل جس کا مشتاق ہے اس کی ایسی غیبت ہے کہ بغیر تردید وہ غائب ہوگا۔ پروردگار صلوٰۃ بھیجے ایسے غائب پر یہ کچھ دنوں تک پردہ غیب میں رہے گا پھر ظہور کرے گا اور دنیا کے مشرق و مغرب کو عدل و انصاف سے پر کر دے گا۔[2]

ایک زبردست انقلابی شاعر دعبل خزاعی، متوفی ۲۴۶ھ نے ایک قصیدہ کے ضمن میں جسے امام رضاؑ کی خدمت میں پڑھا تھا، کہا: اگر وہ چیز نہ ہوتی جس کے واقع ہونے کی اُمید آج یا کل میں ہے، تو میرا دل ان پر (ائمہ علیہ السلام پر) حسرت و اندوہ کرتے کرتے پارہ پارہ ہو جاتا (اور وہ امید) ایک امام کے قیام کی ہے جو بلا تردید نام خدا اور برکات الٰہی کے ساتھ قیام کرے گا اور ہمارے درمیان

---

[1] الغدیر جلد ۲/۲۰۳-۲۰۲

[2] اشھد ربّی انّ قولک حجۃ ۔۔۔ علی الخلق طرّاً من مطیع ومذنب
بانّ ولیّ الامر والقائم الّذی ۔۔۔ تطلّع نفسی نحوہ بتطرّب
لہ غیبۃ لابدّ من ان یغیبھا ۔۔۔ فصلّی علیہ اللہ من متغیّب
فیمکث حیناً ثمّ یظھر حینہ ۔۔۔ فیملأ عدلاً کلّ شرق ومغرب

ارشاد مفید/۲۸۴/اعلام الوری/۲۸۰/الغدیر جلد ۲/۲۴۷ کمال الدین جلد ۱/۳۵ مطبوعہ جامعہ مدرسین

یہ یاد دلانا ضروری ہے کہ سید حمیری امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں پہونچنے سے پہلے اس بات کے معتقد تھے کہ موعود محمد ابن حنفیہ ہیں۔ کمال الدین جلد ۱/۳۲ ارشاد مفید/۲۸۴-۲۹۳

حق و باطل کو جدا کرے گا۔ اور اجر و سزا دے گا۔[1]

احادیث کے نمونے

امام زمانہ کے بارے میں اہل سنت اور شیعوں کے طریق سے وارد ہونے والی روایات کے مضمون سے آشنا ہونے کے لئے نمونہ کے طور پر چند احادیث کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

۱۔ پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا: اگر دنیا کی عمر کا ایک ہی دن بچے گا تو بھی خدا ہم میں سے ایک شخص کو بھیجیگا جو دنیا کو عدل و داد سے اسی طرح بھر دے گا جس طرح وہ ظلم و جور سے بھری ہوگی۔[2]

۲۔ ام سلمہ نقل فرماتی ہیں کہ رسول اکرمؐ مہدی کو یاد کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ ہاں وہ حق ہے وہ بنی فاطمہؑ میں سے ہوگا۔[3]

---

[1] فلولا الذی ارجوہ فی الیوم او غدٍ — تقطع نفسی اثرھم حسرات
خروج امام لا محالۃ خارج — یقوم علی اسم اللہ بالبرکات
یمیز فینا کل حقٍ و باطلٍ — و یجزی علی النعماء والنقمات

الغدیر جلد ۲/ ۳۶۰ الفصول المہمۃ/ ۲۴۹ کمال الدین جلد ۲ باب ۳۵ جلد ۶ / ۳۷۳

[2] لو لم یبق من الدنیا الا یوم لبعث اللہ عزوجل رجلا منا یملأھا عدلاً کما ملئت جوراً

مسند احمد ابن حنبل جلد ۱/ ۹۹، سنن ابی داؤد جلد ۴ / ۱۰۷ کتاب المہدی حدیث ۸۳ ۲۲ تھوڑے اختلاف کے ساتھ

[3] سعید بن المسیب یقول سمعت ام سلمۃ تقول سمعت النبی (ص) یذکر المہدی فقال نعم ھو حق و ھو من بنی فاطمۃ

مستدرک حاکم جلد ۴/ ۵۵۷ کتاب الفتن والملاحم، عقد الدرر/ ۲۲

و فرائد السمطین ج ۲/ ۳۲۶ حاشیہ۔

۳۔ امام رضا علیہ السلام نے فرمایا: خلف صالح، فرزند حسن ابن علی، صاحب الزمان اور وہی مھدی موعود ہے[1]۔

۴۔ رسول خدا صلعم نے فرمایا: قائم میری اولاد میں سے ہیں ان کا نام میرا نام ہے ان کی کنیت میری کنیت ہے، ان کے شمائل میرے شمائل ہیں ان کی رفتار میری رفتار ہے وہ لوگوں کو میری شریعت اور دین پر قائم کریں گے اور کتاب خدا کی طرف دعوت دیں گے جس نے ان کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی جس نے ان کی مخالفت کی اس نے میری مخالفت کی اور جس نے ان کا انکار کیا اس نے میرا انکار کیا[2]۔

۵۔ اصبغ بن نباتہ فرماتے ہیں: میں امیر المؤمنین کی خدمت میں پہونچا، دیکھا کہ آپ فکر میں ڈوبے ہوئے ہیں اور زمین کو کھود رہے ہیں، میں نے عرض کیا کہ میں آپ کو متفکر دیکھ رہا ہوں کیا آپ کو زمین سے کوئی رغبت ہے؟ نہیں خدا کی قسم مجھکو دنیا اور زمین سے کوئی رغبت نہیں ہے لیکن میں ایک مولود کے بارے میں سوچ رہا ہوں جو میری نسل سے ہے اور میرے فرزندوں میں سے گیارہواں فرزند ہوگا وہ مھدی ہے وہی جو زمین کو عدل و داد سے پر کر دے گا جس طرح وہ ظلم وجور سے بھری ہوگی اس کے لئے غیبت اور حیرت ہے ایک گروہ اس کے بارے میں گمراہ

---

[1] الخلف صالح من ولد ابی محمد الحسن بن علی وھو صاحب الزمان وھو المھدی منتخب الاثر فصل دوم باب ۲۰/ ۲۲۹ ح ۶ منقول از ینابیع المودۃ/ ۴۹۱، نھایۃ المراد کشف الغمہ ج ۲/ ۲۶۵

[2] القائم من ولدی اسمہ اسمی کنیتہ کنیتی و شمائلہ شمائلی وسنتہ سنتی یقیم الناس علی ملتی وشریعتی و یدعوھم الیٰ کتاب ربی من اطاعہ فقد اطاعنی ومن عصاہ فقد عصانی ومن انکرہ فی غیبتہ فقد انکرنی ... " منتخب الاثر/ ۱۸۳ بہ نقل از کمال الدین صدوق، اعیان الشیعہ ج ۲/ ۵۴ دو جلدی چاپ بیروت

ہو جائے گا اور ایک گروہ ہدایت پائے گا۔[1]

۶۔ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: قائم کے لئے دو غیبتیں ہیں ایک کم مدت کی اور دوسری زیادہ مدت کی غیبت اول میں خواص شیعہ کے علاوہ کوئی اوران کی قیام گاہ کو نہیں جان سکے گا اور غیبت دوسری میں سوائے ان کے خاص دوستوں کے کوئی ان کی جگہ کی معلومات نہیں رکھتا ہوگا۔[2]

انتظار فرج

امید و انتظار اور اس کے مختلف آثار انسان کی فردی اور اجتماعی زندگی میں ناقابل انکار ہیں کوئی بھی انسان اپنی فطرت کے تقاضے کے مطابق امید اور انتظار سے خالی اور بے نیاز نہیں ہے اس لئے کہ انحراف سے دوری مشکلات کے مقابل میں مقاومت پیدا کرنے اور کمال کی طرف بڑھنے کیلئے امید اور انتظار سے بہتر اور کوئی کارساز وسیلہ نہیں ہے۔

تمام آسمانی ادیان حتی وہ مکاتب فکر جو دست بشر کے ساختہ اور پرداختہ ہیں وہ بھی اس بات کی ضرورت پر اتفاق نظر رکھتے ہیں ہر چند کہ انتظار کی مدت کیفیت اور اس کے مورد

---

[1] عن الاصبغ بن نباتہ قال اتیت امیر المؤمنینؑ فوجدتہ متفکراً ینکت فی الارض فقلت یا امیر المؤمنین مالی اراک متفکراً تنکت فی الارض ارغبۃ منک فیھا؟ فقال لا واللّٰہ مارغبت فیھا ولا فی الدنیا یوماً قطّ ولکنی فکرت فی مولود یکون من ظھری، الحادی عشر من ولدی، ھوالمھدی الذی یملا الارض عدلا وقسطا کما ملئت جوراً وظلماً، تکون لہ غیبۃ وحیرۃ یضل فیھا اقوامٌ ویھتدی فیھا آخرون" کافی ج ا کتاب الحجۃ باب الغیبۃ، ج ۷، ص ۳۳۸، کمال الدین ج ا باب ۲۶ حدیث ا ص ۲۸۵، دلائل الامامہ طبری ص ۲۸۹

[2] للقائم غیبتان احداھما قصیرۃ والاخریٰ طویلۃ، الغیبۃ الاولیٰ لا یعلم بمکانہ فیھا الاّ خاصۃ شیعتہ والاخریٰ لا یعلم بمکانہ فیھا الاّ خاصۃ موالیہ ــــ کافی جلد ا/ باب الغیبہ، حدیث ۱۹ ص ۳۴۰۔

میں باہم اختلاف نظر رکھتے ہیں۔

تمام ادیان ومکاتب اسلام میں خصوصاً مکتب تشیع میں مسئلہ انتظار اور امید کو خاص اہمیت دی گئی ہے۔ اس کی خاص کیفیت کی عکاسی کی گئی ہے جو انتظار اور ظہور حضرت مہدی کے موضوع میں درخشاں ہیں۔[1]

انتظار فرج مہدی اور حق کی باطل پر آخری کامیابی کی فکر تاریخ میں ستمگروں اور ظالموں کے مقابل شیعوں کی مقاومت کا راز اور ان کے رشد کا فلسفہ رہا ہے۔ امام موسیٰ کاظمؑ ایک روایت میں علی ابن یقطین سے فرماتے ہیں: دو صدیوں سے شیعہ امید وآرزو کے سایہ میں رشد اور پرورش پا رہے ہیں۔[2]

اس لفظ پر توجہ دینے سے پتہ چلتا ہے کہ "مسئلہ" انتظار فرج" صحن اسلام میں امام زمانہ کے نظروں سے غائب ہونے کے بعد شروع نہیں ہوا بلکہ اس کا سلسلہ صدر اسلام اور نبی کریم کے زمانہ تک پہونچتا ہے وہ اخبار روایات جو پیغمبر اکرم اور ائمہ معصومین علیہم السلام سے ظہور قائم اور فضیلت انتظار فرج کے بارے میں ہم تک پہونچی ہیں وہ بہت ہیں ان میں سے چند نمونے بیان کئے جا چکے اور اب چند دوسرے نمونے خاص کر "انتظار فرج" کے بارے میں ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ امیر المومنینؑ نے پیغمبر اکرم سے نقل فرمایا ہے: انتظار فرج (مہدی) تمام

---

[1] شہید مطہری اپنی کتاب "قیام و انقلاب مہدی" میں فرماتے ہیں کہ انتظار فرج کا نظریہ اسلام کی ایک کلی اصل کا نظریہ سے پیدا ہوتا ہے اور وہ نظریہ اللہ کی رحمت سے مایوسی کے حرام ہونے کا نظریہ ہے۔ قیام انقلاب مہدی انتشارات صدرا ۱۳۶۱ھ ش ص۷۔ استاد کی مراد شاید وہ آیت ہو جس میں ارشاد ہوتا ہے: لا تیاسوا من روح اللہ انہ لا ییأس من روح اللہ الا القوم الکافرون (یوسف/۸۷)

[2] یا علی الشیعۃ تربّی بالامانی منذ مأتی سنۃ، غیبت نعمانی باب ۱۶ حدیث/۱۴ ص ۲۹۵

عبادتوں سے افضل ہے[۱]

۲۔ امیرالمؤمنینؑ نے فرمایا: تم منتظر فرج رہو اور رحمت خدا سے مایوس نہ ہونا بیشک خدا کے نزدیک محبوب ترین اعمال، انتظار فرج ہے[۲]

۳۔ امام زین العابدینؑ نے فرمایا: "منتظر فرج" رہنا بزرگ ترین کشائش ہے[۳]

۴۔ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ہمارے قائم کے چاہنے والے خوش نصیب ہیں جو ان کی غیبت کے زمانہ میں ان کے ظہور کے لئے چشم براہ ہیں اور جب وہ ظاہر ہو جائیں گے تو ان کا حکم مانیں گے وہ لوگ خدا کے اولیاء ہیں اور کسی قسم کا خوف و ہراس ان کو نہیں ہے۔[۴]

انتظار فرج قائم آل محمدؐ نے ان کے پیروؤں کو اس قدر جستجو و سعی و کوشش میں ڈالا کہ اکثر ایسا بھی ہوا کہ ائمہ اطہار علیہم السلام سے ان کے شیعہ پوچھ لیا کرتے تھے کہ کیا قائم آل محمد اور مہدی منتظر آپ ہی ہیں؟ اور وہ حضرت بھی حالات کی مناسبت سے امام قائم کا تعارف کراتے تھے[۵]

۱۔ "افضل العبادة انتظار الفرج" منتخب الاثر فصل ۱۰ باب ۲ ص ۴۹۹ ح ۱۶ منقول از ینابیع المودہ وغایۃ المرام وکمال الدین صدوق باب ۲۵ حدیث ۶

۲۔ انتظروا الفرج ولا تیأسوا من روح اللّٰہ فانّ احبّ الاعمال الی اللّٰہ عزّوجلّ انتظار الفرج

بحار الانوار ۵۲/۱۲۳، منتخب الاثر/ ۴۹۸

۳۔ "انتظار الفرج من اعظم الفرج" بحار الانوار ج ۵۲/ ۱۲۲، کمال الدین باب ۳۱ ح ۲ ص ۳۲۰

۴۔ طوبیٰ لشیعۃ قائمنا المنتظرین لظهوره فی غیبته والمطیعین له فی ظهوره اولئك اولیاء اللّٰہ الذین لاخوفٌ علیهم ولاهم یحزنون" کمال الدین باب ۳۳ حدیث/۵۴

۵۔ اعلام الوریٰ/ ۴۰۹ - ۴۰۸

وقتِ ظہور

امام زمانہ کے چوتھے نائب کی وفات کے بعد غیبت کبریٰ کا زمانہ شروع ہوا اور اب تک غیبت کبریٰ کا دور چل رہا ہے۔ آپ کا ظہور اور قیام اس دور کے اختتام کے بعد خدا کے حکم سے ہوگا۔ ان روایتوں کی بنیاد پر جو ائمہ معصومین علیہم السلام سے وارد ہوئی ہیں حضرت کے ظہور کا وقت صرف خدا کو معلوم ہے اور جو کوئی بھی اس سلسلہ میں وقت معین کرے وہ جھوٹا ہے۔

فضیل نے امام باقرؑ سے پوچھا: کیا اس امر کے لئے کوئی وقت نہیں معین کیا جا سکتا؟ آپ نے فرمایا: "کذب الوقّاتون" وقت معین کرنے والے جھوٹے ہیں[۱]

اسحاق ابن یعقوب نے محمد ابن عثمان عمری کے ذریعہ ایک خط امام عصرؑ کو بھیجا اور ان سے چند سوالات دریافت کئے۔ امام نے اس سوال کے جواب میں جو ظہور سے متعلق پوچھا گیا تھا، فرمایا: ظہور فرج خداوند عالم کے حکم سے وابستہ ہے اور وقت معین کرنے والے جھوٹے ہیں۔[۲]

محمد ابن مسلم نقل کرتے ہیں کہ امام جعفر صادقؑ نے مجھ سے بتایا: جس نے تمہارے سامنے وقت ظہور کو معین کیا اس کو جھٹلانے میں دریغ نہ کرنا۔ اس لئے کہ ہم ظہور کے لئے وقت معین نہیں کرتے[۳]

---

[۱] "عن الفضیل قال سئلت اباجعفرؑ، هل لهذا الامر وقت؟ فقال:ؑ، کذب الوقاتون کذب الوقاتون، کذب الوقاتون" غیبت شیخ / ۲۶۲ - ۲۶۱۔ بحار الانوار ج ۵۲/ ۱۳۰، منتخب الاثر فصل۶ باب ۸ ح ۱ ص ۴۶۳۔

[۲] "واما ظهور الفرج فانه، الی الله تعالیٰ ذکره وکذب الوقاتون" کمال الدین ۲/ ص ۱۶۰ حدیث/ ۴

[۳] من وقّت لک من الناس شیئاً فلا تهابن ان تکذب به فلسنا نوقت لاحدٍ بحار الانوار ج ۵۲/ ۱۰۴، ۱۱ح

ان روایات کے مجموعہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ظہور کے وقت کا تعین اسرار الٰہی میں سے ہے ائمہ میں سے بھی کسی نے وقت ظہور معین نہیں کیا ہے۔ لیکن علامتیں بیان فرمائی ہیں۔ ان علامتوں کا واقع ہونا ظہور کی خوشخبری دیتا ہے۔

ظہور سے پہلے کے حالات

جو روایات ظہور سے پہلے کے حالات اور علامتوں کے بارے میں نقل ہوئی ہیں انکی تعداد خاصی ہے پھر ان روایتوں کو نقل کرنا اور انکی تحقیق کرنا بھی آسان نہیں ہے۔ اس لئے یہاں چند حالات کے ذکر پر اکتفا کی جاتی ہے۔

۱۔ ساری دنیا میں ظلم، گناہ اور بے دینی کا پھیل جانا:

بہت سی روایتیں یہ بتاتی ہیں کہ آپ کا قیام اس وقت ہوگا جب ظلم و جور دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے چکا ہوگا۔

بعض روایتوں میں یہ بھی بیان ہوا ہے کہ حضرت قائم کے ظہور سے پہلے حتی کہ اسلامی معاشرہ میں بھی فسق و فجور، مختلف قسم کے گناہ اور برائیاں۔ جیسے منشیات کی خرید و فروخت، شراب خوری، سود خوری، زنا اور دوسرے برے اعمال خلاف ورزیاں، بدعت، بے حجابی، بے عفتی، مکمل طور پر رائج ہو جائے گی۔[۱]

ہم متمدن دنیا میں مذکورہ برائیوں کے اوج کو دیکھ رہے ہیں۔

---

[۱] اس روایت کے مضمون سے مزید آگاہی حاصل کرنے کے لئے بحار الانوار جلد ۵۲ / باب ۲۵ احادیث/۲۴ ۲۶، کمال الدین جلد ۲ باب ۴۷/ ۵۲۵، منتخب الاثر جلد ۱ فصل ۶ / باب ۲/ احادیث ۸، ۹، ۱۰، ۱۵، اعیان الشیعہ جلد ۲/ ۷۸ - ۷۷۔

اسلامی انقلاب کے عظیم رہبر حضرت امام خمینی کی رہبری میں ملت ایران کا اسلامی انقلاب انشاء اللہ امام عصر کے عالمی انقلاب کا مقدمہ ہوگا ۔ درحقیقت یہ انقلاب انھیں مظالم کے خلاف تھا ۔ خدا کا شکر ہے کہ بہت سی برائیوں اور خرابیوں کی جڑ اسلامی ملک ایران میں قطع ہوگئی ۔۔ اور اس بات کی اُمید ہے کہ ایک دن ساری زمین عدل و انصاف سے پر ہو جائے گی ۔

۲ ۔ خروج سفیانی

سفیانی ۔۔ جو کچھ روایتوں کی بنیاد پر اموی اور عتبہ ابن ابی سفیان کی نسل سے ہوگا ۔ اس کا نام "عثمان ابن عنبسہ" ہے وہ خاندان رسالت اور شیعوں سے خاصی دشمنی رکھتا ہے ۔ وہ سرخ چہرہ کرنجی آنکھوں والا چہرہ پر چیچک کے داغ، کریہہ المنظر، ظالم و خیانت کار ہے ۔ شام[۱] میں قیام کرے گا اور بڑی تیزی سے پانچ شہروں پر قبضہ کرے گا[۲] اور ایک بڑے لشکر کے ساتھ کوفہ کی سمت بڑھے گا ۔ عراق کے شہروں خصوصاً نجف اور کوفہ میں بڑے جرائم کا مرتکب ہوگا اور مدینہ کی طرف لشکر روانہ کرے گا ۔ اس کے سپاہی مدینہ میں قتل و غارت گری مچائیں گے ۔ وہاں سے مکہ کی طرف جائیں گے لیکن مدینہ اور مکہ کے درمیان بیابان میں خدا کے حکم سے زمین میں دھنس جائیں گے ۔

خود سفیانی بھی ۔۔ امامؑ کے مکہ سے مدینہ کی طرف اور مدینہ سے کوفہ کی طرف روانہ ہونے کے بعد ۔۔ عراق سے دمشق کی طرف فرار کرے گا اور امام ایک لشکر اس کے تعاقب میں روانہ فرمائیں گے ۔ انجام کار سفیانی بیت المقدس میں امام علیہ السلام کے سپاہیوں

---

[۱] اس سے مراد زمانہ سابق کا شام ہے جو سیریا، فلسطین اور اردن پر مشتمل تھا ۔

[۲] یہ پانچ شہر: دمشق، حمص، فلسطین، اردن، قنسرین بحار الانوار جلد ۵۲ / ۲۰۶ و اثبات الہداۃ ج ۷ / ۳۹۸ و ۴۱۷ و اعیان الشیعہ ج ۲ / ۷۳"

کے ہاتھوں ہلاک ہوگا۔[1]

۳۔ سید حسنی کا خروج

سید حسنی ۔ موجودہ روایات کی بناپر بزرگان شیعہ میں سے ہیں ۔ ایران میں دیلم و قزوین[2] کے علاقہ میں قیام کریں گے اور لوگوں کو اسلام اور ائمہ کی روش کی طرف بلائیں گے ۔ بہت سے لوگ ان کے ساتھ ہوں گے اور بہت بڑے علاقہ کو ۔ اپنی جگہ سے کوفہ تک ۔ ظلم و جور سے پاک کردیں گے اور کوفہ میں خبر ہو جائے گی کہ امام قائم نے ظہور کیا ہے اور اپنے اصحاب کے ساتھ کوفہ کی طرف آرہے ہیں ۔ سید حسنی ان کے استقبال کے لئے جائیں گے ۔ بجز ان چالیس ہزار آدمیوں کے جو امام کی دعوت کو قبول نہیں کریں گے ۔ اور امام تین دن تک موعظہ کرتے رہیں گے اور ان لوگوں کے اس موعظہ کو قبول نہ کرنے کے بعد ان کے قتل کا حکم صادر فرمائیں گے ۔ پھر سید حسنی اپنے پیروؤں کے ساتھ امام کی بیعت کریں گے ۔[3]

۴۔ ندائے آسمانی

ظہور کی علامتوں میں سے ایک ندائے آسمانی ہے جو حضرت علیؑ اور ان کے شیعوں کی حقانیت کو ثابت کرنے کے لئے آئے گی ۔[4]

۱۔ ملاحظہ ہو ۔ اثبات الھداۃ جلد ۷/۴۱۷ ، غیبت نعمانی باب علامات ظہور/ ۲۸۳ و ۲۴۷ غیبت شیخ ص ۲۸۰ ، ۲۶۵ بحار الانوار جلد ۵۲ باب ۲۵ /۲۷۹ ۔ ۱۸۱ منتخب الاثر فصل ۶/ باب ۶/ و فصل ۷/ باب ۱۰/ اعیان الشیعہ جلد ۲/۷۴ ۔ ۷۳

۲۔ کوہستان شمالی قزوین کے ایک حصہ کا نام "دیلمان" ہے ۔

۳۔ بحار الانوار جلد ۵۳/۱۶ ۔ ۱۵

۴۔ بحار الانوار ج ۲۰۶/۵۲ و ۳۰۵ ، اثباۃ الھداۃ ج ۷/ ۳۹۹

مذکورہ علامتوں کے علاوہ دوسری علامتیں بھی ذکر ہوئی ہیں جن میں سے کچھ ظہور سے پہلے اور کچھ ظہور کے ساتھ ظاہر ہوں گی۔

ظہور کے بعد کی حالت

ان تمام روایتوں کے مجموعہ سے جو ظہور حضرت مہدی کے بعد کے واقعات کے بارے میں ہم تک پہونچی ہیں یہ ثابت ہوتا ہے کہ امام عصر اذن پروردگار کے بعد کعبہ میں رکن ومقام کے مابین ظاہر ہوں گے اس حالت میں کہ پرچم، شمشیر، عمامہ اور پیغمبرؐ کا پیرہن آپ کے ساتھ ہوگا حق کا منادی آپ کے ظہور کی بشارت کو ساری دنیا کے لوگوں کے کانوں تک پہونچائیگا اور اسم وعلامت کے ساتھ امام کا تعارف کرائے گا اور لوگوں سے کہے گا کہ ان کی بیعت کرو۔

امام کے خاص دوستدار جن کی تعداد ۳۱۳ ہے آسمانی آواز پر لبیک کہکر دعوت کے بعد فوراً مکہ میں آپ کی بیعت کریں گے[۱]

اس کے بعد امام اپنی عمومی دعوت کو شروع کریں گے اور فرشتوں کے ذریعہ آپ کی مدد کی جائے گی محروم اور ستم رسیدہ افراد ہر طرف سے جمع ہوکر امام کی بیعت کریں گے۔ ان کے مددگار جنگجو، فداکار، دن کے شیر اور رات کے راہب ہوں گے ان کے دل لوہے کے ٹکڑے کی طرح مضبوط ہوں گے اور ان میں سے ہر آدمی چالیس آدمیوں کی طاقت رکھتا ہوگا وہ لوگ امام کی اطاعت کرنے میں انتھک کوشش کرنے والے ہوں گے اور جدھر جائیں گے، کامیاب ہوں گے۔

---

[۱] امام جعفر صادق ؑ سے منقول ایک روایت کا مضمون یہ ہے کہ جب امام زمانہ ظہور فرمائیں گے تو اس وقت شیعہ نوجوان بغیر کسی پہلے سے کئے ہوئے وعدے کے اپنے کو مکہ پہونچا دیں گے اور امام عصرؑ کے حضور میں حاضر ہو جائیں گے۔ بحارالانوار جلد ۵۲/ ۳۷۰ وغیبت نعمانی/ ۳۱۶ -

امام کچھ دنوں تک مکہ میں رہیں گے پھر مدینہ کی طرف روانہ ہوں گے اور مدینہ میں جنگ کے بعد اپنے سپاہیوں کے ساتھ کوفہ آئیں گے اور اس کو اپنی حکومت کا مرکز قرار دیں گے۔

امام عصرؑ اللہ کی مشیت سے تھوڑے دنوں میں عالم کے مشرق و مغرب کو فتح کرلیں گے اسلام کو پوری دنیا میں پھیلائیں گے اور دین خدا کی تجدید کریں گے۔ اسلام کے پیکر کو بدعتوں سے الگ کریں گے اور کتاب خدا و سنت پیغمبرؐ کے مطابق حکومت کریں گے۔ امیر المؤمنین کی طرح ان کی غذا سادہ اور ان کا لباس کھردرا ہوگا[1]

حضرت عیسیٰ مسیح آسمان سے تشریف لائیں گے اور نماز میں آپ کی اقتدا کریں گے۔[2]

حضرت مہدی کی حکومت میں زمین کے خزانے اور اس کی برکتیں آشکارہ ہوجائیں گی۔ ثروت و نعمت اتنی بڑھ جائے گی کہ فقر ختم ہوجائے گا زکوٰۃ و صدقہ دینے کے لئے کوئی فقیر نہیں ملے گا۔ عدل اور امن امان ہر جگہ کو گھیر لے گا۔ اس طرح کہ اگر کوئی بوڑھی عورت اپنے سر پر سونے اور جواہرات کا طشت رکھ کر ایک جگہ سے دوسری جگہ جارہی ہوگی تو کوئی آدمی اس کے لئے رکاوٹ نہیں بنیگا امام کے ساتھ تمام ستم رسیدہ افراد کی ویرانیاں آباد ہوجائیں گی۔ آپ کے اصحاب کی آنکھوں اور انکے کانوں کو خداوند کریم اتنی طاقت عطا کرے گا کہ وہ لوگ آپ کی باتیں سنیں گے اور آپ کو دیکھیں گے درآں حالیکہ آپ اپنی جگہ پر ہوں گے۔

امام مہدی کی حکومت میں خداوند عالم اپنا دست لطف و رحمت اپنے بندوں کے

---

[1] رسول اکرم .... مالباس القائم الّا الغلیظ و ماطعامہ الّا الجشب" غیبت نعمانی/۲۸۵، منتخب الاثر فصل ۲ باب ۴۲ صـ ۳۰۷ ح ۱

[2] رسول اکرمؐ نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہؑ زہراءؑ سے فرمایا تھا: "ومنّا واللہ الذی لا الٰہ الا ھو مہدیّ ھذہ الامۃ الذی یصلّی خلفہ عیسیٰ بن مریم" اثبات الھداۃ ج ۷/۱۴ یعنی خدا کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اس امت کا مہدی ہم میں سے ہے کہ جس کے پیچھے عیسیٰ ابن مریم نماز پڑھیں گے۔

سر پر رکھے گا اور ان کی عقل کو استحکام اور ان کے افکار کو ترقی عطا کرے گا۔

اس زمانہ میں ہر شخص اور ہر چیز اپنے مطلوبہ کمال اور زیبائی تک اور انسانیت کی تمام تمنائیں اور آرزوئیں خدا کے ولی اعظم، وصیٔ خاتم الانبیاء کی حکومت کے زیر سایہ پوری ہوں گی اور خدا نے جو یہ وعدہ فرمایا ہے کہ ونرید ان نمن علی الذین استضعفوا فی الارض ونجعلھم ائمۃ ونجعلھم الوارثین[۱] ۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ مستضعفین پر ہم احسان کریں گے اور ان کو زمین کا وارث بنائیں گے ـــــ پورا ہوگا[۲] ۔

ظہور حضرت مہدی اور حکومت موعود میں دنیا اور انسان کا کیا حال ہوگا یہ اس کا مختصر بیان تھا۔

۱؎ سورہ قصص آیہ ۴

۲؎ ان روایات کے مضمون سے واقفیت کے لئے کہ جس میں سے کچھ مضمون کو ہم نے یہاں بیان کیا ہے ملاحظہ ہو۔

بحار الانوار جلد ۵۲/ باب ۲۶ احادیث ۳ و ۱۰، ۷۳، ۷۸، ۸۳، و باب/ ۲۷ احادیث ۲۵، ۲۹، ۳۱، ۲۷ و ۸۳، ۹۱، ۱۱۲، ۱۱۹، ۱۲۹، ۱۶۴، ۲۱۳ وجلد ۵۳ باب ۲۸، کشف الغمہ ج ۳/ ص ۲۵۵ و ۲۶۲، ۲۶۹، اعلام الوری ص ۴۳۰-۴۲۶، ارشاد مفید/ ۳۶۳، منتخب الاثر فصل ۲ باب ۴۳ و فصل ۲ باب ۱ و ۱۱ و فصل ۷، باب ۱، ۲، ۴، ۵ و ۷، ۸، ۱۱، ۱۲ و فصل ۸ باب ۲ اعیان الشیعہ ج ۲/ ۸۴-۸۱

سوالات

① امام زمانہ کے بارے میں توریت کی پیشگوئیوں اور بشارتوں میں سے ایک کا ذکر فرمایئے۔

② کیا اسلامی ماخذوں میں امام عصر کی ولادت سے پہلے آپ سے متعلق روایات کسی مدوّن کتاب میں مذکور ہوئی تھیں اگر جواب مثبت ہو تو کتاب اور مولف کا نام لکھئے۔

③ انتظار فرج کا مسئلہ اور اس بات میں وارد روایتیں کب بیان ہوئیں؟ اس سلسلہ کی دو روایتوں کا ذکر فرمایئے۔

④ امام مھدی کا ظہور کب ہوگا؟ ائمہ علیہم السلام کا اس سلسلہ میں کیا نظریہ ہے؟

⑤ امام عصر کے ظہور سے پہلے کے واقعات میں سے دو واقعات کا ذکر کیجئے

⑥ وہ روایتیں جو ہم تک پہونچی ہیں۔ ان کے پیش نظر حکومت حضرت مھدیؑ کا جائزہ لیجئے۔

ہماری مطبوعات

درسِ قرآن
مکتبِ تشیع اور قرآن
اسرارِ نہج البلاغہ
نہج البلاغہ سے چند منتخب نصیحتیں
مذہبِ اہلِ بیتؑ
شیعیت کا آغاز کب اور کیسے
فلسفۂ امامت
اہلِ بیتؑ آیتِ تطہیر کی روشنی میں
ائمہ سیریز (مکمل سیٹ)
سوانح حیات حضرت فاطمۃ الزہراؑ
اہلِ بیتؑ کی زندگی، مقاصد کی ہم آہنگی، زمانہ کی نیرنگی
مثالی عزاداری کیسے منائیں؟
آمریت کے خلاف ائمۂ طاہرینؑ کی جدوجہد
صدائے حضرتِ سجادؑ
سوانح حیات حضرت امام حسینؑ
تفسیرِ سیاسی قیامِ امام حسینؑ
ائمۂ معصومینؑ کی سیاسی زندگی کا تحقیقی جائزہ
فلسفۂ عزاداری و قیامِ امام حسینؑ
اثباتِ وجودِ خدا
۲۰ جواب
آسان عقائد (دو جلدیں)
تعلیم دین سادہ زبان میں (دو جلدیں))
حسینؑ شناسی
انقلابِ حسینؑ پر محققانہ نظر
فکرِ حسینؑ کی الف، ب

تفسیرِ عاشورا
عزاداری کیوں؟
عاشورا اور خواتین
پیامِ شہیداں
ہمارا پیام
آزمائش
درسِ انقلاب
اسلامی تحریک قرآن و سنت کی روشنی میں
شناختِ استکبار
عوامی حکومت یا ولایتِ فقیہ
کتاب المومن
خاندان کا اخلاق
ازدواج در اسلام
اسلام میں خواتین کے حقوق
آسان مسائل
عورت پردے کی آغوش میں
اسلامی اتحاد، مسلکِ اہلِ بیتؑ کی روشنی میں
مادیت و کمیونزم
خاک پر سجدہ مقصد، اہمیت، حقیقت
عظیم لوگوں کی کامیابی کے راز
انسان کے کمال میں اخلاق کا کردار
دعائے افتتاح - دعائے ندبہ
زیارتِ جامعہ
نظامِ مرجعیت شہیدین کی نظر میں
فاطمہ زہراؑ اسلام کی مثالی خاتون